اُردو سفر نامے میں مذہبی عناصر: تجزیاتی مطالعہ

(۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اردو)

مقالہ نگار:

عائشہ بیگم

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۰ء

اُردو سفر نامے میں مذہبی عناصر: تجزیاتی مطالعہ

(۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک)

مقالہ نگار:

عائشہ بیگم

یہ مقالہ

پی ایچ۔ ڈی (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگوئجز

(اُردو زبان و ادب)

فیکلٹی آف لینگویجز
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، ۲۰۲۰ء

©عائشہ بیگم

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہوئے کہ اُنہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارگردگی سے مطمئن اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اُردو سفر نامے میں مذہبی عناصر: تجزیاتی مطالعہ (۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک)

پیش کار: عائشہ بیگم

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اُردو زبان و ادب

ڈاکٹر صائمہ نذیر ____________________
نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________
ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈئر سید نادر علی ____________________
ڈائریکٹر جنرل

میجر جنرل (ر) محمد جعفر، ہلال امتیاز (ملٹری) ____________________
ریکٹر نمل

تاریخ ____________________

اقرار نامہ

میں، عائشہ بیگم حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام کے پی ایچ۔ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

عائشہ بیگم
مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

صفحہ نمبر	عنوان
iii	مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم
iv	اقرارنامہ
v	فہرست ابواب
viii	Abstract
ix	اظہارِ تشکر
۱	**باب اول: تعارف وبنیادی مباحث**
۱	**الف۔ تمہید**
۱	i. موضوع کا تعارف
۲	ii. بیان مسئلہ
۲	iii. مقاصد تحقیق
۲	iv. تحقیقی سوالات
۲	v. نظری دائرہ کار
۳	vi. تحقیقی طریقہ کار
۳	vii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق
۳	viii. تحدید
۴	ix. پس منظری مطالعہ
۴	x. تحقیق کی اہمیت
۵	ب۔ مذہب کا تصور
۱۲	ج۔ مذاہب کے بارے میں نظریات

د۔ اردو سفر نامہ تاریخ وارتقاء ۶۱

حوالہ جات ۷۹

باب دوم: اردو سفر ناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء) ۸۳

الف۔ عقائد ۸۳

ب۔ مذہبی اقدار ۸۴

ج۔ مقدس کتب ۹۰

د۔ مقدس مقامات ۹۳

ر۔ مذہبی تہوار ورسومات ۱۰۵

حوالہ جات ۱۰۸

باب سوم: اردو سفر ناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۰ء) ۱۱۰

الف۔ عقائد ۱۱۰

ب۔ مذہبی اقدار ۱۱۴

ج۔ مقدس کتب ۱۲۲

د۔ مقدس مقامات ۱۲۴

ر۔ مذہبی تہوار ورسومات ۱۳۴

حوالہ جات ۱۳۹

باب چہارم: اردو سفر ناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء) ۱۴۲

الف۔ عقائد ۱۴۲

ب۔ مذہبی اقدار ۱۵۲

ج۔ مقدس کتب ۱۶۳

د۔ مقدس مقامات ۱۶۴

ر۔ مذہبی تہوار ورسومات ۱۹۳

حوالہ جات ۲۰۰

باب پنجم: ماحصل ، نتائج و سفارشات ۲۰۴

الف: ماحصل ۲۰۴

ب: نتائج ۲۱۷

ج: سفارشات ۲۱۹

کتابیات ۲۲۰

Abstract

Title: RELIGIOUS ELEMENTS IN URDU TRAVELOGUE: AN ANALYTICAL STUDY

This research thesis contains half-century travelogues of the twentieth century. Travel and religion have a deep connection with both the outward and the inward human. Likewise, every religion has its own unique identity, both outward and inward. The synagogue identifies the followers of that religion. The journey of a human being begins with his creation. While spiritual travel is also related to prehistory, this thesis is a combination of major elements like travel and religion.In Islam, where religion is termed as “travel is source of victory”. Similarly, other religions and civilizations have a special meaning for travel. And especially when religious matters are driven in the background of travel, it becomes a form of travel worship. For example, if Muslims go for Hajj, then their journey is worship. Hindus likewise consider salvation as a journey to Gangotri. Jerusalem is a means of salvation for the Jews. In this thesis, all the travelogues that have been written in the above mentioned period have been made subject research. Content available to benefit from a convenient and well-researched source is divided into three periods. First period contains 1947 to 1960. Second period covers next twenty years. Similarly, the last 20-year period has been made part of the third period.The thesis contains five Chapters. The first chapter consists of an introduction and a theoretical discussion. After setting the scope of the research in the first chapter, the second, third, and fourth chapters identified the religious elements of the correspondents' journals. Thousands of travels by hundreds of authors have come to the fair during this time span of half a century. Obviously not all travel journals could be discussed in this short research project. So the authors and their journals were chosen in which the religious elements were somehow in their full swing and religious impression. Since the scope of religious matters has been set out in Chapter I, The remaining three chapters, therefore, focus on identifying the religious elements keeping in mind the style of the reporter so as to avoid repetition. Finally, the findings of the entire thesis are presented in the form of a trial. There will certainly be room for expansion and improvement.

اظہارِ تشکر

اس مقالے کی تکمیل پر میں اللہ کے حضور سر بسجود ہوں کہ اُس رب نے مجھے اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قلم و قرطاس کے رشتہ کو استوار کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ حضور ﷺ کی دربارِ عالیہ میں سراپا عجز ہوں۔ جن کے وسیلہ رحمت سے مجھے علم کی فضیلت و عظمت سے آگاہی حاصل ہوئی۔ اس مقالے کی تحقیق کے دوران مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا کہ ایسی شخصیات جن کی شفقت اور محبت نصیب ہوئی اور ان کی دعائیں کا سایہ فگن آج بھی ہیں۔ ان ہستیوں کی کرم نوازی میرے لیے باعث فخر ہے۔ یہ شخصیات میرے لیے ایسی ہیں جیسا کہ آسمان پر چاند اور ستارے ہیں جو رات کی تاریکی میں روشنی فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح ان برگزیدہ ہستیوں کی عنایت و کرم کی بدولت مجھ ناچیز کو اس قابل بنایا۔ زندگی کے سفر میں ایسے مہربان، ہمدرد، پر خلوص اور علم سے لگاؤ رکھنے والے افراد کی رہنمائی اور بصیرت نصیب نہ ہوتی تو میں یہ کام نہ کر سکتی۔ زندگی ایک ایسا سفر ہے جو ہر موڑ پر دوسروں کی محتاج ہے۔ اس سفر کو طے کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جو اکیلے انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس طرح زندگی کے سفر میں رہنما صفت شخصیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ اپنے تعلیمی سفر کی ابتداء میں جن شخصیات کی شفقت و محبت نصیب ہوئی۔ ان میں سب سے پہلے میرے والد محترم عبد الغفور خان صاحب ہیں جنھوں نے میرا رشتہ قلم و قرطاس سے منسلک کیا۔ اُنھوں نے مجھ ناچیز کو اس قابل بنایا کہ آج ان کے خواب کی تعبیر ممکن ہوئی۔

میرے اس تحقیقی مقالے کی تکمیل کے بعد حتمی نتائج تک تمام انتظامی معاملات میں جس شخصیت نے انتہائی شفقت اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا وہ پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی (ڈین فیکلٹی آف لینگویجز) ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے نہ صرف ان کی شکر گزار ہوں بلکہ عمر بھر ان کی رہین منت رہوں گی۔ صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر فوزیہ اسلم اور ڈاکٹر عابد حسین سیال کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے مشفقانہ انداز سے لمحہ بہ لمحہ میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی۔ اُنھوں نے نہ صرف اپنی لائبریری سے مجھے کتب فراہم کیں بلکہ اپنا قیمتی وقت عنایت فرما کر قیمتی آراء سے نوازتے رہے۔ میں نے اپنے قابلِ احترام محسن انسانیت اُستاد محترمہ جناب ڈاکٹر صائمہ نذیر وہ شخصیت جنھوں نے اس مقام پر پہنچنے میں میری بہت زیادہ مدد کی۔ اُنھوں نے میری غلطی و کوتاہی کو نہ صرف اعلیٰ ظرفی اور خندہ پیشانی سے معاف کیا بلکہ میری غلطیوں کی درستی اور اصلاح بھی کی۔ ہر

ممکن کوشش کی اور بار بار یاددہانی کام کی رفتار بڑھانے کے لیے مجھے ایسی شفقت آمیز لہجہ سرزنش کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ اس مقالے کو مکمل کرلوں۔ ان کے احسانات کو اگر بیان کرنا بھی چاہوں تو باوجود چاہنے کے بیان نہیں کر سکتی۔ ان کے اظہارِ تشکر کے لیے ہر لفظ بہت معمولی ہو گا۔ ڈاکٹر روبینہ شہناز صاحبہ خصوصی شکریہ کی مستحق ہیں جنھوں نے ہر کام میں نہ صرف میری رہنمائی کی بلکہ قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی بھی کی۔ ڈاکٹر نعیم مظہر اورڈاکٹر رخشندہ مراد جن کی شفقت اور رہنمائی سے مجھے کامیابی کی طرف لے جانے میں معاون ثابت ہوئی۔

جن شخصیت کے مجھ پر بہت زیادہ احسانات ہیں۔ اُن میں میری والدہ محترمہ جن کی دعائیں نہ صرف میرے لیے شرف سہارا ہیں بلکہ ایک قیمتی اثاثہ بھی ہیں۔ انھوں نے نہ جانے کن کن مشکلات میں میرے لیے علم وادب کی شمعیں روشن کیں۔ میری دعا ہے کہ زندگی کے آخری سانس بھی ان کی دعاؤں اور شفقتوں کے سائے میں گزریں۔ میرے تعلیمی سفر میں جس شخصیت نے سب سے اہم کردار ادا کیا بہت سی مشکلات و مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ وہ میرے بھائی محترم عبدالجبار خان ہیں۔ جنھوں نے صحت کی خرابی اور بے حد مصروفیات کے باوجود نہ صرف میرے مقالے کی تکمیل پر بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر اُن کی شفقت و محبت میرے شاملِ حال رہی اور ہر طرح کی رہنمائی اور جانی ومالی امداد بھی کرتے رہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے ممنوں ہوں عبدالبصیر خان (ایڈووکیٹ)، عبدالناصر خان (ایڈووکیٹ) اور ڈاکٹر عبد القدیر خان کی کہ جنھوں نے ہر قدم پر نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں میرا ساتھ دیا۔ میں خصوصی طور شکر گزار ہوں محمد صیاد تبسم اور محمد فیاض دانش کی جنھوں نے زندگی کے ہر مرحلے میں نہایت خلوص و محبت سے ہمت افزائی کی۔ میں خصوصی طور پر ممنوں ہوں حماد، حامد، مزمل، احسن، محسن اور فہد کی جنھوں نے میرے لیے بہت سی دعائیں کیں اور میرے اندر محنت کا جذبہ پیدا کیا۔

میں ان شخصیات کے احسانات کو بھی فراموش نہیں کر سکتی جنھوں نے میرے مقالے کی تکمیل میں بے پناہ مدد کی اور ساتھ ہی ساتھ میری ذہنی وفکری رہنمائی بھی کی۔ ان میں پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین، ڈاکٹر اشفاق حسین بخاری، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر ارشد اویسی، ڈاکٹر وسیم انجم، ، ڈاکٹر سید عون ساجد، ڈاکٹر وجیہہ شاہین، پروفیسر فیض اکبر، راشد محمود، محمد طیب کاشمیری، مدثر، محمد دلاور، چوہدری سیف الرحمن، محمد آصف اور تمام کلاس فیلوز شامل ہیں۔ میں خصوصی طور پر پیرزادہ محمد ہمایوں ثاقب کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے مجھے اس سنگِ میل کو عبور کرنے میں مدد فرمائی۔ میں ایک ہستی کا نام اگر شامل نہ کروں تو

یقیناناانصافی ہو گی اس کا نام عمران تبسم ہے اس عظیم مرتب شخصیت نے میری کامیابی و کامرانی کے لیے قدم بہ قدم میری رہنمائی کی۔ اس کے ساتھ میں اپنے تمام عزیز و اقارب کی بھی مشکور ہوں کہ جنھوں نے میرے مقالے کی تکمیل میں مدد فرمائی۔ میں اپنی بہنوں، بھابھیوں، بچوں اور تمام کزنز کی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے اس مشکل مرحلے میں میری مدد کی۔ ۔ محمد ابرار صدیقی کی بے حد مشکور ہوں کہ جن کی اعلیٰ قابلیت، حوصلے اور برق رفتاری کی کہ جنھوں نے اس مقالے کی کمپوزنگ کی تکمیل میں میرا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

عائشہ بیگم

باب اول:

تعارف و نظری مباحث

الف: تمہید:

i۔ موضوع کا تعارف:

سماجی علوم کا تعلق انسانی زندگی سے ہے انسان اور سماج مختلف عنوانات کے تحت اس وقت سے زیر بحث ہیں جب سے انسان نے اجتماعی زندگی کا آغاز کیا۔ مصنف سماج میں جو واقعات رونما ہوتے دیکھتا ہے ان سے متاثر ہو کر انہیں تصنیف کا روپ دے دیتا ہے جن کی معنویت میں اضافہ کرنے کے لیے بعض اوقات تخلیق کار مبالغہ آمیزی، تخیل اور زبان و بیان کی لطافتیں شامل کر دیتا ہے جو سفر نامے کو افسانے کے نزدیک کر دیتی ہے۔

سفر نامہ ”نثری ادب“ میں سفر کے حالات و واقعات، مسافر کے مشاہدات و تجربات کا اظہار ہے۔ سفر نامے قدیم ترین تاریخی و تہذیبی مآخذ ہیں۔ یہ ایک ہمہ جہت صنف ادب ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو زیر بحث لاتی ہے۔ سفر نامے کی بدولت انسان نئی نئی دنیاؤں سے متعارف ہوتا ہے۔ کسی بھی خطے کی تہذیبی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی حالات کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے سفر نامہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ سفر نامہ صداقتوں کا مرقع ہوتا ہے اس میں مسافر اپنے دلی جذبات و کیفیات کو بیان کر کے دوسروں کو اپنے سفر میں شامل کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے اگر کوئی لالچ نہ ہو تو سچ کے سوا کچھ بیان نہیں کیا جاتا۔ یوں کسی بھی خطے کے سفر نامہ میں اس خطے کی صحیح تاریخ بھی شامل ہوتی ہے۔ سفر نامہ تاریخ و جغرافیہ کے لیے ابتدائی اور تحقیقی مواد مہیا کرتا ہے۔ اس میں مختلف اقوام کے طرز زندگی، مذہبی اقدار، معاشرتی و معاشی مسائل، علمی و ادبی مباحث، سیاسی صورت حال اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ تمام امور پر بات کی جاتی ہے۔

مذہب انسانی زندگی کا ایک اہم جزو ہے سفر نامہ نگار جب کسی خطے یا علاقے کا سفر کرتا ہے تو وہاں کے بسنے والوں کی زندگی کے ہر پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ سفر نامہ نگار کا یہ گہرا مشاہدہ اسے وہاں کے لوگوں کو بہت قریب سے دیکھنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اردو سفر ناموں میں ہمیں دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مذہب اور اس کے عناصر کا بیان بھی نظر آتا ہے۔ سفر نامہ نگار کسی خطے کے رہنے والوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوتا دیکھتا ہے

تو اسے بھی اپنے سفر ناموں میں موضوع بناتا نظر آتا ہے۔ مذاہب کا یہ بیان سفر ناموں میں معلومات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان مذاہب سے تعارف حاصل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ii۔ بیان مسئلہ

مذہب اور مذہبی عناصر اُردو سفر نامے کے آغاز سے عہد حاضر تک کسی نہ کسی صورت میں بیشتر سفر نامے موجود رہے ہیں یہ عناصر، افراد، معاشرہ کی مذہبی روایات کے ترجمان ہیں کیونکہ سفر نامہ نگار جس ملک میں جاتا ہے تو اس ملک کا مذہب سفر نامے کا جزو بن جاتا ہے اور دوران سفر وہاں کی مذہبی روایات سے بھی اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُردو سفر نامے میں مذہب متنوع فکری جہات کے ساتھ سامنے آیا ہے انھی مذہبی عناصر کی تلاش اور سفر نامہ نگار کے دیگر مذاہب کے حوالے سے نکتہ نظر کو اردو سفر نامے میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

iii۔ مقاصد تحقیق:

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیش نظر ہیں۔

ا۔ پاکستانی اردو سفر ناموں میں مذاہب عالم کا تعارف حاصل کرنا
۲۔ پاکستانی اُردو سفر نامے میں مختلف مذہبی عناصر کی نشاندہی کرنا
۳۔ مذہبی عناصر کی حقیقی صورت اور سفر نامے میں پیش کردہ مذہبی عناصر کے بیان کا تجزیہ کرنا

iv۔ تحقیقی سوالات:

ا۔ مذہبی عناصر سے کیا مراد ہے؟
۲۔ سفر ناموں میں مختلف مذاہب کی پیش کش کی نوعیت کیا ہے؟
۳۔ سفر نامہ نگار نے دیگر مذاہب کے عناصر کو کس صورت میں پیش کیا ہے؟
۴۔ سفر ناموں میں مذاہب کے کون سے عناصر پیشِ نظر رہے اور کیوں؟

v۔ نظری دائرہ کار:

مذہبی عناصر کا تصور بنیادی مذہب سے ہے ہر قوم کا اپنا مذہب ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا تعلق ہر فرد اور معاشرے سے بھی ہے۔ خواہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو۔ اُردو سفر نامے میں بھی مختلف مذہبی عناصر موجود ہیں سفر نامہ نگار کا مشاہدہ مضبوط ہوتا ہے اس لیے وہ ہر شے کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ سفر

نامہ نگار پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ مشاہدے میں آنے والے ہر شے کو بیان کرے یا نہ کرے۔ وہ اپنی مرضی اور منشا میں پوری طرح آزاد ہوتا ہے۔ سفر نامہ نگار کسی علاقے کے لوگوں کے مذہبی عقائد، مذہبی اقدار، مقدس کتب اور مقدس مقامات کو کس نظر سے دیکھتا ہے زیر نظر مقالے میں ان کی نشاندہی کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار:

تحقیق کا موضوع چونکہ اُردو سفر نامے میں مختلف مذہبی عناصر (۱۹۴۷ سے ۲۰۰۰ءتک) کے تجزیے پر مشتمل ہے۔ اس موضوع کی تکمیل، اس حوالے سے مواد کی جمع آوری اور ترتیب، نیز سفر ناموں میں مذہبی عناصر کی نشاندہی ناقدانہ جائزے کی متقاضی ہے۔ اس امر کے لئے دستاویزی اور تاریخی طریقہ ہائے تحقیق اختیار کیا ہے۔ بنیادی مآخذ کے ضمن میں زیادہ تر انحصار ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ءتک کے سفر نامے کی کتب اور رسائل و جرائد پر کیا ہے۔ ثانوی مآخذ میں زیادہ انحصار مذہبی کتب، سفر نامے پر لکھی گئی مختلف تحریروں اور مضامین اور اسکے علاوہ سفر نامے پر تحقیقی و تنقیدی کتب، تحقیقی مقالات اور انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

vii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

مجوزہ موضوع اُردو سفر نامے میں مختلف مذہبی عناصر پر تادم تحریر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ بلاشبہ تمام بڑے مذاہب کو ایک موضوع کے تحت سامنے لانا ایک کٹھن کام ہے۔ تاہم پھر بھی ضروری ہے کہ اس کام کو سرانجام دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا جائے اور تحقیقی رویوں کو بروئے کار لا کر فکر انگیز تجزیہ کیا جائے تاکہ سفر نامے کے ذریعے سے مذہب کی تفہیم میں آسانی ہو اور یہ تحقیق مابعد محققین کے لیے آسانی فراہم کر سکے۔

viii۔ تحدید:

زیر نظر موضوع میں اردو سفر نامے میں مذہبی عناصر کے بیان کے لیے سات بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت، اسلام، ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان بڑے مذاہب کے مذہبی عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ زیر نظر موضوع کو ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ءتک کے نمائندہ اردو سفر ناموں تک محدود کیا گیا ہے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ:

مجوزہ موضوع تحقیق کے ان تمام کتب و مضامین کا مطالعہ کیا گیا ہے جن سے متعلقہ مواد حاصل ہو۔ خاص طور پر مذاہب کی تفہیم کے لیے مذاہب عالم پر لکھی گئی کتب ، رسائل وجرائد اور تحقیقی مقالات سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اردو سفر نامے کی روایت پر لکھی گئی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ مختلف ویب سائٹس لغات، انسائیکلوپیڈیا اور انٹرنیٹ سے بھی حسبِ ضرورت مدد لی گئی ہے۔

x۔ تحقیق کی اہمیت:

جس طرح ادب زندگی کا عکاس ہوتا ہے اس طرح مذہب کو بھی انسانی زندگی میں کسی نہ کسی حوالے سے بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو مذہب کے ساتھ انسان کی وابستگی کے بے حد دلچسپ قصے، کہانیاں اور ان کی تاویلیں سننے کو ملتی ہیں جن کو کہاں تک تسلیم کیا جائے اور کیا کچھ چھوڑ دیا جائے اس کے بارے میں فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ انسان جب بھی بے بس ہوا ہے اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے ایک ایسی ہستی کو پکارا ہے اور اسے بزرگ و برتر ہستی تسلیم کیا ہے، اس ہستی کو مختلف خطے کے لوگوں نے مختلف نام دیئے ہیں۔ کسی نے خدا، کسی نے بھگوان، کسی نے یزدا ، غرض جتنے کنبے قبیلے اتنے خدا اور پھر اس سے وابستہ اعمال و تصورات نے مذہب کا روپ دھار لیا۔ دورِ جدید میں بھی مذہب کو ہر حوالے سے اولیت حاصل رہی ہے۔ انسان چاہے کتنا بھی خدا کو نہ ماننے والا ہو وہ کسی نہ کسی طرح غائب سے مدد کا طلب گار رہا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ مذہب کی صورتِ حال بھی واضح ہو گئی ہے اور باقاعدہ مذاہب کے نام، مذہبی اکابرین، مذہبی کتابیں اپنے اپنے مذہب کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہو گئیں ہیں۔

نثر میں فکری وسماجی دونوں سطح پر مذہب کو کئی صورتوں میں پیش کیا گیا ہے ۔ چاہے وہ افسانہ ہو یا ناول یا کوئی اور صنف ۔ جہاں تک سفرنامے کا تعلق ہے تو اس میں مذہب کو فکری اور سماجی سطح پر ہر حوالے سے پیش کیا گیا ۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اُردو زبان مسلمانوں سے وابستہ ہے اور اس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ ادب میں بھی اسلام کو ہی پیش کیا گیا ہے تو یہ غلط ہو گا۔ اُردو ادب بالخصوص اُردو سفر نامے کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہے کہ اس میں اسلام کے ساتھ ساتھ

دُنیا کے ہر مذہب کو یعنی جس جس ملک میں سفر نامہ نگار نے سفر کیا ہے۔ اس ملک کا مذہب اس کے سفر نامے کا جزو بنا ہے۔

ب۔ مذہب کا تصور:

مذہب معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اس کا تصور روز اوّل سے ہی انسانی زندگی میں رائج ہے۔ کوئی بھی معاشرہ ایسا نہیں جو مذہب کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ مذہب خدا کی عبادت اور انفرادی طور پر روحانیت کے اصول کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان باطنی قوت ہے جس کی بنا پر معاشرے میں روحانی اور اجتماعی روابط استوار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر تمدنی لحاظ سے دیکھا جائے تو تمدن ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے معاشرے میں منظم و مستحکم اصول وضوابط وضع کرتا ہے اسی طرح اخلاقی اعتبار سے غور کیا جائے تو مذہب کے بغیر انسان مفاد پرست بن جاتا ہے وہ اپنے مفادات اور احساسات کی تکمیل کے لیے اخلاقی اقدار پامال کر دیتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اچھائیوں، برائیوں اوراخلاقیات کی تمام حدود کا مذہب سے ہی وابستہ ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں مذہب کے حوالے مختلف تصورات رائج ہیں کئی انسانوں نے اپنے سے طاقتور ہستی کو اپنا معبود تسلیم کیا ہے اور کئی سورج، چاند، ستاروں، جانور اور دیگر اشیاء کو خدا مانتے ہیں اسی طرح کئی ایک عظیم ہستی جو اس دنیا فانی سے بالکل الگ تھلگ اور جدا ہے وہ عرش عظیم پر ہے اسے خدا تصور کرتے ہیں۔ اگرچہ عقائد مختلف ہیں لیکن بات واضح ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر خطے میں مذاہب کا وجود موجود رہا۔ انسان کے شعور پاتے ہی مذہب اس کی زندگی میں لازمی عنصر بن جاتا ہے چاہے وہ عقائد، مذہبی اقدار یا رسومات کی صورت میں ہو اسے مذہبی احکامات ماننے پڑتے ہیں۔ اس دنیا میں جتنے بھی انسان آئے ہیں ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح سے مذہب کے ساتھ جڑا رہا اور اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ اس کائنات میں ایسی ہستی موجود ہے جو ان سے زیادہ طاقتور ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ان کی بقاء ہے۔ اسی کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مختلف عبادات، رسوم اور طرز حیات پر عمل کرنے کو لازمی جز قرار دیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی بسر کرنے کے اطوار، صحیح ہدایت ور ہنمائی اور خدا کو پہچاننے کے لئے پیغمبروں اور رسولوں کا بھی نزول ہوا۔ اس طرح مختلف پیغمبروں اور رسولوں کی اپنی شریعت اور انسانی عقلی کاوشوں کی وجہ سے مختلف مذاہب وجود میں آئے۔ اس وقت دنیا میں بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت، اسلام، ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت وغیرہ شامل ہیں جن کی پیروی کرنے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

انسان کی معاشرتی اور عائلی زندگی میں رہنمائی کے لیے اگر کسی تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے تو وہ مذہب ہے جس کی کار فرمائی زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتی ہے۔ مذہبی رسومات، تہوار اور مظاہر تہذیب و ثقافت کے سائے میں پلتے ہیں چنانچہ معلوم تاریخ سے لے کر لمحہ موجود تک انسانی معاشرت میں مذہب کا عمل دخل زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اسلام میں مذہب کے لیے "دین" کا لفظ رائج ہے جو اُن احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اللہ رب العزت نے براہ راست اپنے منتخب پیامبر کے ذریعے ہمارے لیے مقرر فرمائے۔ دین اور مذہب میں فرق یہ ہے کہ دین سے مراد مکمل نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے دین کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے اس کے اندر تمام شعبہ ہائے زندگی، عبادات وعقائد، معاشی ومعاشرتی، سماجی اور سیاسی امور شامل ہیں دین کا مقصد افراد کی انفرادی اور اجتماعی فلاح ہے۔ جبکہ مذہب دین کے اصول و ضوابط کے فروع کا نام ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جبکہ مذاہب تبدیل ہوتے رہے جیسے یہودیت، عیسائیت، ہندومت اور بدھ مت وغیرہ

اسلامی نظریہ کے مطابق دین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے اور اس کے پیغمبروں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا جائے، اسی کے بتائے ہوئے قوانین اور تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اسی کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اس سے انسان میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف مذہب غیر واضح تصورات اور ابہام پر مبنی انسانوں کا بنایا ہوا نظام ہے جو پیغمبروں کے اس دنیا میں کوچ کر جانے کے بعد مذہبی پیشواؤں نے الہامی کتابوں میں تحریف کر کے اپنی مرضی سے مذہب میں نئی چیزیں پیدا کر دیں اور نئے نظریات اور عقائد ان میں شامل کر لیے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کتابوں کی تشریح و توضیح اپنی مرضی و منشاء کے مطابق کر لی ہے۔ یہ مذہبی پیشوا اپنے مخصوص طبقاتی و گروہی مفادات کے لئے نئی نئی چیزیں ان کتب میں شامل کرتے رہے۔

غیر مسلم مفکرین کی مذہب کی تعریف اسلامی نقطہ نگاہ سے بہت مختلف ہے۔ اسلامی نقطہ کے مطابق مذہب اور دین ایک دوسرے سے مختلف ہیں دین کل ہے اور مذہب جز ہے اس کی حیثیت ایک شاخ کی سی ہے دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے دین انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے دین ایک ایسا قاعدہ ہے جو انسانیت کی فلاح و بہود کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر مکمل کیا ہے یہ دنیاوی اور اُخروی زندگی کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے اس پر عمل کر کے انسان دونوں جہانوں کی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کی جزوی حیثیت ہے۔ یہ چند عقائد اور مراسم

عبودیت کا مجموعے کا نام ہے جبکہ دین سے مراد ایک مکمل نظام حیات ہے جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ مذہب کے مقابلے دین کی وسعت زیادہ ہے۔ اسلام کو مذہب پکارا جاتا ہے لیکن مذہب کا لفظ قرآن پاک میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ہمیشہ دین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

مختصر یہ کہ دین اور مذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دین اصول وضوابط کا نام ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام میں مشترک رہے جبکہ مذہب دین کے اصول وضوابط کی فروع کا نام ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں یوسف خان یوں لکھتے ہیں:

> "دین" اور "مذہب" میں ایک بڑا باریک فرق ہے اور وہ یہ کہ دین نام ہے ان اصول وضوابط کا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اقدس ﷺ تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک رہے جب کہ "مذہب" انہی اصول کی فروع کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، البتہ مذاہب تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ (1)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے تاہم مذاہب میں تبدل و تغیر آتے رہے ہیں جیسا کہ یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، اور سکھ مت وغیرہ۔ ہر معاشرت میں مذہب کا تصور موجود ہے یوں مختلف نظریات مجتمع ہو کر مذہب کا ایک تصور وضع کرتے ہیں۔ مختلف حوالوں سے ان تصورات کا اجمالی جائزہ پیش ہے۔

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے ذ۔ھ۔ب سے مشتق ہے انگریزی Religionسے ماخوذ ہے۔ فرانسیسی میں Religex اور لاطینی میں Religion سے ماخوذ ہے۔ اُردو زبان میں مذہب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی طریقہ، راستہ، مسلک اور دین کے ہیں۔

قرآن مجید میں سورہ آل عمراٰن میں آتا ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ﴾

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے،،(۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ دین اسلام ہے اسلام کے معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا اور اس کی اطاعت و فرمابرداری کرنا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی اور رسول کے زمانے میں جو لوگ ایمان لائے اور ان کا دین اسلام ہے، وہ سب مسلمان ہے اور تمام انبیاء کرام کا دین اسلام ہے

قرآن مجید میں ایک اور جگہ سورہ الروم میں آتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾

سیدھا دین یہی ہے،، (۳)

اس سے مراد دین اسلام ہے یہ کامل اور مستحکم دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام کا ایک ہی دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک تصور کرنا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا صرف اسی کی عبادت دلجمعی اور یکسوئی سے کی جائے۔ اس کے احکامات اور قانون الٰہی کی بجالانا۔

قومی انگریزی اردو لغت میں مذہب کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> "مذہب سے مراد طریقہ، دھرم، عقیدہ، راستہ یا کسی انسان کا کسی مافوق الفطرت قوت کی اطاعت، عزت اور عبادت کے لیے بااختیار تسلیم کرنے کا عمل ہے۔ اس قسم کی مختار قوت کو تسلیم کرنے والوں کا یہ احساس یا روحانی رویہ اور اس کا ان کی زندگی اور طرز زیست سے اظہار متبرک یا مقدس رسوم و رواج یا اعمال کے سرانجام دیئے جانے کا عمل، اعلیٰ ترین ہستی (خدائے واحد و مطلق) یا ایک سے زیادہ دیوتاؤں پر ایمان لانے اور ان کی عبادت کا ایک مخصوص نظام، کسی مذہبی تنظیم یا فرقے کے ارکان کا طرز زندگی (کسی بھی چیز سے) وفاداری اور باضمیر ہونے کا عمل۔"(۴)

القاموس الوحید:

"الدین۔ مذہب، عقیدہ، ہر وہ طریقہ جس کے ذریعہ خدا کی عبادت کی جائے (۲) ملت (شریعت) (۳) اسلام۔ (۴) تین باتوں کا مجموعہ (۱) دل سے اعتقاد (۲)۔ زبان سے اقرار (۳) ارکان پر اعضاء و جوارح سے عمل، اس مجموعہ کا نام دین ہے (۵) طرز عمل، سیرت (۶) عادت (۷) حالت (۸) شان (۹) پرہیز گاری (۱۰) حساب (۱۱) ملک (۱۲) سطان، حکم بااختیار (۱۳) فیصلہ (۱۴) حکومت واقتداد (۱۵) تدبیر (۱۶) جزا، بدلہ (۱۷) معاملہ (۱۸) تابعداری (۱۹) قسم، نوعیت،، (۵)

فرہنگ عمید:

"مذھب۔ ع (بفتح میم وھا) راہ وروش، طریقہ، کیش، مذاھب جمع،"(۶)

Oxford Advanced Learner's Dictionary میں مذہب کی تعریف میں یوں ہے۔

> Belief in the existence of a God or gods, esp the belief that they created the universe and gave human being a spiritual nature which continues to exist after the death of the body.
>
> 2. A particular system of faith and worship based on religious.(۷)

مذاہب کی اصطلاحی تعریف مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا میں یوں ہے:

> ” مافوق الفطرت قوت کو اطاعت، عزت اور عبادت کے لیے با اختیار تسلیم کرنے کا عمل: اس قسم کی مختار قوت کو تسلیم کرنے والوں کا یہ احساس یا روحانی رویہ اور اس کا ان کی زندگی طرز زیست سے اظہار: متبرک رسوم و رواج یا وظائف کے سرانجام دیئے جانے کا عمل: خدائے واحد و مطلق یا ایک یا ایک سے زائد دیوتاؤں پر ایمان لانے اور عبادت کا ایک مخصوص نظام۔“(۸)

مذہب کی تعریف و توصیف کے حوالے مسلم مفکرین اور غیر مسلم مفکرین کے تصورات الگ الگ ہیں۔ مسلم مفکرین کے نزدیک مذہب یا دین کا لفظ وسیع معانی و مطالب کے لیے بولا جاتا ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں شیخ احمد دیدات یوں لکھتے ہیں:

> "دین (مذہب) سے مراد جامع نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ یہ ہماری پوری زندگی پر محیط ہے اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی، عقائد و عبادات، اخلاقی معاشرت، معشیت اور سیاسی امور شامل ہیں۔"(۹)

اس طرح مذہب کے حوالے سے ڈاکٹر مظفر حسین ملک کی رائے یہ ہے

> "ہمارے تصورات کائنات ہی کو مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔"(۱۰)

مذہب ایک ایسا عنصر ہے جو دنیا کے ہر خطہ میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ تمام انسانوں کے طرز بودوباش اور رسومات ایک دوسرے الگ ہیں۔ ایک قدر جو ان سب میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں کا کسی ایک ہستی یا معبود کو برگزیدہ ماننا اور اس کے سامنے سربسجود ہونا اسی کو مختار کل جان کر اسی سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ہر قوم کا اپنا اپنا طرز معاشرت ہے۔ انہی الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد احمد نعیمی یوں لکھتے ہیں:

> "مذہب" اسم ظرف کا صیغہ ہے جو مصدر میمی کے طریقے پر استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی ہیں چلنے کی جگہ یا چلنے کا راستہ وغیرہ۔ اقوام عالم کی ہر قوم کا اپنا ایک منفرد طرز معاشرت و طریقہ حیات ہے جس کو وہ مضبوطی کے ساتھ اپنائے ہوئے ہے اور لغوی معنیٰ کے اعتبار سے یہی مذہب کا مفہوم ہے یعنی چلنے کا راستہ۔"(۱۱)

ہر چیز کے کچھ نہ کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں۔ زندگی گزارنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کا نام مذہب ہے۔۔ مذہب کی تعریف محمد یوسف خان یوں لکھتے ہیں:

> " جن اصولوں پر چل کر زندگی گزاری جا سکے۔ ان اصولوں کو مذہب کہتے ہیں۔"(۱۲)

البتہ غیر مسلم مفکرین کے نزدیک اس کا مفہوم محدود ہے۔ انہی تصورات کو ایم اسماعیل نے اپنی کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔

"۱۔ اعتقاد کی وہ قوت جو انسان اور انسانی کریکٹر میں انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہو اس شرط کے ساتھ کہ اگر انہیں خلوص دل سے قبول کیا جائے اور عقل و بصیرت کے ساتھ سمجھا بھی جائے مذہب کہلاتا ہے (برونایٹ پیڈ)

۲۔ ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے (کانٹ)

۳۔ ہر انفرادی شے کو ایک بڑے کل کا حصہ ماننا اور محدود اشیاء کو لامحدود کا نمائندہ سمجھنا مذہب ہے (فریڈرک شیلر میکر)

۴۔ مذہب اس عقیدہ کا نام ہے کہ جس کے زور سے انسان کائنات مسخر کر سکے (کلورٹن)

۵۔ موت کے تصور سے وابستہ ہونا مذہب ہے (شوپنہار)

۶۔ روحانی مخلوقات پر ایمان لانے کو مذہب کہتے ہیں (سر ای پی ٹیلر)

۷۔ خدا سے تعلق کا نام مذہب ہے (سینٹ تھامس)

۸۔ مذہب اس عقیدہ کا نام ہے کہ جس کے زور سے انسان کائنات مسخر کر سکے (کلورئن)

۹۔ اقدار کی مداومت کو مذہب کہتے ہیں (ہونڈنگ)

۱۰۔ اعتقادات کا وہ مجموعہ جو ہماری فطری استعداد کے استعمال کے راستے میں حائل ہو مذہب کہلاتا ہے۔ (سالمن رینارچ)

۱۱ وہ اخلاقی ضابطے جن میں جذبات مدغم ہو جائیں مذہب ہے۔ (میتھو آرنلڈ)

۱۲۔ مذہب فطرت کے اس مدافعانہ طرز عمل کا نام ہے جو اس نے اس وقت اختیار کیا۔ جب عقل نے کہا کہ مرگ ناگریز ہے (برگسان)"(۱۳)

ولیم جیمز مذہب کے حوالے اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں"

"مذہب خدا کی یاد یا دیوتاوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک فن ہے۔(۱۴)

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

"افراد کے تمام اثرات، اعمال اور تجربات جس میں وہ کسی نہ کسی قسم کا الٰہی رابطہ رکھتے ہیں۔"(۱۵)

مذہب کا تصور انسانی زندگی میں روز اوّل سے سمایا ہوا ہے۔ اللہ تعالی نے جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کو نبوت ورسالت سے نوازا، یہاں سے مذہب کا آغاز ہوا۔ مذہب زندگی گزارنے کا بنیادی عنصر ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو معاشرے میں شدید بحران پیدا ہو جائے گا۔ مذہب انسانی شعور کی وہ عظیم قوت ہے جسکے بغیر انفرادیت، روحانیت، اجتماعیت اور احساسات کے روابط نہیں قائم رہ سکتے۔ انسانی زندگی کے ساتھ مذہب کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تمام اشیاء میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن مذہب ایک ایسی شے ہے جو سب میں مشترک ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو زندگی گزارنے کے گُر سکھائے اور اس کے حوالے سے مختلف طریقے، رسم ورواج اور طرز بودوباش ہر قوم اور خطے کے الگ الگ ہیں۔ انسان کا تعلق خواہ کسی مذہب یا دین اور دھرم سے ہے اس کا انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ہر قوم یا خطے کا کوئی نہ کوئی عقیدہ، نظریہ اور مذہب ہے۔

انگریزی لفظ Religion اُردو میں بہ معنی "مذہب" استعمال ہوا جب کہ اُردو اور عربی میں مذہب کے لیے دین کا لفظ بھی مستعمل ہے جس کے معنی مکمل ضابطہ حیات کے ہیں۔ اس میں صرف عبادت نہیں بلکہ زندگی گزارنے کے تمام امور و اقدار مثلاً عقائد، عبادات، تہوار، رسومات اور طرز معاشرت وغیرہ شامل ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں سب اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہیں، سب کے سب سچے ہیں لیکن لوگوں نے وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تحریف کر دی جس کی بناء پر بعض مذاہب کی اصلیت تبدیل ہو گئی۔ اگر مذاہب کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں تین عناصر ایسے ہیں جو کہ ہر ایک میں مشترک ہیں۔ وہ عناصر عقائد، رسوم اور اخلاق ہیں۔

عقائد۔ ایک فطری اور سچا عمل ہے جن کی ہر مذہب میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

رسوم۔ رسومات الہامی مذاہب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں چونکہ وحی سے ماخذ ہیں ان کے بغیر مذہب کا وجود ناممکن ہے۔

اخلاق۔ یہ ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نصیب ہوتا ہے۔

پہلے دو عناصر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہے جبکہ تیسرے عنصر کا تعلق انسان سے ہے۔ اس میں حقوق العباد سے متعلق تمام امور واقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو وہ اپنے حقوق معاف کر دے گا لیکن اگر کسی انسان کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کریں گے جب تک وہ بندہ خود معاف نہ کر دے۔

مذہب انسان کی فطرت میں شامل ہے مذہب کی بدولت اچھے اور برے نیک و بد کی تمیز کی جاتی ہے اس سے انسان کو مختلف کاموں سے باخبر کیا جاتا ہے۔ جس کی بدولت وہ جزا و سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ مذہب انسانی زندگی کی فطری ضرورت ہے، یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اسی بناء پر فطری تقاضوں کی تکمیل مذہب سے کی گئی ہے۔ فطری تقاضے دو طرح مادی وثقافتی تقاضے اور روحانی تقاضے کے ہوتے ہیں۔

مادی وثقافتی تقاضے : مادی تقاضے کا تعلق معاشرتی اور معاشی امور سے ہے۔ یہ مادی وسائل و ضروریات ایک دوسرے سے تعلقات و روابط کا ذریعہ ہیں اگرچہ انسان ان کو پورا کرتا ہے تو اس کی زندگی خوشگوار متوازن اور سکون سے بسر ہوگی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احسن زندگی گزارنے کا واحد ذریعہ مادی وثقافتی تقاضے ہیں۔

روحانی تقاضے: روحانی تقاضے کا براہ راست تعلق انسان کی روحانی زندگی سے ہے۔ جس سے ربوبیت کا شعور اور کامل یقین نصیب ہوتا ہے اور اسی کامل یقین کو ایمان کہتے ہیں۔ انسان کا خدائے کائنات اور خالق کل پختہ یقین ہو تو دل کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ روحانی تقاضے کا براہ راست تعلق انسان کی روح سے ہے۔ جس سے ربوبیت کا شعور اور کامل یقین نصیب ہوتا ہے۔ اسی کامل یقین کو ایمان کہتے ہیں۔ ہر انسان کا دل منور ہو جائے اگر وہ اللہ پر مکمل یقین رکھے۔

ج۔ مذاہب کے بارے میں نظریات:

مذہب کی ابتدا کے بارے میں دو نظریے ہیں۔ ارتقائی نظریہ اور الہامی یا مذہبی نظریہ

ارتقائی نظریہ : مذہب کے ارتقائی نظریہ کی رو سے انسانی زندگی کا آغاز جہالت اور گمراہی سے ہوا۔ آہستہ آہستہ انسانوں کے اندر شرکانہ خداپرستی اور توحید پر مبنی کا رواج ہوا۔ ارتقائی نظریہ کے مطابق اختلاف بھی ہے۔ کچھ محققین کی رائے کہ مذہب کی ابتداء اجداد پرستی یا اکابر پرستی سے ہوئی۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ انسان کی ابتدا مظاہر پرستی سے ہوئی انہی الفاظ کی روشنی میں شیخ احمد ویدات یوں لکھتے ہیں:

> "مذہب کے ارتقائی نظریہ کی رو سے انسان کی ابتداء جہالت اور گمراہی سے ہوئی۔ بعد ازیں اس نے بتدریج مشرکانہ خداپرستی اپنالی۔ ان ارتقائی مراحل کی تفصیل میں کافی اختلاف ہے۔ مثلا: بعض محققین کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتداء اکابر پرستی سے ہوئی جب کہ دوسروں کی رائے میں ابتداء مظاہر پرستی سے ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتداء میں اپنی کم فہمی اور لا علمی کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی کیونکہ ابتدا میں اس کی زندگی و موت کا انحصار کافی حد تک ان پر تھا۔ مثلا: سیلاب، طوفان، زلزلے اور آتش فشاں وغیرہ، لیکن جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا اور جہالت دور ہوتی گئی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ مظاہر فطرت خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنالیا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد میں کمی ہونے لگی حتی کہ آخر میں صرف ایک خدا رہ گیا"۔ (۱۶)

مذہب کے ارتقائی نظریے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ وہ جادو سے پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات، دیوتاوں کا عقیدہ اور خدا کا تصور آیا۔ اسی حوالے سے شیخ احمد دیدات جولین ہکسلے Julian Huxley کے نظریے کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

جولین ہکسلے Julian Huxley1887-1975 پہلا مغربی مفکر ہے جس نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو مذاہب کی تاریخ پر چسپاں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

> "پہلے جادو پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ اُبھرا بعد ازیں خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے"۔ (۱۷)

مذہب کے ارتقائی نظریے کے پیروکاروں نے انسان کے مذہبی ارتقاء کو درج ذیل مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں چند یہ ہے۔ (۱)۔ پری انی میزم (۲)۔ انی مزم (۳)۔ ٹوٹم ازم (۴)۔ اکابر پرستی (۵)۔ فرضی دیوتاؤں کی پرستش۔ (۶) توحید الٰہی۔

لامذہبیت / پری اینی میزم (Pre Animism) : مظاہر پرستی سے پہلے کو دور ہے یعنی لامذہبیت۔ ماہرین کی رائے کے مطابق انسان کی ابتداء لامذہبیت، جہالت اور گمراہی سے ہوئی۔ انسان اپنی پیدائش کے وقت مذہب کے تصور سے بالکل واقف تھا۔ اس کی نظریہ کی رو سے مذہب اور مذہبی عبادات کی نہیں تھی وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ان کی زندگی کا مقصد کوئی نہیں تھا ان کی تمام تر توجہ اپنی ضروریات زندگی پر ہے۔

مظاہر پرستی / انی مزم(Animism): یہ مظاہر پرستی کا دور ہے انسان نے مظاہر فطرت کی پرستش کا آغاز کیا تو سب سے پہلے زمین کی پرستش کی۔ معاشرے کی اولین نظم اجہاتی نظم ہے جس میں عورت کو مرد پر برتری حاصل ہوئی زمین نے انسان کی پرورش ماں کی طرح کی ہے چونکہ وہ زمین میں رہائش پذیر تھا اسی بناء پر سب سے پہلے زمین کی پرستش کی جاتی ہے اسی وجہ سے زمین کو دھرتی ماتا(Mother Land) بھی کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد جب معاشرے میں مرد کو برتری حاصل ہوئی تو ابوی نظام وجود میں آیا اسی بنا پر سورج کی بھی پرستش کی جانے لگی اسی حوالے سے ڈاکٹر ذاکر نائک یوں لکھتے ہیں:

> "بعد ازاں جب سوسائٹی میں مرد کو فوقیت حاصل ہوئی تو ابوی نظام کو ترجیح دی جانے لگی۔ اسی لیے سورج اکثر مشرک قوموں کو دیوتا اور معبود رہا اور اب بھی ہے۔ بھارت میں سوریہ دیوتا، مصر میں ہورس، ایرانیوں کے ہاں "ہور" یا "خور" سورج دیوتا کے مختلف نام تھے۔ سورج پرستی نے ستارہ پرستی کو بھی جنم دیا۔ جس سے علم نجوم کی بنیاد پڑی اور کائنات کی گردش کو سیاروں کی گردش سے منسلک کر دیا گیا حتی کہ قسمت کو لوگ آج بھی ستارہ کہتے ہیں۔ ستاروں میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکز تھا اور سارے ستارے اس کے گرد گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔"(۱۸)

پانی کی پرستش کا تصور بہت پرانا ہے آگ کے بعد سب سے زیادہ پانی کی پرستش کی گئی ہے۔ مصر میں دریائے نیل اور ہندوستان میں گنگا اور جمنا کے پانی مقدس سمجھا جاتا ہے۔ ویدک کے دور میں ہوا کی پوجا کی جاتی تھی جو کہ وابو دیوتا کے نام سے مشہور تھا جنسی اعضاء کی پوجا ایران، روم، عراق، مصر اور ہندوستان میں کی جاتی تھی

حیوان پرستی/ٹوٹم ازم(Totaism): انسان نے مظاہر کے ساتھ جانوروں کی بھی پوجا پاٹ کی ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان اور مصر میں گائے، یونان میں بیل اور ایران میں گھوڑا کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہندوستان میں آج بھی گائے کو "گاؤ ماتا" کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہندوں تو بچھو، سانپ، ہاتھی، کچھوا اور حشرات الارض کی بھی پرستش کرتے ہیں شمالی امریکہ حیوان پرستی کو ٹوٹم ازم کا نام دیا گیا ہے۔

اجداد پرستی/اکابر پرستی(Manism): ٹوٹم ازم کے بعد اجداد پرستی یا اکابر پرستی کا دور ہے اس دور میں انسان کو زندگی اور موت کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کیا چیز ہے اس کی حقیقت کیا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید انسان کی وفات کے بعد اگلے جہان میں بھی اس کو ضروریات زندگی کی ضرورت پڑتی ہو گی لہذا انہوں نے مردوں کے ساتھ ضروریات کی اشیاء کو بھی دفن کرنا شروع کر دیا۔ پھر ذہن میں ایک اور خیال آیا کہ ہم مرنے والے کی اشیاء کو استعمال کریں گے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے جس کی بدولت ہمیں نقصان اٹھانا پڑ جائے یہی خوف اور ڈر اکابر پرستی کا باعث بنا، اس نظریے کی بدولت لوگوں نے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے لیے مقدس اور خود ساختہ عبادات و مراسم کا نظام قائم بھی ہوا۔ اکابر پرستی دنیا کے ہر علاقے میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

فرضی دیوتاؤں کی پرستش: یہ دور فرضی دیوتاؤں کی پرستش کا دور ہے۔ عراق، ایران، روم، مصر اور یونان میں کی فرضی دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی فرضی خدا کا دیوتاؤں کو خود بناتے تھے پھر ان دیوتاؤں کی کچھ خوبیاں بیان کر کے ان کو مکمل معبود ہونے کا درجہ دیا جاتا تھا اس دور کو توحید کا ناقص دور بھی کہا جاتا ہے۔

توحید الٰہی کا دور: ان تمام ادوار سے ہوتے ہوئے انسان خالص توحید کی منزل پر آ پہنچا۔ مذہب اسلام نے توحید کا صاف ستھرا، کھرا اور بے باک تصور پیش کیا ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں ڈاکٹر ذاکر نائیک یوں لکھتے ہیں:

> " انسان نے اپنا مذہبی سفر جاہلیت، لاعلمی اور گمراہی سے شروع کیا تھا۔ مختلف مراحل طے کرتا ہوا توحید خالص تک پہنچا تھا لیکن اب دنیا دہریت اور لامذہبیت کی طرف رواں دواں نظر آتی ہے۔ سوشلزم، کمیونزم اور نیچریت اس کی مختلف شکلیں ہیں انسان آخر کار اپنی کم فہمی اور کوتاہی اور کم عقلی کے باعث پھر عملا جاہلیت کی طرف لوٹ آیا ہے جہاں سے اس نے اپنے مذہبی سفر کا آغاز کیا تھا یہ ارتقائی نظریہ بالکل غلط ہے کہ انسان اول ہی توحید پرست تھا"۔ (۱۹)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقائی نظریہ درست نہیں ہے اور انسان پہلے بھی ایک خدا کو ماننے والا تھا خالص توحید کی تعلیمات پر یقین رکھتا تھا اور آج بھی توحید الہی پر یقین رکھتا ہے۔

الہامی نظریہ:

الہامی اور ارتقائی دونوں نظریات کا آپس میں تضاد ہے۔ ارتقائی نظریے کی رو سے انسان کی ابتدا جہالت اور گمراہی سے ہوئی جبکہ الہامی نظریے کی رو سے انسان کی ابتدا توحید سے ہوئی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اس کے ساتھ ہی دینی ہدایت، مادی اور روحانی ضروریات کا سامان بھی پیدا کیا۔ اس طرح حضرت آدمؑ جو کہ دنیا میں پہلے انسان تھے، وہ توحید کا پیامبر بھی تھے اور ان کا اصل مذہب توحید ہے۔ اس کے بعد تمام انبیاء کرام نے بھی توحید کی تعلیم دی ہے۔ انسانیت کو سیدھے راستے پر چلنے اور توحید کی تعلیم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توحید قدیم ہے اور شرک کا ارتکاب بعد میں ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ جو خالص توحید کے پرستار تھے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے بھی خالص توحید کی دعوت دی۔

اس وقت بھی دنیا کے بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہیں ان کے داعی اللہ کے رسول ہیں شروع میں ان کی تعلیمات خالص توحید پر تھی بعد میں عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں نے تحریف اور ترامیم کر لیں۔

علم اور انسان کی جدید تحقیق سے اکثر مغربی ماہرین نے بھی ارتقائی نظریے کو ترک کر کے الہامی نظریہ اپنا لیا ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں ڈاکٹر ذاکر نائک یوں لکھتے ہیں۔

"اس وقت دینا میں جو بھی بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور اسلام پائے جاتے ہیں ان کے داعی خدا کے رسول تھے اور ابتدا میں ان کی تعلیمات جزوی فرق سے خالص توحید پر مبنی تھیں۔ بعد ازیں عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب میں من مانی ترامیم اور تحریفات کر لیں۔

علم اور انسان کی جدید تحقیق سے اکثر مغربی مفکرین بھی اب ارتقائی نظریہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اسی نظریہ کو ماننے لگے ہیں چنانچہ پروفیسر شمٹ نے اپنی کتاب۔۔۔ The Origin and Growth of Religion میں لکھا ہے:

> "علم شعوب و قبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ نشو و نما کی کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو ان مذاہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے"۔

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

"اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلی ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے، واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا"۔The Origin and Growth of Religion،

الغرض ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اب ایک بھولا بسرا نظریہ ہے اور مذاہب کے ارتقاء کے بارے میں جو لین ہکسلے اور دیگر مفکرین کے نظریات بے وزن بے سروپا اور بے حقیقت ہیں۔،،(۲۰)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب مختلف عقائد و نظریات کا نام ہے جن کے تحت تمام دنیا کے لوگ اپنی زندگیاں گزارتے ہیں۔

مذہبی عناصر:

مذہب کے روحانی اور مادی استفاد کے حوالے سے قبل ذکر ہو چکا ہے ایسے تمام اعمال جو مذہبی روحانیت سے متعلق ہوں اور شخصی کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر کسی مذہب کی تعلیمات کی تکمیل کے معاون ہوں انہیں مظاہر کے ذیل میں پرکھا جاتا ہے۔ جس میں اخلاقیات داخلی طور پر اہم محرک سمجھا جائے گا کسی بھی مذہب کی بنیادی یعنی عقیدہ، مذہبی اقدار، مقدس کتب، مقدس مقامات اور رسومات وغیرہ اس مذہب کی بنیاد قرار پاتے ہیں کسی بھی مذہب کے پیروکار جب ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کے ہر عمل اور طرز

زندگی سے انہی بنیادی تعلیمات کی بجا آوری کے لئے مذہب کے پیروکاروں نے اپنی انفرادیت کے لئے طریقہ و عبادت، اقدار، مذہبی رسومات اور مقامات کو خاص طرز پر قائم کر رکھا ہے۔

دراصل ان مظاہر سے ان کے مذاہب کی شناخت ہوتی ہے۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی عناصر کے اظہار کا ذریعہ یہی مظاہر ہیں جنہیں ہم مذہبی عناصر کی عملی صورت کے طور پر دیکھتے ہیں۔

سفر ناموں میں جہاں بھی مذہب کا ذکر آیا ہے وہیں مذہب کے تمام متعلقات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ الہامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے عناصر کو عبادت گاہوں کے ساتھ منسلک کر کے دیکھا گیا ہے۔ اس باب میں ان مذاہب کے عقائد اور مذہبی نظریات کو بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے چناں چہ عبادت گاہوں کو مذہبی عناصر کے طور پر خاص اہمیت دی گئی ہے۔ مذہب کے اس اہم عنصر کے ساتھ ثقافتی، سماجی، تہذیبی اور فنون لطیفہ سے متعلق عناصر بھی دائرہ تحریر میں آ گئے ہیں مثلاً اسلام کے حوالے سے مسجد اور مسجد کے حوالے سے تہذیب و ثقافت، فن تعمیر، نقاشی و دیگر فنون کو تلاش بسیار کرنے کے بعد شاملِ مقالہ کیا گیا ہے۔

غیر الہامی مذاہب میں عبادت گاہوں کے علاوہ مذہبی رسوم و رواج کو بھی مذہبی عناصر کی ذیل میں رکھا گیا ہے جیسے ہندو مت میں منادر کے علاوہ ان کی مذہبی رسومات اور مذہبی تہواروں کو بھی عناصر میں جگہ دی گئی ہے جن کا مفصل جائزہ آئندہ صفحات میں بالتکرار ہو گا۔

منتخب مذاہب اور ان کے عناصر:

یہودیت:

یہودیت تاریخی اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس مذہب کو حضرت موسیٰؑ کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مذہب دراصل ابراہیمی اور توحیدی ادیان میں سے ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے اسماعیل اور اسحاق تھے ان کے بعد حضرت اسحاقؑ کے دو بیٹے عیسو اور حضرت یعقوبؑ ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام یہود تھا۔ ان کی اولاد فلسطین میں آباد تھی۔ اسی نسبت سے یہ یہودی کہلائے۔ یہ عبرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے عقائد بھی عبرانی زبان میں ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بھی بت پرستی میں مبتلا تھے۔ حضرت نوحؑ اور دوسری مقدس ہستیوں کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہیں۔ قرآن مجید میں ان

کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ بنی اسرائیل کے معنی ہیں اسرائیل کی اولاد اور حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا ان کے بیٹے کا نام یہود تھا اور یہ ان کی اولاد ہے۔ اسی نسبت سے یہودی اور بنی اسرائیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے قبل ان کے بے شمار معبود اور لاتعداد دیوتا تھے۔ جن میں خاندانی دیوتا، حجر پرستی اور قومی دیوتا شامل ہیں۔

خاندانی دیوتا: ہر خاندان کا اپنا دیوتا ہے وہ مورتیاں کو اپنی مرضی سے اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں اس کے علاوہ یہودی قبر پرستی پر یقین رکھتے ہیں انھوں نے اپنے آباو اجداد کے بھی بت بنا کر رکھے ہیں اسی طرح ان کے خاندان کے اپنے اپنے دیوتاؤں ہیں۔

حجر پرستی: ان میں حجر پرستی کا رواج عام ہے یہ لوگ پتھر کی مورتیاں بناتے تھے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان میں شجر پرستی کی بھی روایت بھی پائی جاتی ہے۔

قومی دیوتا: قدیم یہودیوں کے دو قومی دیوتا تھے۔ ایک بعل دیوتا اور دوسرا مولک دیوتا۔ بعل دیوتا ذرخیزی کا دیوتا ہے ہر شہر کا اپنا الگ دیوتا ہے۔ مولک دیوتا یہ آگ کا دیوتا ہے یہودی اس انسانی قربانی کے زمانے میں ” اشدوائی “ہی خدائے واحد کا مترادف تھا اور وہی ”یہوداہ“ تھا۔ یہودیت میں ایک اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنے دیوتاؤں کا نام لینا بے ادبی تصور کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کے دیوتاؤں کا نام لے لیتا تو اس کو سنگسار کیا جانے کا حکم صادر کیا جاتا۔ ہاں البتہ سال میں ایک دفعہ تمام یہودی جمع ہو کر ایک مقدس شخص دیوتا کا نام لیتا باقی سب خاموشی سے سنتے۔ ان پابندیوں کی وجہ سے یہودیوں کو اپنے خدا کا نام تک یاد نہیں رہا۔ یہودیوں میں قوی دیوتا کی نسبت میں ” یہوداہ “کی عظمت رچ بس گئی۔ ان کا خیال ہے۔ " یہوداہ "ہی ہمارا معاون و مددگار ہے۔ وہی ہماری دعائیں سنتا ہے اور دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔ وہ بادلوں اور آگ کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسی حوالے سے شیخ احمد دیدات یوں رقمطراز ہیں۔

> "یہوداہ کی تجسیم اس زمانے میں اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ دن میں بادل کے ستون کی شکل میں اور رات میں آگ کے ستون کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے، لیکن کسی کو مجال دید نہیں تھی۔"(۲۱)

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اگر یہوداہ کو دیکھ لیں تو اسی وقت موت واقع ہو سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل فرعون نے خواب دیکھا عالم بالا میں دو درخت ہیں جن کا سایہ تمام عالم میں ہے اس نے نجومیوں اور کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے بتایا کی بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو آپ کے تخت و تاج کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اس پیش گوئی کی بناء پر فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو بھی بچہ پیدا ہوتا اس کو قتل کروا دیتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو ان کی والدہ نے پوشیدہ رکھا حکم الٰہی کے تحت ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ یہ صندوق فرعون کے محل کے سامنے جا کر رکا۔ اس کے ملازم نے صندوق کو نکال کر فرعون کے پاس لے گئے تو اس وقت اس کی بیوی جضرت آسیہؓ بھی وہاں موجود تھی فرعون نے قتل کرنے کا حکم دیا تو حضرت آسیہؓ بولیں کہ قتل کرنے کے بجائے ہم ان کو اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آسیہؓ کے زیر سایہ فرعون کے شاہی محلات میں پرورش پائی۔ حضرت موسیٰؑ نے جوانی میں ایک مصری اور اسرائیلی کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ان دونوں کو روکا لیکن مصری باز نہیں آیا۔ آپ نے اس کو طمانچہ رسید کیا۔ جس کی وجہ سے موت واقع ہو گئی فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو آپ اس ڈر سے مصر سے مدین چلے گئے وہاں پر لڑکیوں کے ریوڑ کو چشمے سے پانی پلایا ان لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے بلایا۔ ان سے ملاقات کے بعد آپ نے دس سال تک ان کی خدمت کی۔ ان کی بیٹی سے نکاح کیا۔ ایک رات آپ اپنی بیوی کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دور سے آگ نظر آئی۔ آپ اس آگ کی طرف چل دیے۔ جب اس جگہ پہنچے تو یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گئے کہ آگ ایک سر سبز درخت کے اوپر لگی ہوئی ہے اور اس سے نہ درخت جلتا اور نہ ہی آگ بجھتی ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی بندہ و بشر ہے۔ اتنے میں ان کو ایک آواز سنائی دی۔ اے موسیٰؑ! میں تمھارا رب ہوں جوتے اتار کر اس مقدس وادی میں داخل ہونا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دو معجزے عصا اور ید بیضا سے نوازا۔ اس کے بعد آپ مصر آ گئے اور فرعون کو توحید کی دعوت دی۔ اور اس پر وہ بہت غصے میں آ گیا۔ اسی واقعہ کی وضاحت کرتے ہوئے محمد اکرم اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

”حضرت موسیٰؑ نے جب فرعون کو دعوت توحید پیش کی تو وہ سخت برہم ہوا اور حقارت سے کہا تمہارا خدا کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا:

﴿رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی شَیْءٍ خَلْقَه ثُمَّ هَدٰی﴾(۵۰:۲۰)

> فرعون نے حضرت موسیٰ سے دعوے کی حقانیت کے لیے ثبوت مانگے تو آپ نے عصا اور یدبیضا کے معجزے دکھائے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ پر جادوگری اور شعبدہ بازی کی تہمت لگائی اور اپنے جادوگروں کی مدد سے حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر مقررہ دن فرعون کے جادوگروں کے سانپوں کو جب حضرت موسیٰؑ کے عصانے اژدہابن کر نگل لیا تو سب جادوگر سجدے میں گر گئے اور خدا پر ایمان لے آئے۔ مگر فرعون ایمان نہ لایا۔ فرعون نے اس کی قوم کی سرکشی کے سبب خدا نے ان کو عذاب سے قبل چند نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ سرکشی سے باز آئیں یعنی خشک سالی آئی، سیلاب آیا، ٹڈی دل نے حملہ کر دیا، جوئیں اور مینڈک مسلط ہوئے، نیل کا پانی خون میں تبدیل ہو گیا۔" (۲۲)

اس کے بعد فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ستانا شروع کر دیا۔ بالاخر انھوں نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا، فرعون نے ان کا تعاقب کیا۔ جب فرعون اور اس کی فوج قریب آگئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا دریا پر مارا تو دریا سے راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم پار ہو گئی فرعون اور اس کی فوج دریا میں غرق ہو گئی اس کے بعد حضرت موسیٰؑ چالیس راتوں کے قیام کے لیے کوہ طور پر چلے گئے اور اپنا قائم مقام حضرت ہارونؑ کو بنایا اس دوران بنی اسرائیل نے سونا جمع کر کے بچھڑے مجسمہ بنالیا اور کہا کہ یہ موسیٰؑ کا اور تمہار رب ہے۔ اور لوگ اس کی پوجا کرنے میں مصروف ہوگئے۔ حضرت ہارونؑ کے منع کرنے کے باوجود وہ اس کام سے باز نہیں آئے۔ جب موسیٰؑ واپس آئے تو قوم یہ حالت دیکھ کر بے حد پریشان ہوئے اور حضرت ہارونؑ سے ناراضی کا اظہار کیا اور اس بت کو جلا کر دریا میں ڈال دیا۔ پھر آپ وہاں سے نکل کر سینا کے میدان میں آکر آباد ہوئے تھوڑے عرصے کے حکم الہی کے تحت بیت المقدس روانہ ہوئے۔ بنی اسرائیل پر ان دنوں قحط پڑ گیا۔ انھوں نے موسیٰ سے بھوک کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر من و سلویٰ عطا کیا کچھ عرصے کے بعد بنی اسرائیل نے سبزیوں کا مطالبہ کیا۔ المختصر موسیٰؑ نے خالص توحید کی تعلیم دی اور ہر قسم کی جانی اور مالی عبادات کرنے کا حکم دیا ان کی تعلیمات کا جو اہم مقاصد وہ توحید باری، الوہیت خداوندی، اخوت انسانی ہے۔

یہودیوں کی مقدس کتب

یہودی کی مقدس کتاب میں کوئی ایک کتاب نہیں بلکہ مختلف زبانوں میں ان کے صحیفے ہیں۔ دینی ادب میں یہودیوں کی بنیادی طور پر مقدس کتب دو ہیں۔

۱۔ عہد نامہ قدیم

۲۔ تالمود / تلمود

عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں تورات کی ہیں وہ یہ ہیں۔

کتاب پیدائش (السفر التکوین) : اس کتاب میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک تمام انبیاء کرام کے حالات واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتاب خروج (السفر الخروج): اس کتاب میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے مصر سے خروج اور دیگر واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب احبار (السفر اللاوئین): **اس میں** مذہبی اصول وضوابط، معاشرتی مسائل اور مذہبی احکامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کتاب اِعداد یا گنتی (السفر العدد): اس میں بنی اسرائیل کا شجرہ نسب اور انکی مختلف شاخوں کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ان کے ہر قبیلے کے افراد کی تعداد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب استثناء (السفر التثنیہ): مذہبی قوانین کے لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں موسیٰ کے خطبات اور احکام عشرہ کے بارے میں معلومات درج ہیں۔

نبییم / نیوییم (نبوت کی کتابیں): عبرانی بائیل کا دوسرا حصّہ نبییم (یعنی انبیاء) ہے۔ یہ بائیس کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں انبیاء کرام کے صحائف بھی شامل ہیں۔ اس میں کتاب یوشع، کتاب یسعیاہ، کتاب یرمیاہ وغیرہ شامل ہیں۔

کتبیم / کیتوییم (تحریریں): یہودیوں کی کتب مقدسہ ہے اس میں بارہ کتابیں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر زبور، امثال سلیمانؑ، ایوبؑ، دعوت نوحؑ وغیرہ۔ تورات اور زبور دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ ان کا نزول بھی الگ الگ انبیاء پر ہوا لیکن یہودی مذہب میں ان دونوں کو مانتے ہیں۔

تالمود / تلمود: یہودیوں کی مقدس اور مذہبی صحیفہ ہے۔ ان کے مطابق اس میں ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے احوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جس میں راویوں نے مکمل سند کے ساتھ "اقوال" جمع کیے ہیں۔ اس مقدس کتاب کو متن قرار دینا درست ہو گا۔ یہ فلسطینی علماء کی عمدہ کاوش ہے۔ یہودیوں نے پہلے اس کا نام "مِشنا" قرار دیا بعد اس کو تلمود کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس متن کی دو طویل شرحیں فلسطین اور بابل میں تحریر کی گئی ہیں۔

یہودیوں کے عقائد

یہودی توحید پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ خدا کو ایک مانتے ہیں۔ عہد نامہ میں بھی اسکا تصور ملتا ہے۔ اس کے علاوہ انبیاء پر ایمان لاتے ہیں، عقیدہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہودیوں کے بنیادی عقائد تیرہ ہیں جو کہ ایک یہودی موسیٰ بن میمون نے تحریر کئے۔ ان عقائد کی تفصیل میں شیخ احمد دیدات یوں لکھتے ہیں۔

"یہودی عقائد کو ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ وجودِ خداوندی پر ایمان۔ ۲۔ خدا کی وحدت پر ایمان۔
۳۔ خدا کے دائم ہونے پر ایمان۔ ۴۔ خدا کے غیر مادی ہونے کا تصور۔
۵۔ اس پر ایمان کہ عبادت صرف خدائے واحد کی ہی کی جائے۔
۶۔ پیغمبروں پر ایمان۔
۷۔ اس پر ایمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔
۸۔ اس پر ایمان کہ تورات (زبانی و تحریری) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ سینا پر عطاء کی گئی۔
۹۔ اس پر ایمان کہ تورات ناقابل تغیر ہے۔
۱۰۔ اس پر ایمان کے خدا علیم و خبیر ہے۔
۱۱۔ یوم آخرت کی جزا و سزا اور حیات بعد موت پر ایمان۔
۱۲۔ مسیح کے آنے پر ایمان۔
۱۳۔ مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان۔" (۲۳)

درج بالا نکات کے علاوہ زراعت، تجارت، عائلی قوانین، تعزیراتی قوانین، نظر و قربانی اور طہارت وغیرہ کے دیگر اصول بھی اس مذہب کا حصہ ہیں۔

یہودیوں کی مذہبی تہوار اور رسومات

یہودیوں کے بہت سی مذہبی تہوار اور رسوم ہیں۔ جن کو وہ خاص انداز سے بناتے ہیں ان کی رسومات میں دن بدن اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ یہودی مذہبی رسوم کی پابندی کو ایک اہم فریضہ سمجھتے ہیں۔

یوم السبت یہ ہفتہ وار تہوار ہے۔ یہ جمعہ کے دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ ہفتے کے دن ستاروں کے دکھائی دینے پر ختم ہوتا ہے۔ یہودی اس دن تمام دنیاوی کاموں کو ترک کر دیتے ہیں۔ عام تعطیل

ہوتی ہے۔ اس دن کو جشن کے طور پر مناتے ہیں۔ تمام لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ تورات کا کچھ حصّہ پڑھتے ہیں عبادات اور مراقبہ وغیرہ کرتے ہیں۔

پیساک: یہ تہوار موسم بہار میں منایا جاتا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کی مصر سے آزادی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار سات دن کا ہوتا ہے۔

ہفتوں کا تہوار: یہ تہوار پیساک کے پچاس دن کے بعد مئی، جون میں منایا جاتا ہے۔ اس کی رسومات دوسری رسوم سے مختلف ہیں۔ یہ تہوار سات دن کا ہے اس کو واقعہ خروج سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کوہ سینا سے جب دس فرمان موسیٰؑ لے کر آئے تو ان کی یاد میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ اس تہوار میں یہودی اپنے گھروں کی سجاوٹ، پودوں اور پھولوں سے کرتے تھے۔

سال نو: یہ تہوار نئے سال کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ اس میں کثرت سے عبادات کرتے ہیں نئے سال اور نئی امنگوں کے ساتھ ساتھ آنے والے سال کی بہتری اور خوشحالی کے لیے خصوصی دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں اس کے علاوہ ہر قسم کے کھانوں اور مٹھائیوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یوم پوریم: یہودی اس تہوار کو گیارہ فروری کو مناتے ہیں۔ اس کو ”ہامان“ کے ہاتھوں بچنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

یوم چولوکاہ: فتح یاد کے طور پر یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ یہودیوں کے ایک کمانڈر نے شامی افواج پر فتح حاصل کرلی تھی۔ اس کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔

یوم ہاتزموت: یہ جدید تہوار ہے۔ یہ اسرائیلی حکومت کے قیام کے لیے یادگاہ کے طور پر فلسطین میں منایا جاتا ہے۔ اس میں تمام یہودی شرکت کرتے ہیں۔

رسم قربانی: یہود ہر روز قربانی کرنے کو باسعادت قرار دیتے ہیں۔ قربانی کے لیے بھیڑ، بکری، کبوتر، فاختہ وغیرہ الغرض جو بھی پرندہ یا جانور صحیح سالم ہو اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اس کے ٹکڑے نہیں کرتے اسی وجہ سے یہودی کی عبادت گاہوں میں ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو تو اس کی تلافی کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔ اسی طرح فصل کی کٹائی اور تکمیل کے لیے بھی قربانی دے جاتی ہے۔ یہودیوں کی قربانی خاص دن ساتویں ماہ کی دسویں تاریخ کو ہوئی ہے۔ اسی طرح وہ ساتویں سال کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ انچاسویں سال کو جوبلی کے طور پر مناتے ہیں اور اسے یوم کفارہ بھی کہتے ہیں۔

رسم عقیقہ: یہ رسم بچے کی پیدائش کے سات دن کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ یہودی عقیقہ کے لیے ایک جانور ذبح کرتے ہیں اس جانور کا خون بچہ کے سر پر لگاتے ہیں۔

مذہبی مقامات و فن تعمیر

"سینا گاگ" یہودیوں کی عبادت گاہ ہے اس عبادت گاہ جانے کے آداب ہیں۔ مثلاً ٹوپی پہن کر جانے کو لازمی قرار دیا ہے۔ دور حاضر میں اگرچہ اس کی پابندی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہودیت کے مقدس مقام یروشلم میں ہے اسکا نام ہولی آف لولیز ہے۔ یہودیوں کے عقائد کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں کائنات تخلیق ہوئی اور حضرت ابراھیمؑ اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کے لیے بھی اسی مقام کا انتخاب کیا تھا۔ اس عبادت گاہ کی فن تعمیر کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ انیٹ سے تعمیر کردہ مربع نما اونچا مرکزی ٹاور ہے۔

۲۔ عیسائیت

مذاہب عالم میں "عیسائیت" کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ دور حاضر میں سیاسی و معاشی اعتبار سے یہ مذہب مستحکم دکھائی دیتا ہے اس کے ماننے والوں کی تعداد پوری دنیا میں تقریباً تیس (۳۰) فیصد ہے عیسائیت آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اسلام اور یہودیت کی طرح اسکی شاخ بھی دین ابراہیمی سے منسلک ہے۔ اس مذہب کو جاننے کے لیے یہودیت کا مطالعہ ازحد ضروری ہے یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اگرچہ انجیل کی تعریف بھی کی گئی ہے لیکن پھر قرآن مجید میں ان کے مذاہب کو اہل کتاب قرار دیا گیا ہے۔ عیسائیت کی تعریف مختلف ماہرین نے مختلف کی ہے۔

ڈاکٹر آسیہ رشید / حافظ محمد شارق عیسائیت کی تعریف کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "عیسائیت وہ مذہب ہے جس کا محور یسوع مسیح (علیہ السلام) ہیں۔ یہ مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان سے منسوب تعلیمات اور ان کی وفات سے متعلق ہے۔ ثلیت اور کفارہ کو اس مذہب میں بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے اور ان کا اقرار کیے جانے پر ہی کسی شخص کو عیسائی دنیا میں بحیثیت عیسائی قبول کیا جاتا ہے۔ یہ دین چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی کا بھی سرسری مطالعہ کر لیا جائے کہ یہیں سے عیسائیت کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔" (۲۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہودی مختلف مذاہب کے پیروکار تھے۔ یہ مذاہب آسمانی نہیں تھے بلکہ بت پرستی کی صورت میں جنم لیے ان کو مانتے تھے۔ یہی نہیں ان میں کچھ لوگ اپنے آپ کو مذہب کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے، وہ دنیا میں جنت کا ٹکٹ دیتے اور بھاری نذرانہ وصول کرتے یہ " احبار" کے نام سے مشہور تھے یہودی اس فرقے سے بہت خوش تھے کیونکہ وہ حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے۔ جاہلیت کی انتہا یہ تھی کہ لوگ بغیر سوچے سمجھے ان کی باتوں پر عمل کرتے چوری، جھوٹ، دھوکہ، بغض اور حسد عام تھا۔ اخلاقیات اور کتاب اللہ (تورات) کی تعریف و تحسین اور تقلید بھی محض دنیاوی اغراض ومقاصد تک محدود کر دی گئی۔ مذہبی حالت میں پسماندگی، بدنظمی اور بداخلاقی کا رواج تھا۔ یہودی سیاسی طور پر بحران کا شکار تھے چونکہ ا۹۳۱ق م اسکندر نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور فلسطین کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہیکل سلیمانی تباہ کر دیا اور یہودیوں کا جینا دوبھر کر دیا پریشانی وزوال ان کا مقدر بن چکی تھی سیاسی حالات بہت ابتر تھی اسی حوالے سے محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

> "مادی اسباب وحالات کے لحاظ سے اس امر کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہود پھر کبھی آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں گے یا غیر ملکی فرماں رواؤں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کر سکیں گے۔ اس لیے قدرتاً ان کی امیدیں مستقبل پر مرتکز تھیں اور وہ خداوند تعالیٰ کی راست مداخلت کے منتظر رہتے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ موجودہ صورتِ حال پر قناعت کر کے اپنی سیاسی حیثیت کو برضا ورغبت تسلیم کر لینا ہی قوم کے حق میں مفید ہو گا۔ اس لیے یہودیوں کو خدا کی عبادت اور مذہبی قوانین کی پیروی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ لیکن ایک بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی تھی جو اپنی سیاسی محکومی کو ایک عارضی حادثہ قرار دیتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ وقت قریب آرہا تھا جب کہ ظالمانہ بیرونی سلطنتوں کی سیاست کا خاتمہ ہو جائے گا اور خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایک مرتبہ پھر آزادی اور بالادستی کی نعمت سے سرفراز کرے گا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جابر و ظالم حکم رانوں کے مقابلے میں یہودیوں کو ابتداء بڑی سخت آزمائش کا سامنا ہو گا لیکن عین مایوسی کی حالت میں انھیں خدا کی امداد واعانت حاصل ہو گی، دشمنوں کو ہزیمت ہو گی اور بنی اسرائیل کو ایسی عالم گیر قوت وسلطنت تفویض ہو گی جو ابد الآباد تک قائم رہے گی۔"(۲۵)

یہودی اللہ تعالیٰ سے رو رو کر التجا کرتے رہے کہ ایسا بادشاہ حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے مبعوث فرما جو ان یہودیوں کو عزت و عظمت کے مقام سے نوازے اور ان کے دشمنوں کو تباہ برباد کرے بالاخر ان کی دعا قبول ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تاریک دنیا میں نور کی کرن بن کر آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فلسطین کے ایک گاؤں ناصری میں ہوئی آپ کا نام یسوع عبرانی میں یسوع اور عربی میں عیسیٰ تھا جس کے معنی مبارک، سید اور نجات دلانے کے ہیں۔ آپ کا لقب مسیح اور کنیت ابن مریم تھی۔ عیسائی آپ کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھی اگرچہ ان کی منگنی یوسف نامی شخص سے ہو چکی تھی لیکن "روح القدس" کی قدرت سے حاملہ ہو گئی جس کا ذکر انجیل اور قرآن پاک میں بھی ہے۔ انجیل متی کے حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شاہد مختار یوں لکھتے ہیں۔

> "انجیل متی آپ کی پیدائش کی پیش گوئی کے حوالے سے مذکور ہے۔ ”جب مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کو اکٹھا ہونے سے قبل وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو کہ راست باز تھا اور اسے بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا چپکے سے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا وہ ان باتوں کو سوچ رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہیں وہ روح القدس کی قدرت سے ہے وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو گناہوں سے نجات دلائے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو، کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گئی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے۔ جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔" (۲۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی پر بہت کم روایات ملتی ہیں البتہ اسرائیلی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر سے حاصل کی۔ یوسف نے انہیں متبرک اصول سے آگاہ کیا شب و روز کی عبادت حضرت مریمؓ نے خود انہیں سکھائیں یہودیوں کی "مجالس سبت" میں حضرت مریمؓ کے ہمراہ پابندی سے جاتے تھے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق بچپن میں کچھ واقعات بطور معجزہ بھی بیان کئے گئے ہیں انہیں معجزات میں ایک معجزہ یہ بھی ہوا کہ ایک بار آپ حضرت مریمؓ اور ان منگیتر یوسف کے ساتھ یروشلم جانے کا

اتفاق ہوا واپسی پر ان سے الگ ہو گئے حضرت مریمؑ اور یوسف پریشانی کے عالم میں واپس یروشلم گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو استادوں کے درمیان بات سنتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ جوانی کے حالات زندگی پر مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی البتہ اسرائیلی روایات کے متعلق یوسف کی وفات کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ کنعان چلے گئے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے بڑھئی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ حضرت عیسیٰ کی عمر تیس (۳۰) ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے نوازا اور پیغمبری کے دور کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے معجزات سے نوازا۔ ان میں ایک معجزہ یہ بھی تھا قریب المرگ بیمار شخص کو صحت مند اور تندرست کر دیتے تھے۔ خدا کا حکم ملتے ہی حضرت عیسیٰؑ نے اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ کا آغاز کر دیا۔ یہ مذہب دین موسوی کی اصل روح ہے جس کو یہود نے منسوخ کر ڈالا۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں یروشلم سے واپس آکر گلیلی جھیل کے نزدیک ایک گاؤں میں چلے گئے ان لوگوں نے آپؑ کو پیغمبر تسلیم کیا اور دعوت حق کو قبول کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو دعوت و تبلیغ کے لیے مقرر کیا جنہیں حواری بھی کہتے ہیں۔ آپ کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اہل یہود سود، شراب، حرام کاریوں الغرض تمام برائیوں کو ترک کر دین حق کو اختیار کر لیں یہودیوں نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور ایران پر بے شمار الزام مثلاً سبت کی بے حرمتی کا الزام، تشدد کا الزام، یروشلم کی تباہی کے لیے بددعائیں، بغاوت کا الزام اور کفر کے الزامات وغیرہ لگا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومی گورنر نے پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا جب سولی پر چڑھانے کی تیاریاں کی جارہی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا اور وہ ابھی تک زندہ ہیں اور ان کا قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر نزول ہو گا اسی حوالے سے قرآن پاک میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۴۔۵۵ میں ہے۔

﴿وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (۵۴) اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى
اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (۵۵)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر (غالب) رکھنے والا ہوں قیامت کے دن، پھر تم سب

> کا لوٹنا میری طرف ہے، میں ہی تمھارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔،،(۲۷)

> اسی طرح قرآن مجید میں سورہ النساء میں آتا ہے:
>
> ﴿"وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِۚ-وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْؕ-وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُؕ-مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّۚ-وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاۙ(۱۵۷)بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا(۱۵۸)وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖۚ-وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِيَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًاۚ(۱۵۹)﴾
>
> اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی۔ یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انھیں حقیقت حال کا کوئی علم نہیں ہے وہ محض ظن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔ اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے،،(۲۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد دجال کو قتل کریں گے۔ عدل وانصاف کی ایک سلطنت کا قیام عمل میں لائیں گے اور آخر میں ان کا انتقال ہوگا ان کو مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ اور روضہ طیبہ میں دفن کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات توحید پر ہے انھوں نے کفر وشرک سے منع فرمایا اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔ اللہ ہی قادر مطلق ہے وہ قیامت کے دن جزاو سزا دے گا اس کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اسی سے توبہ استغفار کرنے کی بھی تلقین کی۔ نجات کا واحد ذریعہ اعمال ہیں ورنہ گناہ کی صورت میں دوزخ میں جانا پڑے گا صدقہ و خیرات، تورات کی تصدیق اور تورات کی تعلیم وغیرہ کے امور کی وضاحت بھی حضرت عیسی علیہ السلام کے کلام میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پیش گوئی اور ان کی آمد کی خوشخبری بھی سنائی تھی۔ عیسائیت میں ان باتوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

عیسائیت کی مقدس کتب

عہد حاضر میں عیسائیت کی الہامی کتب کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔ عہد نامہ قدیم

۲۔ عہد نامہ جدید

عہد نامہ قدیم: بائبل کا وہ حصّہ ہے جو یہودیت اور عیسائیت دونوں میں مشترک ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی ولادت سے قبل کے واقعات ہیں اور اس کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے صحائف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کی تعداد میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ان کتابوں کی تعداد ۴۶ ہے اور بعض کے نزدیک ۳۴ ہے۔

عہد نامہ جدید: اس میں ۲۷ کتب، ۲۵۹ ابواب ۷۷۷۰ آیات پر مشتمل ہیں اور ان کو "اناجیل اربعہ" کہا جاتا ہے اور آخری کتابوں کو "کتاب اعمال" کے نام سے مشہور ہیں اس کے علاوہ عیسائیوں کی تقریباً ڈیڑھ ہزار کے قریب کتب ہیں جن کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔

عیسائیوں کے عقائد

عیسائی مذہب میں بہت سے عقائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

تثلیث (خدا کا تصور): عیسائی خدا کے تصور کے قائل ہیں وہ خدا کی تمام صفات کا اقرار کرتے ہیں لیکن عقیدہ تثلیث پر یقین رکھتے ہیں ثلیث کے حوالے ان کا مشہور فلسفہ ہے " تین ایک میں، ایک تین میں" وہ خدا کی تین باپ، بیٹا اور روح القدس کا مرکب قرار دیتا ہے۔ اس عقیدے پر عیسائی علماء متفق نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی ذات، بیٹا سے مراد خدا کا کلام روح القدس سے مراد محبت (جو ان دونوں کے درمیان) ہے۔ اس عقیدے کے مطابق تینوں الگ الگ خدا ہونے کے باوجود بھی ایک ہی خدا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے تین ملا کر ایک خدا ہے۔ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا انسانی وجود اور خدا مانتے ہیں۔

عقیدہ کفارہ: عیسائیوں کے نزدیک عقیدہ کفارہ پر ایمان کے بغیر نجات ممکن نہیں ان کے نزدیک انسان فطری طور پر گناہوں کا بوجھ لے کر پیدا ہوا ان کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ سے پھل کھائے اس کے گناہ کی وجہ سے ساری انسانیت گناہ گار ہو گئی اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلانے کے لیے سولی پر چڑھایا تمام لوگ کو گناہوں سے پاک کر دیا۔ انھوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔

حیات ثانیہ: عیسائی کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھنے کے بعد وفات پا گئے اور ان کو دفنایا گیا پھر تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے حواریوں کو ہدایات کی اور آسمان پر چلے گئے اب وہ ایک بار پھر دنیا میں دوبارہ آئیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو ایک نئی زندگی ملی اور وہ اس کو حیات ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔

صلیب عیسیٰ: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا عیسائیت میں صلیب کا نشان بہت اہمیت کا حامل ہے اسے صلیب مقدس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

عقیدہ آخرت: عقیدہ آخرت میں عیسائیت کا عقیدہ مسلمانوں کی طرح کا ہے ہر شخص موت کے بعد زندہ ہو گا اور سزا و جزا کا مستحق ہو گا اس پر ایمان لانے کو ایمان بالآخرت کہتے ہیں۔

عبادات

عیسائیوں کی مذہبی عبادات عیسائیوں کے ہاں عبادات میں نماز یا حمد خوانی روزہ اور رہبانیت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

نماز یا حمد خوانی: یہ اہل کلیسا کی اہم عبادت ہے اس عبادت کی ادائیگی کے لیے کلیسا میں روزانہ اکھٹے ہوتے بائبل کی تلاوت کرتے اور رورو کر دعائیں مانگتے ہیں۔

روزہ: عیسائیت میں روزہ کا تصور موجود ہے انجیل روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن اور چالیس راتیں روزے رکھے ہیں لیکن عیسائیت میں روزے کی مختلف اقسام ہیں۔ انہی اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر آسیہ رشید اور حافظ شارق یوں لکھتے ہیں:

"عیسائیوں کے ہاں روزے کی تین اقسام ہیں:

- ایک وہ روزہ ہے جس میں صرف مائع اشیاء(Liquids) کی اجازت ہوتی ہے۔
- وہ روزہ جس میں مائع اشیاء کے علاوہ صرف پھل اور سبزیوں کی اجازت ہوتی ہے اور گوشت وغیرہ ممنوع ہوتا ہے۔
- تیسری قسم کا صبح صادق سے سہ پہر تک ہوتا ہے۔

> "عیسائیت میں روزہ کے متعلق کوئی خاص قاعدہ قانون موجود نہیں ہے، بلکہ اسی خدا اور بندے کا انفرادی معاملہ تسلیم کرتے ہوئے ہر ایک شخص کی مرضی پر ہی منحصر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جانوروں کے گوشت کے پرہیز کرتے

> ہیں، بعض اسے جائز سمجھتے ہیں، بعض لوگ انڈے اور پھلوں سے پرہیز کرتے ہیں، کچھ صرف روکھی روٹی کھاتے اور بعض لوگ ان سب چیزوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔"(۲۹)

اس کے علاوہ عیسائیت میں روزہ اب ہر انسان کی اپنی مرضی پر ہے اس میں فرض کی کوئی اہمیت نہیں رہی بلکہ ہر فرقے کا اپنا نظریہ ہے۔

رہبانیت: یہ وہ نظریہ ہے جس میں انسان اپنی خواہشات وضروریات اور تمام دنیاوی تعلقات ترک کر کے روحانیت کا اعلیٰ درجہ اختیار کرلیتا ہے رہبانیت کا تصور قدیم مذاہب (مثلاً ہندو مت اور بدھ مت) میں بھی ملتا ہے۔ اسلام میں اس کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

عیسائیت کے مذہبی تہوار

عیسائیت کے مذہبی تہوار بہت سے ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں جو ہر فرقے کے عیسائی مناتے ہیں۔

۱۔ اتوار کا دن ۲۔ کرسمس ۳۔ ایسٹر

اتوار کا دن: عیسائی اس دن کو تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔ اتوار کو انگریزی میں سنڈے (Sunday) کہتے ہیں جس کے معنی "سورج کا دن" یونانی مشرکین اور ہندو سورج کی پوجا کرتے تھے انھوں نے اس دن کو پوجا کے لیے مقرر کیا تھا ان کو دیکھ کر عیسائی بھی اتوار کو مقدس جاننے لگے رفتہ رفتہ اس مقدس دن نے تہوار کی صورت اختیار کرلی اور پھر عیسائیت کے سبھی فرقے اس کو تہوار کے طور پر منانے لگے۔

کرسمس: عیسائیوں کا سالانہ تہوار کرسمس ہے اس تہوار کو عیسائی ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کی یاد میں مناتے ہیں یہ تہوار ایسا ہوتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کی عید۔ کرسمس کو موقع پر کیک، مٹھائیاں اور دیگر تحائف تقسیم کیے جاتے ہیں اس تہوار کے دن عیسائی خوشی اور مسرت کا اظہار مختلف انداز سے کرتے ہیں۔

ایسٹر: یہ ایک یادگار دن ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا گیا تھا تین دن کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہوگئے تھے خوشی اور یادگار کے طور پر یہ دن عام عیسائی ہر سال مناتے ہیں اس دن کو ۱۲ مارچ یا اس کے فوراً بعد آنے والے اتوار کو بھرپور جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ اس دن کو دوسرے مذاہب بھی مختلف ناموں سے مناتے ہیں۔ ایرانیوں "نوروز ہندو"، "بسنت"، "مصر" اور "آئرلینڈ"، "بہار کی دیوی" آسٹر کے نام سے مناتے ہیں۔

عیسائیت کی مذہبی رسوم

عیسائیوں کے ہاں متعدد مذہبی رسوم ہیں ان میں سے کچھ ایسی ہیں جن کو ادا کئے بغیر کوئی شخص عیسائیت میں داخل نہیں ہو سکتا وہ یہ ہیں۔

بپتسمہ (Bapism): یہ سب سے مقدس رسم ہے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے لیے ہر شخص کو یہ رسم ادا کرنی پڑتی ہے اگر نہ ادا کرے تو وہ عیسائیت میں داخل نہیں ہو سکتا یہ عقیدہ پر مبنی "ابتدائی رسم" ہے۔ بپتسمہ ایک مخصوص قسم کا غسل ہے جس کے کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ انسان "یسوع" کے واسطہ لیتا ہے ایک بار وہ مر جاتا ہے۔ جس سے اس کو گناہوں سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کو پاکیزہ اور نئی زندگی ملتی ہے۔ بپتسمہ ادا کرنے کا مخصوص طریقہ یہ ہے جو شخص عیسائی مذہب اختیار کرنا چاہتا ہے اس رسم کو ادا کرنے کے لیے اس کو ایک کمرے میں لے جا کر مغرب کی طرف منہ کر کے لٹا دیا جاتا ہے پھر وہ اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر یوں پکارتا ہے۔ بقول پروفیسر یوسف خان:

"اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔"(۳۰)

اس کے بعد مشرق کی جانب منہ کر کے عیسائی مذہب کو تسلیم کرتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے۔ پھر اس کو ایک اور کمرے میں لے جا کر سر سے پاؤں تک تیل لگا کر ایک حوض میں ڈالا جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ عیسائی عقائد پر یقین رکھتے ہو یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اسے سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور یہ کپڑے اس کے گناہوں سے پاک ہونے کا ثبوت بھی ہیں۔

عشائے ربانی: یہ رسم دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد کی جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گرفتاری سے عشائے ربانی کی رسم ادا کی ہے سب لوگ چرچ میں جمع ہو کر دعائیں مانگتے ہیں حمد خوانی ہوتی ہے اس کے بعد روٹی اور شراب پادری کے سامنے دعا کے لیے پیش کی جاتی ہے اور پھر ایک دوسرے کو بوسہ دیتے اور مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

بیماروں کو مسح کرنا: یہ بھی ایک رسم ہے جو صرف بیماروں کے لیے مخصوص ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائبل کے مقدس کلمات کو پڑھتے ہوئے سر اور ہاتھوں پر زیتون کے تیل کی مالش کی جاتی ہے اور مریض کی

صحت کے لیے دعا کی جاتی ہے اس مقدس عمل سے مریض کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے وہ پاک و صاف ہو جاتا ہے

شادی: یہ مقدس فریضہ چرچ میں ادا کیا جاتا ہے عیسائیت کے نزدیک شادی کا رشتہ ایسا ہے کہ جس سے کسی بھی صورت میں خلاصی ممکن نہیں مخصوص وجوہات کے سوا طلاق کو بھی ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کے مذہبی مقامات و فن تعمیر

عیسائیوں کا مقدس مقام یروشلم میں ہے جو دا چرچ آف ہولی سیپلکر یعنی کنسیہ القیامہ کے نام سے مشہور ہے اسی چرچ میں عیسائیوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا اسی وجہ سے پوری دنیا کے عیسائی جہاں آ کر اپنی گناہوں کی مغفرت کرواتے ہیں۔ عیسائیوں کے لیے یہ ایک مقدس ترین مقام ہے۔

اسلام:

دنیا کے بڑے مذاہب میں اسلام کا شمار کیا جاتا ہے اس کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے مسلمان دنیا کے ہر براعظم میں آباد ہیں۔ اسلام ایک سادہ اور عام فہم مذہب ہی نہیں بلکہ اس میں مخصوص طرز معاشرت اور مخصوص تہذیب و تمدن کا عکس بھی ہے۔ مذاہب عالم نے اسلام کو ایک اہم ترین اور دلچسپ مذہب قرار دیا ہے۔ اسلام سلم سے نکلا ہے جس کے معنی اطاعت و فرمانبرداری، تسلیم و رضا اور امن و سلامتی کے ہیں۔ اسلام کا لفظ قرآن مجید میں اطاعت اور خود سپردگی میں معنوں میں بھی آیا ہے۔ اس میں صرف داخلی رویے ہی نہیں بلکہ انفرادی اخلاقی ذمہ داری کی قبولیت کا اعلان کرنے ساتھ ساتھ نظام اخلاقیات اور مجموعہ قوانین پر عمل کرنا بھی لازم ہے جو اسلامی شریعت میں موجود ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام احکامات کا بخوبی جائزہ لیا گیا ہے۔ جس کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی کی ہے یہ ایک عالمگیر مذہب ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے رشد و ہدایت کا سر چشمہ ہے اسی حوالے سے ڈاکٹر محمد احمد نعیمی یوں لکھتے ہیں:

> "دین اسلام صرف مسلم قوم، مسلم ممالک یا کسی مخصوص خطے یا زمانے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیر آفاقی مذہب ہے جو دنیا کی ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کے لیے ہے۔ جس طرح یہ مسلمانوں کا دین ہے اسی طرح یہ غیر مسلموں کا دین ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اسی فطری دین پر نوع انسانی کا ہر فرد جنم لیتا ہے،،(۳۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کا مذہب ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کی زندگی ہر موڑ پر فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے اس طرح قرآن پاک میں سورہ الاحزاب اٰیت نمبر ۲۱ میں ہے:

﴿"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے،،(۳۲)

اسی طرح حدیث میں آتا ہے۔

> "سعید بن یحییٰ بن سعید اموی قرشی از یحییٰ از ابو بردہ بن عبد اللہ بن ابو بردہ ابو موسیٰ راوی ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ! کونسا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا (اس کا اسلام) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔"(۳۳)

اس حدیث یہ واضح ہوتا ہے کہ اس شخص کا اسلام سب سے افضل ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اسلام دوسرے مذاہب سے الگ ہے چونکہ دوسرے مذاہب میں چند رسوم اور عقائد کا مجموعہ ہے جبکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس مذہب کے ماننے والے زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

داعی اسلام حضرت محمد ﷺ

حضرت محمد ﷺ وہ واحد ہستی ہیں جن کی سوانح (یعنی ولادت باسعادت سے لے کر وفات) تک ہمیں معلوم ہے اس سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام آئے ان کی سوانح کا صحیح پتہ نہیں چونکہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل مکہ میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی اس وقت مکہ کے معاشرتی، معاشی اور مذہبی حالات بہت ابتر تھے اس زمانے میں عرب یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت عام تھی، بت پرستی اور توہمات پرستی کا دور دورہ تھا۔ دنیا کا ہر خطہ جاہلیت اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جاہلیت کے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اسلام کی مقدس کتب

اسلامی کتب مقدس دیگر مذاہب کی کتب سے منفرد ہیں اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید ایک عظیم اور الہامی کتاب ہے جس کی نظیر پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے قرآن مجید میں تیس پارے، پانچ سو چالیس رکوع، چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات مبارکہ

ہیں یہ ۲۳ سال کے عرصے میں حضرت محمدؐ پر نازل ہوا۔ ایہ تمام بنی نوع انسان کے لیے رشید و ہدایت کا سر چشمہ ہے۔ اس کا ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ دنیاوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا سب سے بڑا ماخذ قرآن مجید ہے۔

اسلام کے عقائد:

اسلام میں عقائد کو بہت اہمیت حاصل ہے ان عقائد کو تسلیم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے یہ عقائد چھ ہیں۔

اللہ پر ایمان: اللہ پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کو دل سے تسلیم کرنا اور دل سے اقرار کرنا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے اس کا کوئی ثانی نہیں قرآن مجید میں اللہ پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

رسولوں پر ایمان لانا: نبی اور رسولؐ اللہ کے برگزیدہ ان بندوں کو کہا جاتا ہے جن پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رسول بھیجے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور سب سے آخر میں نبی کریمؐ تشریف لائے اور ان کے بعد تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تمام انبیاء کرام اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔

فرشتوں پر ایمان لانا : فرشتوں پر ایمان لانا ایمان کا جز ہے یہ اللہ کی نوری مخلوق ہے فرشتوں پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار کام سونپے ہیں۔ مثلاً بارش برسانا، اعمال نامہ تحریر کرنا، وحی لانا، روح قبض کرنا، قیامت کے دن صور پھونکنا اس کے علاوہ انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں قرآن مجید میں ان پر ایمان لانے کی تلقین کی ہے ان میں چار فرشتے زیادہ اہم ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام: انبیاء کرام کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔

حضرت میکائیل علیہ السلام: بارشوں اور ہواؤں کے نظام کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام: روح کو قبض کرتے ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام: قیامت کے دن صور پھونکیں گے جس میں دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا پہلی دفعہ تمام چیزیں تباہ ہو جائیں گی اس کو نفع اولیٰ کہتے ہیں اور دوسری مرتبہ تمام مخلوقات دوبارہ زندہ ہو جائے گیں اور اسے نفع ثانیہ کہتے ہیں۔

کتابوں پر ایمان: اسلام میں تمام آسمانی کتابوں کو برحق مانتا ہے اور ان تمام پر ایمان لانا ضروری ہے اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو گا تورات، زبور، انجیل کو الہامی کتابیں تسلیم کرنا لازم ہے۔ اس کے علاوہ ہدایت ور ہنمائی کے لیے آخری کتاب قرآن مجید ہے جو نبی کریمؐ پر اتاری وہ تا قیامت رہے گی۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے، اس کتاب میں کسی قسم کا تغیر یا تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی تبدیلی واقع ہو گی۔

تقدیر پر ایمان لانا: تقدیر سے مراد ہر اچھائی اور برائی کا علم اللہ کے پاس ہے وہ جانتا ہے کہ انسان نے اس دنیا میں کیا کرنا ہے انسان کو یقین کامل ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے مقدر میں لکھا ہوا ہے۔ وہ خدا کی رضا سے ہے اور اس کے پاس ہر چیز کا علم ہے اسی علم کو تقدیر کہتے ہیں۔

آخرت پر ایمان لانا: اسلامی عقائد میں آخرت پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے۔ جب قیامت برپا ہو گی تو ساری کائنات فنا ہو جائے گی۔ پھر حساب و کتاب ہو گا۔ جو اچھے اعمال کرتے ہوں گئے وہ جنت میں جائیں گئے اور جھنوں نے برُے اعمال کیے وہ دوزخ میں جائیں گئے۔ مرنے کے بعد انسان کو اس کے اعمال کا پھل ملے گا دنیا میں جو بھی کام کرئے گا اس کی جزا و سزا ضرور ملے گی اس میں چار مرحلے۔ موت، عالم محشر، قبر، جنت و جہنم ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

اسلامی مذہبی رسومات و تہوار:

رمضان: اسلامی سال کا نواں مہینہ رمضان ہے یہ قدر و منزلت کا مہینہ ہے اس ماہ کے پورے ایّام میں روزے فرض ہیں۔ قرآن مجید کا نزول بھی رمضان میں ہوا، اس ماہ کو مسلمان ادب واحترام سے مناتے ہیں، تراویح پڑھتے ہیں اور صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ اس ماہ میں ہر نیکی کا ثواب دوگنا ہے۔

عید الفطر: رمضان کے بعد عید الفطر ہوتی ہے یہ شوال کی پہلی تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ اس تہوار کو مسلمان بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ نئے کپڑے پہنتے ہیں اور مٹھائیاں اور تحائف ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں۔

عید الاضحی: یہ تہوار ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو مناتے ہیں اس کو عید الاضحی یا قربانی والی عید کہتے ہیں اس میں لوگ قربانی کرتے ہیں گوشت اپنے رشتے داروں، غریبوں و محتاجوں میں تقسیم کرتے ہیں یہ عید دراصل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی یاد میں بنائی جاتی ہے۔

عبادات

اسلام میں عبادات کا تصور منفرد اور جامع ہے اسلامی عبادات توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد شامل ہیں۔

توحید و رسالت: توحید سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اختیارات اور ہر چیز کو یکتا ماننا ہے وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا جاتا۔ رسالت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا دل وجان سے اقرار کرنا اور اس بات کو تسلیم کرنا کہ اللہ ایک ہے **محمد** ﷺ اللہ کے رسول ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

نماز: عبادات میں نماز بدنی عبادت ہے اس کی ادائیگی ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔ مسلمان پر دن میں پانچ نماز فرض ہیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔ تمام مسلمان قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ ”نماز دین کا ستون ہے۔“ نماز سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔

روزہ: روزے کو عربی میں صوم کہتے ہیں جس کا مطلب ہے روکنا۔ رمضان کے مہینے میں اللہ کی رضا کے لیے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے نفس کو تمام ترخواہشات سے روکے رکھنے کا نام روزہ ہے۔ مسلمان رمضان کے مہینہ کو احترام وعقیدت سے مناتے ہیں مساجد میں نماز اور تراویح کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ خصوصی دعاؤں کی جاتی ہیں رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔ روزہ بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ یہ خاص عبادت ہے جس سے صبر اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

زکوۃ: اسلامی عبادات کا ایک اہم رکن ہے۔ اس سے مراد وہ مال جس پر ایک سال گزر جائے تو اڑھائی فیصد زکوۃ ادا کی جاتی ہے۔ زکوۃ کی ادائیگی سے مال پاک وصاف ہو جاتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے۔

حج: اسلام عبادات میں حج ایک اہم عبادت ہے جو مکہ مکرمہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ ہر صاحب استطاعت پر حج ایک دفعہ فرض ہے حاجی احرام کی دو چادریں پہن کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں حج کی ادائیگی کے مخصوص ایّام ہوتے ہیں یعنی ذوالحجہ کی ۸۔ ۹۔ ۱۰ تاریخ کو ادا کیا جاتا ہے ان دنوں میں بیت اللہ کا طواف، میدان عرفات میں وقوف اور منٰی میں جمعرات کو کنکریاں مارنا حج کی ادائیگی کے مخصوص طریقے ہیں۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں حاضری حاجی کے لیے باعث سعادت ہے۔

جہاد: اسلام میں عبادات میں جہاد کو بہت فضلیت حاصل ہے جہاد کے لغوی معنی سعی اور کوشش کے ہیں اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنا جہاد بالنفس ہے۔ اسلام صلح کی ترغیب دیتا ہے اوران لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا کا حکم دیتا ہے جو ناانصافی اور ظلم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے مذہبی مقامات وفن تعمیر

مسلمانوں کی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے خانہ کعبہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد الحرام کی بنیاد رکھی گئی کہ وہ مقام جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے عبادت کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر عبادت گاہ بنائی۔ ان کے بعد حضور ﷺ نے اس پر نماز ادا کی۔ یہ مسجد مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ ابتدائی دور میں مساجد کی تعمیر سادہ اور ایک منزلہ ہوتی تھی۔ اسی طرح پتھروں سے بنی ہوئی ایک چوکور عمارت خانہ کعبہ کی تھی جس کے گرد عبادت کی جاتی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے وسائل میں اضافہ ہوا تو انھوں نے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی بہت خوب صورت انداز میں تزئین و آرائش کی۔ مسجد کے مینار اور گنبد بنائے۔ اس مسجد کے نو مینار ہیں۔ اس میں وضو کے لیے جگہ اور نماز کی ادائیگی کے لیے بہت بڑے بڑے ہال تعمیر کیے مسجد الحرام مسلمانوں کے لیے مقدس ترین مقام ہے۔

مسجد نبویؐ: خانہ کعبہ کے بعد دوسرا اہم مقام مسجد نبوی ﷺ ہے۔ یہ مسجد مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر ۱۸ ربیع الاول ۱ھ میں ہوئی۔ ہجرت کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ نے اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور خود بھی اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مسجد کی دیواریں پتھر اور اینٹوں سے بنائیں اور چھت لکڑیوں سے تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں گنبد خضرا ہے جس کے نیچے حضرت محمد ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا روضہ مبارک ہے۔ اس مقام پر حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارک تھا۔ اس مسجد کا پہلا مینار عہد نبوت میں تعمیر کیا گیا۔ اس میں حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ یہ مسجد نبوی ﷺ کی چھت کے قریب واقع ہے۔ وقت کے ساتھ اس کی تعمیر میں اضافہ ہوتا گیا۔ تیسرا اہم مقام جسے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اواس کے علاوہ دنیا کی تمام مساجد کو اللہ کا گھر کا درجہ دیا جاتا ہے جہاں مسلمان اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۴۔ ہندومت

سب سے قدیم اور پیچیدہ مذہب ہندومت ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے افراد کی لاتعداد ہے۔ ہندو لفظ دراصل سندھو سے نکلا ہے۔ یہ دریائے سندھ کے نام سے موسوم ہے۔ جو بعد میں تبدیل ہو کر ہندو بن گیا۔ ہندوستان کے دریائے سندھ کے پار علاقے کو اب بھی فارس کے لوگ ”ہند“ کے نام سے جانتے ہیں۔ ہندومت سنسکرت کا لفظ ہے۔ ہندی میں اس کو دھرم کہتے ہیں۔ اس کے معنی مذہب اور عقل کے ہیں۔ ہندو مذہب کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے آغاز کا تعین نہیں ہو سکا کہ اس مذہب کی بنیاد کب اور کس نے رکھی اور نہ ہی اسکاریکارڈ موجود ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ البتہ ماہرین کا کہنا ہے کہ ہندو مذہب کی آمد اس وقت ہوئی جب آریاؤں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا دورانیہ (۱۲۰۰-۱۵۰۰) قبل مسیح ویدک مت کے نام سے اس مذہب کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اصل حقیقت کا کسی کو علم نہیں جو کہ ہندوؤں کی سب سے بڑی بدنصیبی ہے تاریخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ان کو واقعات او رتصورات کا سہارالینا پڑتا ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں پروفیسر مولانا محمد یوسف جان اپنی کتاب "تقابل ادیان "میں یوں رقمطراز ہیں۔

”یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندہ ستانی اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کرتے ہیں۔

ایک اور ہندومؤرخ پر مانند لکھتا ہے۔

> "ہندوستان میں ہندوؤں کے پاس جو تاریخ کتب موجود ہیں ان کے تین حصے ہیں۔ (۱) زمانہ ءقدیم جو کہ بالکل نامکمل ہے اور اس میں جو حالات وواقعات ملتے ہیں، وہ شاعرانہ مبالغہ آرائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات مسلم ہے اور خود ہندوؤں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ اقوام جو شرک میں مبتلا تھیں اور ان کے یہاں بت پرستی کا رواج تھا، اصلاً یہ چیزیں ہندوستان میں نہ تھیں بلکہ باہر سے ان لوگوں میں درآئی تھیں اور پھر بعد میں ان چیزوں نے ہندوؤں کے دل ودماغ پر اس طرح قبضہ کرلیا کہ اب وہ کسی طرح ان سے جدا نہیں ہوتیں۔"(۳۴)

ہندوستان کے لوگوں میں بت پرستی عام تھی ہندووں جانوروں، درختوں، پتھروں، آگ اور پانی وغیرو کی پوجا کرتے تھے۔ یہی پرستش کچھ عرصے کے بعد ان کے مذاہب کا جزبن کر سامنے آئی۔ اب سوال

یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندو مذہب بھی ہے یا نہیں چونکہ بظاہر یہ مذہب عقائد اور رسومات کا مجموعہ نظر آتا ہے اس کی نہ تو کوئی کتاب جو کسی ایک خدا کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی پیغمبر آیا بلکہ ان کے پیروکاروں کے عقائد و نظریات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہندو مت واحد مذہب ہے جس کا کوئی بانی نہیں ہے۔ ہر مذہب کی مذہبی کتب میں کسی نہ کسی شخصیت کا حوالہ موجود ہے نہ تو ہندو مت کی مذہبی کتب میں ان کے بانی کا کوئی حوالہ ملتا ہے۔

ہندومت کی مذہبی کتب

ہندو مت ایک قدیم مذہب ہونے کے باعث شہرت کا حامل ہے۔ اس مذہب کا علم صرف برہمنوں کے حصے میں ہے باقی طبقات اس سے محروم ہیں۔ ہندو مت کی مقدس کتابیں وید، اُپنشد، پران، رامائن، مہابھارت اور گیتا شامل ہیں۔

وید: ہندو مت کی مقدس کتاب وید ہے۔ وید "وُد" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی علم اور غور و فکر کرنے کے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک تمام علوم اور رسومات کے لحاظ سے جتنا بھی مواد جمع کیا گیا۔ اسے وید کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وید خود بخود وجود میں نہیں آیا۔ ویدی ادب کی ابتداء قوم آریاء کی ہندوستان میں آمد کے بعد ہوئی لیکن اس میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک دو ہزار قبل مسیح اس کی ابتداء ہوئی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ وید کا ایک بڑا حصہ قبل مسیح اسکا ظہور ہوا۔ دوسرے مذاہب کی طرح اس کے آغاز و ارتقاء میں صدیوں گزر چکی ہیں۔ اس علم کا حق صرف برہمن کو حاصل ہے۔ برہمن اس کو زبانی یاد کرتے ہیں اور پھر اس سے دوسری نسل میں منتقل کرتے یہ سلسلہ ان کا نسل در نسل چلتا رہا۔ بنیادی طور پر چار ویدیں زیادہ مقبول و مشہور ہیں۔ (۱) رگ وید (۲) یجر وید (۳) سام وید (۴) اتھر وید

رگ وید: ہند کا سب سے اہم اور قدیم ترین وید "رگ وید" ہے۔ وید کے معنی علم کے ہیں۔ اس میں دس ہزار منتر اور مناجاتی گیت شامل ہیں۔ رگ وید مکمل طور پر نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہندوؤں کے خداؤں کی تعریف و توصیف اور بزرگی و برتری کے متعلق گیت ہیں اور دیوتاؤں کو مخاطب کر کے کس طرح دعائیں مانگتے ہیں جو اس میں درج ہے۔ رگ وید کے موضوعات پر ہی باقی ویدی کتب لکھی گئی ہیں۔

یجر وید: اس کا مطلب ہے رسومات کا علم، یہ رگ وید کا ہی موضوع ہے۔ ہندوؤں اس گیت کو قربانی کے دوران گاتے ہیں۔

سام وید: اس میں راگ اور گیت پر مبنی چند گیتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ گیت یا منتر ہیں۔ جو پروہتوں کی جانب سے قربانی کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ رگ وید سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔

اتھر وید: یہ چھ ہزار مناجاتی گیت یا منتر کا مجموعہ ہے جس میں تقریبا بارہ سو منتر رگ وید سے لیے گئے ہیں۔ وید کا آدھا حصہ نثر، کچھ حصہ جادو اور خیالی باتوں پر مشتمل ہے۔ اس وید میں نظریہ ہمہ اوست کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اتھر وید کے معنی ہیں جو علم رشی اتھرو کی جانب سے دیا جائے۔ ہندو مت میں رشی ویدوں کے شاعر کو کہتے ہیں۔ رگ وید کے بعد اتھر وید بہت اہمیت کے حامل ہے۔ دیوتاؤں کی عبادات کے حوالے سے بھی اس کتاب کو بہت شہرت ملی ہے۔ کیونکہ اس میں تمام رسومات کا بھی ذکر کیا گیا۔ ویدی ادب کے چار حصّوں کی وضاحت کرتے ہوئے لیوس مور لکھتے ہیں۔

> "ویدی کتب میں سے ہر ایک کے چار حصے ہیں۔ ہر ایک میں دیوتاؤں کے لیے مناجاتی گیت (منتروں) پر مشتمل ایک سیکشن ہے۔ بہت سے قدیم مذاہب کی طرح مناجاتی کتب اور مذہبی شاعری تمام مذہبی ادب میں سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہ اُس دور کو منعکس کرتی ہے۔ جب دیوتاؤں کے لیے اور ان کے بارے میں اقوال کو بغیر تحریری صورت کے یاد کیا، دوہرایا اور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا جاتا۔ ہر ویدی کتاب کا ایک حصہ رسوماتی مواد (برہمہ) پر مشتمل ہے۔ جس میں پرستش کرنے والے کو اپنی قربانی وغیرہ کی رسوم ادا کرنے کے مناسب طریقہ میں ہدایات دی گئی ہیں۔ برہمن کو منتر حصہ کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ وید کا تیسرا حصہ آرنیک کہلاتا ہے۔ جو سنیاسیوں کے لیے مذہبی ہدایت نامہ ہے۔ چوتھے حصے اُپنشد کہلاتے ہیں اور فلسفیانہ مواد پر مشتمل ہیں۔ منتر اور برہمہ وید میں قدیم ترین حصے سمجھے جاتے ہیں۔ جن میں بعد ازاں آرنیک اور اُپنشد کو شامل کر لیا گیا۔ اپنی حتمی شکل میں وید "ویدی" زبان میں لکھے گئے جو کہ ابتدائی سنسکرت کی پیش رو ہے۔"(۳۵)

ویدیں میں مناجاتی گیتوں کی وجہ سے گانا بھی اس مذہب کا حصّہ ہے۔ ہندوؤں کے ہر گانا اور گیت میں مذہبی پیغام لازمی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا انحصار ویدوں پر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی نظر میں گانے کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ ویدیں الہامی نہیں بلکہ اس تبدیلی اور تحریف ہوتی رہتی ہے۔

اُپنشد: ہندو مت میں وید کے بعد دوسری اہم کتاب اُپنشد ہے۔ ہندوؤں اس کو ویدوں سے بھی زیادہ مقدس مانتے ہیں۔ اُپنشد کے معنی ہیں کسی کے پاس خاموشی سے بیٹھنا۔ پرانے زمانے میں استاد کے قریب شاگرد بیٹھتا تو توجہ کے ساتھ اس کا درس سنتا اور پھر بعد میں اس کو کتابی صورت میں پیش کرنا اُپنشد کا نام دیا جاتا ہے۔ اُپنشد کے ایک معنی مجلس کے بھی ہیں۔ یہ مجلس بھی شاگردوں کے گروہ پر مشتمل ہے۔ جو ادب کے ساتھ استاد کے ارد گرد بیٹھے رہتے ہیں یہ اُپنشد کے معنی میں آتے ہیں۔ اُپنشد کا مطلب پوشیدہ تعلیم کے بھی ہے۔ اُپنشد اور وید کے درمیان بعض مورخین کا اختلاف بھی ہے۔ کچھ حضرات کے نزدیک وید اور اُپنشد دونوں برابر ہیں۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ دونوں کی راستے مختلف ہیں۔ وید راہ عمل ہے اور اُپنشد راہ علم ہے۔ روح، خدا اور فطرت اُپنشد کا بنیاد ہے۔ اس میں ”خدا شخصی“ اور غیر شخصی دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ وہ پوری نظام ہستی کو چلتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانوں کا مقدر اس کے ہاتھ میں ہے۔ جزا و سزا کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اُپنشد میں بنیادی طور پر مشکل اور پیچیدہ مباحث ہیں اور اس کو سمجھ آسان نہیں۔ لہذا اس کی مقبولیت تھوڑے سے دانشوروں میں ہے۔ ماہرین کا نزدیک اُپنشد کی تعداد ایک سو آٹھ ہے۔ چاروں ویدوں تعداد گیارہ سو اسّی بنائی ہے۔ اپنشد کو ہندو تصوف اور فلسفے کا علم سمجھا جاتا ہے۔ جس میں سے تقریباً دو سو مقالہ جات بھی لکھے گئے ہیں۔ ہندوستان میں اس کو اہمیت حاصل ہے۔ اس میں نجات کا واحد ذریعہ ”ریاضت“ کا ہے۔ تمام نفسانی خواہش کو ختم کر کے اپنی روح (آتما) کو کائنات میں مدغم کیا جائے۔

پران: ہندو مت میں اُپنشد کے بعد پران کو بلند درجہ حاصل ہے۔ قدیم حکایات اور داستانوں کو پران کہا جاتا ہے۔ پران کے معنی بھی پرانا اور قدیم کے ہیں اور اس کتاب میں قدیم دیوتاوں کی حکایات موجود ہیں۔ اس میں ریاضی، فلکیات، اور تاریخ کے علم سے آگاہی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کتب میں پران کو قابل احترام، مقدس اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ پران کا ذکر وید میں بھی ہے۔ پران کی تعداد اٹھارہ ہے۔ اور ان کے اشعار آٹھ لاکھ سے بھی زائد ہیں۔ پران کو کسی ایک شخص نے نہیں تحریر کیا بلکہ بہت لکھاریوں نے اس کو قلمبند کیا۔ ہندو مذہب میں پران کو عوامی مقبولیت و شہرت حاصل ہے۔

مہابھارت: ہندوؤں کی مشہور و معروف اور مقدس کتاب "مہابھارت" ہے۔ اس کی مقبولیت عالمگیر شہرت کی حامل تھی۔ بنیادی طور پر یہ ایک طویل ترین نظم ہے جو دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ مہا بھارت دراصل ایک جنگ کی داستان پر مشتمل ہے جو دو خاندانوں کے مابین لڑی گئی اس کے بارے میں سید اختر الاسلام یوں لکھتے ہیں۔

"مہابھارت ایک رزمیہ داستان ہے جو شروع سے بلاتخصیص مذہب وملت ادباء وشعراء کا مرکز رہی ہے "(۳۶)

اس کتاب میں جنگ کے حالات، خیالات اور افسانوی کہانیاں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب موجودہ مذہب کا حصّہ بنی۔

گیتا: مذہبی لحاظ سے مہابھارت کا جو سب سے اہم حصّہ بھگوت گیتا ہے۔ بھگوت گیتا کے معنی بھگوان کا ترانہ، ماتما کا گیت اور خدا کی حمد وغیرہ کے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف "سر کرشن جی مہاراج" ہیں۔ یہ کتاب اٹھارہ ابواب اور سات اشوک پر مشتمل ہے۔ اس کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصّے کے چھ ابواب ہیں۔ یہ کتاب نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے اور اس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں کیا گیا ہے۔ ہندو سماج میں اس کتاب کو مقدس مانتے ہیں اور اس میں خدا کا تصور موجود ہے۔ یہ سب سے پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ دور حاضر میں گیتا کی تعلیم ہی دی جاتی ہے۔ اسی حوالے سے محمد مظہر الدین صدیقی یوں لکھتے ہیں۔

> "بھگوت گتیا میں خدا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے خدا ایک ذی شعور، ابدی اور توانا ہستی ہے۔ جو ازل سے موجود تھی۔ وہ نہ صرف اس عالم فانی سے ممیز ہے۔ بلکہ انسانوں کی لافانی روح سے بھی اس کی ہستی بالکل جدا ہے۔" (۳۷)

رامائن: یہ ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب ہے۔ اس میں رزمیہ نظمیں ہیں۔ یہ مہابھارت کے مقابلے میں تو نہیں ہے۔ اس کتاب میں کل اڑتالیس ہزار اشعار ہیں اور بعض کے نزدیک ۴۲ ہزار اشعار ہیں۔

ہندومت کے مذہبی عقائد:

تصورِ خدا:

ہندوؤں میں خدا کو پکارنے کی بے شمار اصطلاحات ہیں ہندوؤں کے نزدیک خدا اور بھگوان کی کوئی ہستی نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا خدا ہوتا ہے۔ ہر فرقے کے ہاں خدا کے مختلف تصورات موجود ہیں۔ ویدوں میں دیوتاؤں کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے ان میں چند مشہور خدا یا دیوتا یہ ہیں۔

اندر دیوتا طوفان، ہوا، بارش اور جنگ کا دیوتا ہے۔ اس کو دشمنوں کو قتل کرنے کا دیوتا بھی کہتے ہیں اس کے علاوہ یہ زمین وآسمان کا خالق بھی قرار دیا جاتا ہے اس سے آریاؤں کو سرپرست بھی مانا جاتا ہے۔

ردر دیوتا: ردر دیوتا کو ہلاکت کا دیوتا کہا جاتا ہے آریاوں کا اس کو اپنے دشمن سمجھ کر اس کے خوف اور وحشت اس کی عبادت کرتے ہیں۔ بعد میں اس دیوتا نے شیو کا روپ دھار لیا۔

وایو دیوتا: ویوادیوتا کا دیوتا اور خوشبوئیں پھیلانا اور زندگی بخشتا ہے۔

ماروت: ماروت بہت روحوں کو کہا جاتا ہے جو باد باران میں طوفان میں اڑتی پھرتی ہیں۔

اشہ: اشہ صبح کی دیوی کو کہا جاتا ہے۔

سوریا دیوی: سوریا دیوی کو سوترا بھی کہا گیا ہے بعض کا خیال ہے سورج کے تین روپ ہیں۔ ا۔ کانا مسوریہ۔ ۲۔ سوترا۔ وشنو۔

نیم دیوتا: اس دیوتا کو عالم ارواح کا حاکم مانا جاتا ہے یہ وہ شخص ہے جو سب سے موت کا شکار ہوا اور اب مردوں پر حکومت کرتا ہے اس کے علاوہ ان کا حساب بھی کرتا ہے اس کی پوجا کرنے کے لیے پنڈ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔

ورن: یہ ورونا کے نام سے مشہور ہے اور یہ آسمان کا دیوتا ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کے ساتھ ساتھ قدرتی اور اخلاقی نظام کا محافظہ ہے۔

ریت: اس کو نظام کائنات کی روح قرار دیا جاتا ہے اور تدبیر کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اس کے علاوہ ویدوں میں اور بھی بہت سے دیوتاؤں کا ذکر ہے۔

ہمہ اوست کا عقیدہ: ہندوؤں کے مذہب میں دیوتاؤں اور معبودوں کی کثرت کی بنیادی وجہ ہمہ اوست کا عقیدہ ہے۔ اس کے مطابق کائنات کی ہر شے میں خدا کا ظہور ہے۔ جاندار اور بے جان اشیاء مقدس ہیں جو چیز کائنات میں موجود ہے سب کچھ وہی ہے۔ اسی وجہ سے ہندوؤں میں لاتعداد دیوتا ہیں۔ ہوا، پانی، آگ، دریا، زلزلے اس کے علاوہ سانپ اور بندر وغیرہ کی پوجا کی جاتی ہے۔

عبادات

ہندومت میں عبادات کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔

پوجا: ہندومت میں پوجا کو اہم عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی ادائیگی کے لیے ہندو مندروں میں جا کر مختلف مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ پوجا کا آغاز مورتیوں کے سامنے لگی ہوئی گھنٹیوں سے کیا جاتا ہے۔ ان مورتیوں کو خوشبو لگاتے ہیں اور رنگ برنگے پھولوں سے سجاتے ہیں۔ پھر ان کے سامنے سجدے کرتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔

یگیہ: اس سے مراد قربانی لی گئی ہے۔ اس کی ادائیگی میں ہندو پھل، اناج اور جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ جانوروں کو ذبح کر کے دیوتاؤں کے اوپر خون گراتے ہیں۔ اناج اور گوشت نہیں کھاتے کہ یہ ان دیوتاؤں کا حصّہ ہے۔

جاپ: اس کا مقصد ذکر یا تسبیح کے ہیں۔ گیت یا منتر بطور وظائف پڑھتے ہیں۔ ان کو جاپ کہا جاتا ہے۔

مذہبی تہوار ورسومات

ہندووں کے ہاں مختلف قسم کے تہوار اور رسومات منائے جاتے ہیں جو یہ ہیں۔

دیوالی: ہندو یہ تہوار پندرہ کاتک کو مناتے ہیں۔ کسی دریا یا تالاب میں جا کر غسل کر کے نئے کپڑے پہنتے ہیں، اس کے بعد دیئے جلاتے، آتش بازی کرتے اور جوا کھیلتے ہیں۔ پھر سب مل کر دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ یہ تہوار ہندووں کے نزدیک بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ہولی: ہندووں کا یہ مقدس تہوار ہے۔ یہ پندرہ پھاگن کو منایا جاتا ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے اوپر رنگ پھینکتے ہیں، گانے گاتے ہیں، موسیقی بجاتے ہیں، نئے کپڑے پہن کر ایک دوسرے کو مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔

نوراتری: یہ نوراتوں کا تہوار ہے۔ اس میں شکتی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ رقص و موسیقی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

رکشابندھن۔ یہ انسان کی حفاظت کے لیے ایک تعویذ ہوتا ہے جو بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ اس کام کو ہندووں کے مذہبی رہنما سرانجام دیتے ہیں اور محنت کا ہدیہ بھی دیتے ہیں کیونکہ ہندووں کے خیال میں بزرگوں کے پاس تحفے تحائف کے ساتھ جانا چاہیے۔ خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اب یہ رسم نہیں رہی۔ اب برہمن خود ان کے پاس آتے ہیں پھر رکشابندھن کی رسم ادا کرتے ہیں۔

راکھی ایک تعویذ ہے جو حفاظت کے لیے بندھا دیا جاتا ہے۔ ہندووں کا خیال ہے کہ یہ مشکل میں ساتھ دیتا ہے اور ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ رکشابندھن سے آسانی ہو جاتی ہے۔ پرانے زمانے میں جب دو فریقوں کی آپس میں دشمنی ہوتی تو کمزور فریق کی عورت راکھی باندھتی تھی تو ان دونوں کی آپس میں صلح ہو جاتی اور دشمنی ختم کر لیتے کیونکہ طاقت ور قبیلے کو مجبوراً اس عورت کا احترام کرنا پڑتا۔

دسہرہ کے معنی دس پاپ کے ہیں یعنی تمام مصائب اور تکالیف کو ختم کرنے والا۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دس گناہ سب سے بڑے ہیں ان میں سے تین کا تعلق انسانی جسم سے ہے مثلاً چوری، قتل اور زنا۔ چار گناہوں کا تعلق انسان کی زبان سے وابستہ ہے مثلاً جھوٹ بولنا، چغلی کھانا، گالی دینا اور بے ہودہ باتیں کرنا۔ تین گناہوں کا تعلق انسانی دل سے ہے مثلاً حسد، نفرت اور جہالت۔ ان کے لیے روزے رکھتے ہیں تاکہ وہ دور ہو جائیں اور پاک وصاف ہو جائیں۔ اس کے علاوہ گھر بار کی صفائی اور اپنے اور اوزاروں کی پوجا کی جاتی ہے۔

ہندوؤں کے مذہبی مقامات و فن تعمیر

ہندو مت چند منادر ایسے متبرک مقامات ہیں جن میں لاکھوں افراد ہندو یاترا کرتے ہیں۔ اس کو دھام (گھر) کہتے ہیں۔ چار دھام اہم ہیں۔

بدری ناتھ۔ یہ شمالی ہند کے مقام پر واقع ہے۔ اس میں وشنو کی مورتیاں اور اس کے دیوتا ہیں۔ اس مندر میں تبرک کے لیے بہت اشیاء رکھی جاتی ہیں۔ ہندو عقیدہ کی رو سے وشنو کے اوتار نرائن نے ریاضتیں حاصل کی تھیں۔

دودارکہ۔ ہندوستان کے مغرب گجرات میں یہ مندر واقع ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب مہابھارت کے مطابق شری کرشن نے یہ شہر آباد کیا تھا۔ یہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے۔

جگ ناتھ پوری۔ یہ مندر ہندوستان کی ریاست اڑیسہ میں ہے۔ یہ بھی شری کرشن کا مندر ہے لیکن اس میں شری کرشن کے علاوہ ان کے بھائی اور بہنوں کی مورتیاں بھی موجود ہیں۔

رامیشورم۔ یہ شیو دیوتا کا مندر ہے جو جنوبی ہند تامل ناڈو میں ہے۔ ہندو عقیدہ کے مطابق ہندو منادر کی اندرونی ساخت اور بیرونی ساخت دونوں مذاہب کی عبادت گاہوں سے مختلف ہے۔ یہ مستطیل نما ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان عمارتوں کی مضبوطی کے لیے ستون لگائے جاتے ہیں۔ مندروں کی نقاشی جانوروں، انسانوں یا دوسری اشیاء کی تصاویر سے کی جاتی ہے۔ نقش نگاری عموماً مربع اور دائرے کی شکل میں کی جاتی ہے۔

۵۔ بدھ مت

ہندو مت ذہنی اعتبار سے صرف برہمن کا مذہب بن گیا تھا عام انسانوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ برہمن اپنی مرضی و منشاء سے قوانین بناتے اور ان پر جبراً عمل کرواتے۔ ان قوانین کی وجہ سے غریب طبقے کو دو وقت کی روٹی ملنا بھی دشوار ہو گئی تھی اس کے علاوہ برہمن نے دیدک افکار

پر بھی پابندی لگادی جس کی وجہ سے کم ذات طبقات اور شودروں نے بغاوت کر دی تا کہ برہمنوں اور حکمرانوں کے ان جار حارنہ سلوک سے نجات حاصل ہو سکے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ برہمن اپنی آسانیوں اور مفادات کی خاطر ہماری مذہبی رسومات کو ختم کیے جارہے ہیں۔ بغاوت کے دوران ان کو ایک عظیم لیڈر کی ضرورت تھی جو گوتم بدھ نے پوری کی۔ وہ ایک نیا اور منفرد مذہب لے کر آئے جو پرانے مذہب کی نفی کرنے کے ساتھ ساتھ عالم دنیا کا مذہب بن گیا، اس کو بدھ مت کا نام دیا گیا اور یہ دنیا کا اہم اور قدیم ترین مذہب ہے۔ یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں رائج ہوا۔

گوتم بدھ

اس صوفیانہ مذہب کے بانی گوتم بدھ ہیں اور اس کی پیدائش موجودہ نیپال میں ہوئی۔ پیدائش کے چند روز بعد والدہ کا انتقال ہو گیا تو آپ کی پرورش کی ذمہ داری خالہ مہاراجہ گوتمی نے لی۔ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ گوتم بدھ کا اصل نام سدھارتھ تھا، آپ کا مزاج شروع ہی سے سنجیدہ اور امن پسند تھا اور تھوڑے عرصے میں آپ نے اپنا تعلیمی سفر مکمل کر لیا۔ علم میں اضافے کی بدولت طبیعت میں زیادہ سنجیدگی اور متانت دکھائی دینے لگی۔ وہ اکثر اوقات تنہائی میں بیٹھ کر مراقبہ کرتے رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں سدھارتھ کی شادی راجکماری یشودھرا سے قرار پائی۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام رہل تھا پورے محل میں بچے کی ولادت پر خوشیاں منائی گئیں ۔ گوتم کے خیال میں انسانی زندگی کے تین مرحلے ہیں بڑھاپا، بیماری اور موت۔ گوتم کے دل میں یہ افکار و خیالات جنم لیتے ہیں کہ انسان ایک دن بوڑھا ہو جاتا ہے، بیمار ہوتا ہے اور موت آجاتی ہے۔ دنیا کی محبت عارضی ہے اصل سکون و اطمنیان یاد الہی میں ہے انہی الفاظ کی روشنی میں محمد یوسف خان یوں لکھتے ہیں:

> "گوتم بدھ ان تمام امور پر غور و فکر کرتا رہا اور دنیا کی محبت سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا اور وہ سوچنے لگا کہ وہ بھی اس بزرگ کی طرح دنیا اور تمام آسائشوں کو ترک کر کے یاد خداوندی میں مصروف ہو جائے تا کہ اسے بھی سکون و اطمینان کی یہ دولت حاصل ہو جائے لیکن اس کے لیے اس نے جو طریقہ اختیار کیا بد قسمتی سے اسے وحی الہی کی تائید حاصل نہ تھی اس لیے وہ گمراہ ہو گیا۔(۳۸)

گوتم بدھ کے ذہن میں وہی سوالات اور وہی حالات واقعات گردش کر رہے تھے۔ آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دنیا کی تمام آسائشیں و آرام، خوشیاں اور نعمتوں کو ترک کر کے ایک راہبانہ زندگی بسر کرے۔ یہ دنیا چند روز

کی ہے یہ خوشیاں، یہ دولت کی ریل پیل بھی عارضی ہے۔ یہی سوچ کر تمام شاہی ملبوسات کو لوٹ کر اور اپنے والد اور بیوی بچے پر الوداعی نگاہ ڈالی اور آدھی رات کو گھر سے ہجرت کی۔ بدھی اصطلاح میں اس ہجرت کو مہاتیاک (ترک عظیم) کا نام دیا گیا ہے۔ ہجرت کے بعد اس کو بہت سے مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑا، جنگل میں جا کر مراقبہ کیا اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ سخت سے سخت مشکلات کو برداشت کیا تا کہ دیدار خداوندی نصیب ہو جائے۔ بالاخر ایک دن دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہوا جو کہ قلبی سکون کا باعث بنا۔ تھوڑے عرصے کے بعد گوتم بدھ نے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا، ہزاروں کی تعداد میں اس کے پیروکار بن گے اور یہیں سے بدھ مت کا آغاز ہوا۔ اس مذہب کی تبلیغ کرنے والے کو بھکشو کہا جاتا ہے۔

گوتم بدھ نے اکیس (۲۱) سال اس کی تبلیغ میں صرف کیے بالاخر ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی بنیاد فلسفہ پر رکھی۔ بدھ مت کے مذہب میں دکھ بنیادی مقصد قرار دیا۔ گوتم کے نظریے کے مطابق دکھ کے خاتمہ کا واحد فلسفہ ہے اس نے دکھ میں تین اہم وجوہات کو سامنے لایا ہے۔ (۱) دکھ کیا ہے (۲) ہر انسان کے دکھی رہنے کی وجہ کیا ہے (۳) اسکا خاتمہ کیسے کیا جائے۔ تو اس نے ان سب چیزوں کا ایک ہی حل نکالا ہے۔ وہ محبت ہے جو کہ ہر برائی کا خاتمہ کر سکتی ہے اور انسانی زندگی تبدیلی لانے کا واحد ذریعہ ہے۔ گوتم بدھ کے نزدیک اصل خوشی ہے کہ تمام مصائب کو بغیر کسی کی حق تلفی کیے، ان پر قابو پا لیا جائے اور دکھ اور مصیبت میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اس مذہب میں خدا کا تصور نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں بدھ کے فلسفہ کا ذکر آیا ہے۔ اسی حوالے سے الیگزینڈر برزن ڈاکٹر امجد علی بھٹی اپنی کتاب "بدھ مت اور اسلام" میں لکھتے ہیں :

> "قرآن مجید میں جو انجیر کا ذکر ہے (والتین ۱-۹۵:۵) وہ بھی بدھ فلسفی ہی کا حوالہ ہے کیونکہ مہاتما کو روشن ضمیری انجیر کے درخت تلے حاصل ہوا تھا۔ بعض علماء کو اس تعبیر سے اتفاق ہے اور اپنی رائے کی تائید میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ گیارھویں صدی کے مسلمان مورخ ہند البیرونی نے بدھ فلسفی کا بطور نبی ذکر کیا ہے۔ دیگر اہل علم دلیل کے آخری حصے کو رد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ البیرونی نے محض یہ تذکرہ کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگ بدھ فلسفی کو نبی سمجھتے ہیں۔" (۳۹)

اہل کتاب کی نظر میں بدھ مذہب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اقدامات جو انسان اپنا یا کر دوسروں کو دکھوں، مصائب اور پریشانیوں سے نجات دلانے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو دھرم کہا جاتا ہے۔ یونانی زبان

میں نوم سے تعبیر کیا۔ جس کا قانون قرآن مجید اور اہل کتاب دونوں رواداری کا درس دیتے ہیں۔ قدیم مذاہب کی مذمت اور تکذیب کر کے گوتم بدھ نے ایک نئے اور منفرد مذہب کا آغاز کیا جو کہ اخلاقیات پر مبنی ہے اخلاقیات کے چار بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ کپنا شفقت و محبت
۲۔ منتری یعنی انسان دوستی
۳۔ مدتیا یعنی ہمدردی
۴۔ اپیکشا یعنی عاجزی، انکساری، غیر جانبداری اور ذات میں نفی

ان اصولوں کی بدولت معاشرے میں نئی نئی تبدیلیوں رونما ہوئیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہندومت صرف برہمن ذات تک مخصوص ہو جائے۔ جس کی بناء پر معاشرے میں تضادات اور ناانصافیاں پروان چڑھیں اور عام انسانوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ برہمن اپنی مرضی کے قوانین بناتے تھے۔ جو ان کے مفاد میں ہوتے۔ مذہبی رسومات اور قربانیوں کو نظر انداز کا جارہا تھا۔ جب گوتم بدھ نے ان کی نفی کی ایک منفرد اور جدید مذہب قائم کیا جو اخلاقیات کے اعلی اصولوں پر مبنی تھا تو لوگ نے اس کی پیروی شروع کر دی اور آہستہ آہستہ یہ ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔ بدھ مت ترقی کے اصول و حقائق کے حوالے سے ڈاکٹر لیبان رقمطراز ہیں۔

> "بدھ مذہب کے چار اُصولی حقائق: اے راہبو یہ ہے وہ چار محترم حقائق۔ اوّل دنیوی مصیبت۔ دوم، دنیوی مصیبت کی جڑ۔ سوم، دنیوی مصیبت کا معدوم ہونا۔ چہارم، دنیوی مصیبت کو معدوم کرنے کا طریقہ۔

”دنیوی مصیبت کیا چیز ہے؟ اصل پیدائش دنیوی مصیبت ہے بڑھاپہ، بیماری، موت۔ ان سے دور ہونا جن سے ہم محبت رکھتے ہیں اور ان سے ملنا جن سے ہم نفرت رکھتے ہیں۔ اسی کا نام دنیوی مصیبت ہے۔ انسان ہر چیز کی خواہش کرتا ہے اور کوشش کے ساتھ بھی اُسے نہیں پاتا۔ یہ دنیوی مصیبت ہے عرض وہ چیزیں جو حواس خمسہ ہوتی ہیں۔ دنیوی مصیبت ہیں۔"

"دنیوی مصیبت کو معدوم کرنا کیا ہِے؟ شہوت نفسانی کو ٹھنڈا کرنا اور اُس خواہش کو معدوم کر دینا جو ہر وقت تازہ ہو جاتی ہے اور حظ نفسانی شدت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس چیز سے لذت حاصل کرتی ہے اور پھر پیدا ہوتی۔ اور بجھتی ہے یہ ہے دنیوی مصیبت کا دور کرنا۔"

> "اور وہ طریقہ کون سا ہے جس سے دنیوی مصیبت معدوم ہو جاتی ہے۔ یہ وہ محترم طریقہ ہے جس کے آٹھ حصے ہیں۔ بصیرت کامل سے لے کر مراقبہ کامل تک یہ ہے حقیقت اس طریقہ کی جس سے دنیوی مصیبت معدوم ہو جاتی ہے۔" (۴۰)

نظریہ دکھ بدھ مت کے اصول و نظریات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک بات واضح ہوتی ہے۔ بدھ مذہب روحانی نشو و نما اور تزکیہ نفس کا نچوڑ ہے۔ بدھ کے نظریے میں سب سے بڑا نظریہ دکھ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے انسان خواہشات اور پریشانی کے بغیر پاکبازی کی زندگی بسر کریں اور پوری انسانیت کو مصائب اور دکھوں سے دور رکھنا، بڑھاپا، بیماری اور موت یہ دکھ انسان کے ساتھ روز اول سے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان دکھوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہی الفاظ کو مد نظر رکھتے ہوئے لیوس موریوں لکھتے ہیں:

> "یہ واضح ترین صداقت ہے اس لیے ان کا نام "آریائی ست" رکھا ہے۔ بدھ نے کہا بھکشوو! یہی دکھ ہے، یہ اولین سچائی ہے۔ پیدائش بھی دکھ، بیماری بھی دکھ، موت بھی دکھ اور مرض بھی دکھ۔" (۴۱)

بدھ کا اہم ترین نظریہ یہ ہے کہ درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے۔ ان کے نزدیک نہ تو دنیاوی عیش و عشرت میں محو ہو جائے اور نہ ہی عسرت و تنگی میں مبتلا ہو جائے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرنا ہی ایک سہل اور آسان حل ہے۔ بدھ دنیا میں دکھائی دینے تمام اشیاء ناپائیدار اور بے روح تصور کرتے ہیں۔ بدھ مت میں ایک نظریہ بھی ہے کہ خواہشات کا مکمل خاتمہ کر کے دکھ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اسکو نروان کہتے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک نظریہ ناخدا پرستی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ خدا کی عبادت کے بغیر بھی نجات مل سکتی ہے۔ نہ وہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ نظریہ عمل: بدھ کا اہم بنیادی نظریہ ہے۔ وہ عمل ہی سے زندگی کو تصور کرتے ہیں۔ چونکہ اس میں اچھائی اور برائی کا دراومدار ہوتا ہے۔ جیسا عمل ہو گا ویسا ہی پھل بھی ملتا ہے۔ اسے کرم کا نظریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی تائید علامہ نیاز فتح پوری یوں لکھتے ہیں۔

> "کرم کا نظریہ یعنی انسان کا دوسرا جنم اس زندگی کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ اس زندگی کسی کے اچھے اعمال ہیں تو دوسرا جنم اس سے بہتر حالت میں پیدا ہو گا اور اگر خراب ہو تو اس سے بھی سقیم حالت میں۔" (۴۲)

"آواگون کا نظریہ" بدھ کا اہم ترین نظریہ ہے انسان پیدا ہونے کے بعد ایک دن دینافانی اسے کوچ کرنا ہے۔ بدھ کا یہ نظریہ ہے انسان مرنے کے بعد دوبارہ جنم لیتا ہے۔ اور زندگی اور موت کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے تاکہ اس کو نرمان حاصل ہو۔ اس نظریہ کو آواگون کا نظریہ کہتے ہیں ان تمام نظریات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بدھ مذہب کو کوئی انعام تو حاصل تو نہیں ہوا۔ لیکن اس کا انعام بھلائی ہی ہے۔ شانتی اور نیکی بدھوں کے لیے جنت اور نروان ہے۔

بدھ مت کی مذہبی کتب

یہ بات عیاں ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی کتاب تحریر نہیں کی بلکہ تبلیغ کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچایا۔ گوتم بدھ کی وفات کے صدیوں بعد ان کے شاگردوں نے اپنے استاد سے تقاریر سن کر ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے اور کئی کتب مذہبی امور پر تحریر کیں اور ان کے نام یہ ہیں۔

تری پٹیک (تین ٹوکریاں): ابتداء یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل تھی۔ ناپاپیٹیکا اور ستاپٹیکا بعد میں ایک اور حصّہ بھی شامل کر دیا۔ جسے بی پٹیکا سے بھی کہا جاتا ہے۔ ان تینوں حصّوں کو یکجا کر کے ایک کتابی شکل دے دی اور تری پٹیکا (یعنی تین ٹوکریاں) کے نام سے یہ کتاب مشہور ہے۔ ابتداء میں اس کتاب کو پالی زبان میں تحریر کیا گیا مذہب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ ہندوستان کی کئی زبانوں میں کیا گیا۔ انھی الفاظ کی روشنی میں ڈاکٹر آسیہ رشید / حافظ شارق یوں لکھتے ہیں:

> ۱. ”پہلی پٹک (ٹوکری) کا نام دینائے یعنی ہدایات کی ٹوکری ہے۔ یہ پٹک تین ضخیم کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تالیف 360-۲۵۰BC کے دور کی بتائی جاتی ہے۔ اگرچہ عوام اسے بدھ کی تعلیمات مانتی ہے۔ لیکن بعض علماء کے مطابق یہ گوتم بدھ کی شاگرد اپالی کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ اس مجلس میں انھوں نے یہ سنائی تھی۔ اس حصّے میں وہ اصول و ضوابط ہیں جو گوتم بدھ پروہتوں کے لیے مقرر کیے تھے۔
>
> ۲. دوسری ٹوکری سٹاپٹک (پالی زبان میں) کہلاتی ہے۔ جس میں بدھ مت کے عام پیروں کاروں کے لیے زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔ یہ پٹک بھی کئی ذیلی کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ پٹک مجلس میں گوتم کے مشہور

شاگرد انند نے حاضرین کو سنائی۔ گوتم بدھ کی زندگی حالات زندگی پر بھی یہ کتاب روشنی ڈالتی ہے۔

۳. تیسری ٹوکری کا نام "ابھی دھماپٹک" ہے۔ جس میں نصف درجن سے زائد کتابیں شامل ہیں۔ اس پٹک میں ہمیں بدھ مت کے فلسفہ اخلاق اور مابعد الطبیعیات پر مبنی تعلیمات ملتی ہیں۔

۴. "تری پٹک اپنی اصل زبان پالی میں مکمل طور پر پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ میں تھائی لینڈ میں شائع ہوئی۔ اس سے پہلے چینی، تبتی، جاپانی، کورین اور دیگر مقامی زبانوں میں شائع ہوتی رہی تھی۔"(۴۳)

اس میں بدھ مت کے اخلاقی اور مذہبی اصول کا موجود ہونے کے ساتھ ساتھ بدھی تعلیمات کا نچوڑ بھی موجود ہے۔

جتکاس: یہ بدھ مت کی ایک مقدس کتاب ہے۔ جس میں گوتم بدھ کی زندگی کے مختلف روپ اور جنم کا ذکر ہے۔ گوتم بدھ نے ۵۳۵ بار جنم لئے وہ دیوتا کی صورت میں ۴۲ بار، بادشاہ کی صورت میں ۸۵ بار، انھوں نے ۲۴ بار شہزادوں کے روپ دھارے، ۲۲ مرتبہ علماء کی صورت میں ۱۴ مرتبہ غلام، ایک مرتبہ جواری کی صورت میں بھی اس دنیا میں پیدا ہوئے ہر جنم میں ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ عاقل ہی رہے۔ بودھ ہونے یعنی حقائق سے آگاہی پانے کے بعد نروان میں داخل ہو گئے۔

للت وستارہ (Lalitovistara): یہ بدھ کی ایک پاکیزہ اور مقدس کتاب ہے۔ بدھ مت کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ بھکشوؤں کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور عوام پر اتنی توجہ نہیں دیتے۔ جس کی وجہ بدھ مت زوال کا شکار بھی ہوا۔ ہندوستان سے یہ مذہب ختم ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ ان مصالحانہ رویہ اور دوسرا برہمن مذہب کی خامی یہ ہے لوگوں نے اس مذہب کو اختیار کر لیا۔ اسکے علاوہ ہندوؤں نے کے ظالمانہ سلوک کی بناء پر یہ مذہب نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم نہ جما سکا۔ بدھ مت کے پیروکار کی تعداد پوری دنیا میں تقریبا تین کروڑ کے قریب ہے اوران کے تمام فرقوں کو شمار کر کے پچاس کروڑ ہے۔ یہ زیادہ تر چین، کوریا، سنگاپور اور جاپان میں آباد ہیں۔

بدھ مت کے عقائد:

بدھ مت کی مذہبی تعلیمات میں خدا کا تصور نہیں ہے۔ لیکن گوتم کے بعض تذکروں میں خدا کا تصور موجود ہے۔ جو ایسانا کے نام سے ملتا ہے " اشوک "جو کہ گوتم بدھ کا شاگرد تھا اس نے کتبے دریافت کیے جس میں خدا کا تصور اور اس کی ہستی کا اقرار کرنا اور اسکی اطاعت ور فرماں برداری کا ذکر موجود ہے۔ اس کتبے میں فرشتوں، روح، قیامت، زندگی اور موت کا بھی واضح ذکر موجود ہے۔ فرشتوں کے حوالے سے بدھ مت کا عقیدہ یہ ہے ان کے جیسی صفات کسی اور میں نہیں ہے۔ گوتم بدھ کا ایک کتبے اشوک نے دریافت کیا۔ اس پر واضح تحریر ہے کہ گوتم بدھ دیوتاؤں کا قائل تھا لیکن اس کی کیفیات ہندوؤں سے الگ تھی۔

بدھ مت کے اقدار:

بدھ مذہب میں کھانے پینے کی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ سبزی زیادہ پسند کرتے ہیں اور خود کاشت کرنے کے شوقین ہیں۔ وہ اپنی خوراک کی خاطر کیڑے مکوڑے اور جانور کو نقصان نہیں دیتے۔ گوشت اگر مہمان کی خاطر بناتے تو اس جانور جس کی ذبح کیا اس کے اظہار تشکر کرتے اور اگلے جنم کی بہتری کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ بدھ مذہب میں شراب کا ایک قطرہ بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ عبادت نظم وضبط اور تزکیہ نفس پر مبنی ہے۔ شراب پینے سے ساری تربیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ اس لیے گوتم بدھ نے چوری، زنا اور تمام نشہ آور چیزوں سے منع کیا۔ اس کے علاوہ حرام چیزوں سے اجتناب اور حلال چیزوں کا استعمال کرتے ہیں۔ بدھ مذہب میں انسان کی اگر موت واقع ہو جائے تو اس کو باقاعدہ زمین میں دفن کر کے اس کے اوپر مٹی ڈال کر برابر کرتے پھر اس کے اوپر ایک گول کتبہ نصب کرتے۔

بدھ مت کے مذہبی مقامات وفن تعمیر

بدھ مت کے مقدس مقامات میں اسٹوپا ہے جو پاکستان کے علاقے سندھ میں ضلع دوار تحصیل جوبی میں ہے۔ اسٹوپا کی تعمیر کچی مٹی اور اینٹوں سے کی گئی ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً ۵۰ فٹ اور چوڑائی ۳۰ فٹ ہے۔

۶۔ جین مت

چھٹی صدی قبل مسیح ہندومت کے خلاف دو احتجاجی تحریکیں منظر عام پر آئیں۔ وہ جین مت اور بدھ مت تھے۔ جھنوں نے ویدک ادب اور برہمن کی تعلیمات میں وید کی الہامی اہمیت کو مسترد کیا اور نروان کو

متبادل معنی میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں ذات پات کے نظام کو ختم کیا اور نئے مذاہب کا رائج ہوا۔ ان نئے مذاہب میں جین مت سب سے پہلا مذہب ہے جو کہ مذہب ہندومت کو ایک فرقہ تصور کرتا ہے۔

جین کا لفظ جنا سے نکلا ہے جس کا مطلب فاتح اور غالب کے ہیں۔ اس مذہب کو ماننے والوں کا دعوی ہے کہ یہ مذہب ازل سے ابد تک کا ہے۔ یہ لوگ اپنے جذبات اور خواہشات پر مکمل طور پر قابو پا کر جین مت کی پیروی کرتے ہیں۔۔ جین مت کے بانی میں پرسوناتھ نامی پہلا مصلح شخص تھا جس نے اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ اس مذہب کی تشکیل تقریباً تیس لوگ آتے ہیں اور موجودہ جین مت کا بانی مہاویر کو مانا جاتا ہے۔ جینیوں کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مہاویر بانی نہیں بلکہ ایک مجدد شخصیت ہے۔ مہاویر کا تعلق ایک کھشتری خاندان سے تھا، اس کا اصل نام "وردھمان" تھا اور والد کا نام سرھاوتہ تھا۔ مہاویر نے ابتدائی زندگی بڑی شان و شوکت سے گزری۔ اُنیس (۱۹) سال کی عمر میں یشودھا سے اُنکی شادی ہوئی اور ان سے ان کی ایک بیٹی ہوئی۔ ۲۸ سال کی عمر میں والدین اس دنیا فانی سے چل بسے۔ ۳۰ سال کی عمر میں اپنے بھائی کی اجازت سے ہندومت کو چھوڑ کر راہبانہ زندگی اختیار کرلی۔ مہاویر اپنے خاندان، بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر مراقبہ شروع کر دیا۔ نروان کی جستجو میں بارہ سال مسلسل کوشش کی بالاخر ۴۲ سال کی عمر میں نروان حاصل ہو گیا اور وہ ایک نئے مذہب کے بانی قرار پائے۔ آج بھی جین مت کے پیرکار مہاویر کے اصولوں پر ہی عمل کرتے ہیں۔ لیوس مور مہاویر کی حالات زندگی کے حوالے سے چند واقعات یوں بیان کرتے ہیں۔

> "مہاویر کے حالات زندگی کے اس دور متعلقہ داستانیں اُس کی اپنے اوپر عائد کردہ شدید ریاضت پر زور دیتی ہیں۔ چونکہ وہ لوگوں یا اشیاء کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھنا چاہتا تھا لہذا وہ جہاں بھی گیا وہاں ایک جگہ پر ایک سے زیادہ رات کبھی قیام نہ کیا۔ برسات کے موسم میں وہ سڑکوں پر نکلنے سے پرہیز کرتا تاکہ کہیں نادانستہ طور پر اس کے قدموں کے نیچے کوئی کیڑا نہ آجائے۔ خشک موسم میں وہ کیڑے مکوڑوں کے کچلے جانے سے محفوظ رہنے کے لیے چلتے ہوئے اپنے سامنے سڑک پر جھاڑو دیتا جاتا۔ وہ اپنے پینے والے پانی کو چھان لیتا تاکہ اس کے اندر موجود کسی بھی کیڑے وغیرہ کو نگلنے سے محفوظ رہ سکے۔ کسی بھی حقیقی مرتاض کی طرح وہ کھانے کے لیے بھیک مانگتا۔ لیکن وہ بغیر پکا کھانا کھانے سے انکار کر دیتا اور صرف کسی دوسرے شخص کی چھوڑی ہوئی خوراک کھانے کو ترجیح دیتا تاکہ وہ خوراک کی موت کا باعث نہ بن

> جائے۔ اپنے جسم کو زیادہ بہتر طور پر اذیت دینے کے لیے وہ سردیوں میں سرد ترین اور گرم موسم میں گرم ترین مقامات کی طرف نکل جاتا اور ہمیشہ ننگا رہتا۔ جب کبھی ناراض یا غصیلے لوگ اپنے کتوں کو مہاویر کے پیچھے بھیجتے تو وہ احتجاج کی بجائے انہیں کاٹنے کی اجازت دے دیتا۔ داستانیں ایسے وقت کے بارے میں بھی بتاتی ہیں جب مہاویر مراقبے میں تھا اور بعض لوگوں نے اُس کے قریب آگ لگادی تاکہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ احتجاج کرتا ہے یا نہیں: اُس نے ایسا نہ کیا۔ ریاضیت کے بارہ مشکل ترین سالوں کے بعد اُس نے جنم، موت اور دوبارہ جنم کے غیر مختتم چکر سے موکش (نجات) حاصل کرلی۔ "(۴۴)

مہاویر نے تیس (۳۰) سال اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ کی بالاخر بہتر ۷۲ سال کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام پاوا میں فوت پاگئے۔

مقدس کتاب

جین مذہب کی مقدس کتب بہت سی ہیں۔ ان میں چند کتب بہت اہم ہے وہ یہ ہیں۔

آگم: یہ مقدس کتاب مہاویر کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس کے دو نام ہیں۔ بارہ صحائف اور آگم لیکن زیادہ تر یہ آگم کے نام سے ہی مشہور ہے۔ یہ کتاب مہاویر کے بارہ ساتھیوں نے ملکر بارہ حصّوں میں مرتب کی ہے اسی وجہ سے اس کا نام بارہ صحائف بھی پڑ گیا۔ صدیوں سے مہاویر کی یہ تعلیمات کو جینی علماء نے سینہ بہ سینہ منتقل کرتے رہے لیکن تحریر شکل میں نہ لانے کی وجہ بہت نقصان ہوا۔۔ بعض حضرات کے نزدیک قحط پڑنے سے جینی علماء کی موت واقع ہوئی جس کی وجہ سے اس کا بہت سا حصّہ ضائع ہو گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ ضائع نہیں ہوا صرف مستند کو ہی اسکا حصّہ قرار دیا۔ المختصر یہ کہ شویتامبر آگم کا اہم حصّہ بارہ انگ اور بارہ اُپانگ پر مشتمل ہیں۔

پوروا: یہ جین مت کی مقدس کتاب کا حصّہ ہے جو تیر تھنکروں کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

کلپاسترا: یہ ایک اہم کتاب ہے اس میں شوناتھ، مہاویر اور چند تیر تھنکروں کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے۔

تیور تھاستر: یہ دگمبر کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ یہ جینی فلسفہ کو سمجھنے کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے۔

جین مت کے بنیادی عقائد

جین مت کے بنیادی عقائد سات نکات پر مشتمل ہیں۔ جن کو سات تتو یا سات "حقائق" بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ سات حقائق کائنات، زندگی کے مسائل اور ان کے حل کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ ان سات حقائق کی وضاحت عماد الحسن آزاد فاروقی یوں کرتے ہیں!

"۱۔ روح (جیو) ایک حقیقت ہے۔
۲۔ غیر ذّی روح (اَجیو) بھی ایک حقیقت ہے جس کی ایک قسم مادّہ ہے۔
۳۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ (اَسرو)
۴۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ کے نتیجے میں روح مادّہ کی قیدی بن جاتی ہے۔ (بندھ)
۵۔ روح میں مادّہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے۔ (سمورا)
۶۔ روح میں پہلے سے موجود مادّہ کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ (نرِجَرا)
۷۔ روح کی مادّہ سے مکمل علاحدگی کے بعد موکش حاصل ہو سکتا ہے۔"(۴۵)

ان اصولوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جین کے فلسفہ کے مطابق کائنات کی ایک حقیقت نہیں بلکہ اس مختلف صورتیں ہیں۔ جن میں دو زیادہ اہم ہیں۔ (۱) روح (۲) غیر ذی روح

روح: فطری لحاظ سے روح اعلیٰ اوصاف پر مبنی ہے اور یہ کرم اور آواگون سے مختلف ہے۔ جین مت میں خدا کا تصور موجود نہیں ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک روح نہیں متعدد ارواح ہیں۔ فطری طور پر روح علم و شعور، جذبہ احساس، نورانی جلوہ، طہارت و پاکیزگی، ابدیت اور دوسری تمام اعلیٰ صفات کی حامل ہے اور ہر ایک اپنی جگہ مستقل، آزاد اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔

غیر ذی روح: یہ بھی کائنات میں ازلی حیثیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اس میں ارواح کی تعداد کا شمار نہیں کیا جا سکتا چونکہ یہ پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ بنیادی طور پر غیر ذی روح صرف پانچ ہیں۔ اس کی وضاحت میں ایم اسماعیل یوں لکھتے ہیں:

> "غیر ذی روح جو بنیادی اعتبار سے پانچ ہیں۔ درج ذیل ہیں۔
>
> ۱۔ پہلی چیز مادہ (پدگل) ہے۔ جو اپنی مختلف شکلوں میں کائنات میں ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے۔
>
> ۲۔ دنیا کی ٹھوس اور قابل محسوس اشیاء اس کے مخصوص نمائندے ہیں۔

۳۔ دھرم کو کائنات میں موجود اصول حرکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ غیر ذی روح ایک خارجہ حقیقت ہے جو تمام اشیاء کے لئے جگہ فراہم کرتی ہے۔

۵۔ کال یا "وقت" بھی غیر ذی روح کی ایک قسم ہے۔ جو فضا کے دائرہ سے باہر ہے۔"(۴۶)

اس سے ثابت ہوا کہ جینی مذہب میں روح اور غیر ذی روح کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ جین مت کی رسومات ہندو سے ملتی ہیں۔

جین مت کے مذہبی مقامات و فن تعمیر:

جین مت کے مقدس مقامات میں سماتا کا پہاڑ ہے، اس پر مہاویر کا انتقال ہوا تھا۔ کوہ آبو راجستھان، شراون بیلا گولہ اور گومٹھیشور کرناٹک مجسمہ ہے۔ جین مت کے مندروں کی تعمیر مختلف ڈیزائنوں میں کی گئی ہے۔ بعض مندر گنبد والے اور بعض بغیر گنبد کے ہیں مثلاً شیکھر (گنبد) والے جبن مندر اور گھر جبن مندر اس کا گنبد نہیں ہے۔ "گریھ گریہا" مندر کا اہم حصہ ہے۔ یہاں پر بھگوان پر تیا اور استھاپنا کی جاتی ہے۔

۵۔ سکھ مت

سکھ مت کا شمار دنیا کے جدید مذاہب میں ہوتا ہے اور اسکی ابتداء سولہویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ بدھ مت اور جین مت کی طرح یہ بھی ہندو مت کا ہی ماخذ ہے لیکن اس کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے سے الہامی مذاہب (اسلام، عیسائیت) کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اسی نسبت سے اسکو توحیدی مذاہب بھی کہتے ہیں۔ سکھ پنجابی کا لفظ ہے، سنسکرت سے آیا ہے اور اس کے معنی سیکھنے کے ہیں۔ سکھ مذہب کے حوالے یہ بھی خیال کی جاتا ہے کہ یہ مذہب نہیں ہے بلکہ ایک اصلاحی تحریک ہے۔ یہ ایک جدید اور خود مختار مذہب ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ مذہب ہندوؤں کے عقائد اور نظریات کا مجموعہ ہے، بعض مفکرین کی رائے یہ اس مذہب میں اسلام کے عناصر شامل ہیں۔ اگرچہ مذہب اقلیت میں ہے لیکن اس کی زیادہ آبادی ہندوستان میں ہے۔ سکھ مت کے بانی گرونانک ہیں۔ سکھوں کی روایات کے مطابق تیس سال کی عمر میں گورنانک کو دیدار خداوندی نصیب ہوا اور اس کے بعد بطور پیغمبر منتخب ہوئے۔ اسی حوالے لیوس موریوں رقمطراز ہیں۔

> "سلطان پور میں اپنے قیام کے دوران تیس برس کی عمر میں نانک نے خدا کی طرف سے اپنی زندگی کو بدلنے کو کشف حاصل کیا۔ بعض داستانوں کے مطابق جنگل میں مراقبے کے دوران خدا نے اُن سے بات کی۔ کشف میں پیغام دیا گیا تھا کہ نانک کو ایک سچے مذہب کے پیغمبر کے طور پر منتخب کر لیا گیا ہے۔ اُن کا پیغام تھا' "کوئی مسلمان ہے اور نہ کوئی ہندو۔ لہذا وہ ان دو مذاہب کے درمیان اتحاد کی تبلیغ کرتے ہوئے دربدر گھومنے والا سنیاسی بن گئے۔ اپنے مستقل ساتھی مردانا کے ہمراہ نانک اس نئی تعلیم کا مبلغ بن گئے۔ دونوں اسلام اور ہندومت کے بنیادی اتحاد کی تبلیغ کرتے ہوئے اگلی کئی دہائیوں تک ہندوستان میں سفر کرتے رہے۔" (۴۷)

گرونانک نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہم آہنگی کی فضا کو پروان چڑھایا۔ یہ فضا ان کی موت تک برقرار رہی ان کی لاش پر بھی انکشاف ہوا مسلمان کا مطالبہ تھا ان کو دفن کیا جائے اور ہندوؤں کہتے تھے کہ ان کو جلایا جائے اسی لڑائی کے حوالے لیوس مور اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں۔

> "ہندو الاصل لوگوں نے نانک کو جلانے کا منصوبہ بنایا جبکہ مسلمانوں نے اُنہیں دفن کرنے کی خواہش کی۔ اس جھگڑے سے آگاہ نانک نے درخواست کی کہ ہر گروہ اُس کے پاس پھول رکھے اور جس گروہ کے پھول اگلے دن تک تازہ ہونگے وہ اُن کے جسم کا حقدار ہو گا۔ جب دونوں فریق رضامند ہو گئے اور ان کے پہلو میں پھول رکھ دیئے تو نانک نے خود ایک چادر میں لپیٹا اور اگلے جہاں سدھار گئے۔ اگلی صبح جب چادر ہٹائی گئی تو "بھائیوں" نے دیکھا کہ دونوں فریقوں کے پھول تازہ تھے مگر نانک کا جسم غائب تھا۔ لہذا اس داستان کے مطابق پر امن اور محبت کرنے والے نانک نے مرتے دم تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔" (۴۸)

گرونانک نے ۱۵۳۹ء میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد "انگد" جو کہ مرید خاص تھا جانشین مقرر ہوئے۔ اس کے بعد امرداس یہ کام سونپ گیا۔ امرداس کے بعد ان کے داماد رام داس و جانشین نامزد ہوئے۔ اس طرح یہ سلسلہ گرو گووند سنگھ تک جاری رہا۔ گرو گووند سنگھ نے وصیت کی کہ اب کسی کو جانشین نامزد نہیں کیا جائے۔ گرنتھ کو گرو تصور کیا جائے اور خدا کو واحد محافظ قرار دیا جائے۔

سکھ مت کی مذہبی کتب

گرنتھ سکھ مذہب کی مقدس کتاب ہے۔ اس کتاب کو گرو ارجن اور گرو گووند نے ترتیب دی ہے۔ یہ مکمل طور پر نظم کی ہی صورت میں لکھی گئی ہے اور یہ منظوم کلام قدیم ہندی رسم الخط میں گرمکھی میں ہے۔ اس کا پہلا حصّہ کو آدمی گرنتھ اور دوسرے حصّے کو "دسم گرنتھ" کہتے ہیں۔ گرنتھ کے کل اشعار ۳۳۸۴ ہیں۔ یہ سائز میں تک "رگ وید" سے تقریباً تین گنا بڑی ہے اور اس کے بعض اشعار قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔

مذہبی عقائد

سکھ مت کے بنیادی طور پر توحید، تناسخ اور کرم کے عقائد کا قائل ہیں۔ خدا کے حوالے سے سکھوں کی مقدس کتاب (گرنتھ) میں درج ہے، وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے ہاں بھی ملتا ہے لیکن فرق سکھ خدا کو گرو کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے علاوہ سکھ مذہب پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

ا۔ کیس (بال) ۲۔ کنگھا ۳۔ کڑا (ہاتھ میں پہننا کا) ۴۔ کچھا ۵۔ کرپان

یہ پنج ککے یا پانچ ککار کے نام سے بھی مشہور ہے۔

سکھ مت کی مذہبی رسومات

سکھ مت کی بے شمار رسومات ہیں۔ ان میں بعض رسومات ان کے مذہب کا جز ہیں اگر یہ نہیں تو کوئی شخص سکھ مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔ اس مذہب میں ضروری نہیں کہ وہ سکھوں کے خاندان میں پیدا ہوا ہو بلکہ ایک رسم ہے جس کو ادا کرنے کو بعد وہ سکھ مذہب اختیار کر سکتا ہے

وہ رسم یہ ہے ایک پیالہ میں میٹھا پانی ڈال کر پان پھیری جائے اور نئے سکھ کو عقائد کی تعلیم دیتے وقت اس پانی چھینٹے مارتے جائے۔ اس رسم کو پاہل کہتے ہیں۔

سکھ میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ صبح سویرے غسل کر کے مخصوص بھجن گاتے ہیں اور مخصوص دعاؤں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رات کو بھی ایک مخصوص رسم ہوتی ہے وہ اسی طرح بھجن اور دعائیں کا اجتماعی طور پر اہتمام کی جاتا ہے۔ سکھ میں ذات پات کا اختلاف نہیں مرد اور عورت مل کی عبادت کرتے ہیں۔ سکھ مذہب شادی و بیاہ اور دیگر تقریب کی رسومات سادہ ہوتی ہیں۔ شادی بیاہ کی رسومات کا انداز ہر قبائل کا اپنا اپنا ہے۔ سکھوں کی رسومات بھی مذہب سے الگ نہیں ہیں۔ دولہا دلہن کو گھوڑی پر سوار

کر کے گھر روانہ ہوتے ہیں اور برات بھی ساتھ ان کے ہوتی ہے۔ گرنتھ میں ایسے اشعار ملتے ہیں جو کہ اس منظر کو پیش کرتے ہیں۔

مذہبی تہوار

سکھ میں بہت سے مذہبی تہوار ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

ماگھی : ۱۴ جنوری کو سکھوں نے مغلوں کے خلاف جنگ لڑی۔ اس دن کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ماگھی کے نام سے تہوار مناتے ہیں۔

ہولہ محلہ: یہ سکھوں کا سالانہ تہوار ہے۔ اس کو سب سے پہلے گرو بند سنگھ نے منایا اور یہ جلوس کئی دن تک جاری رہتا ہے۔ اس میں سیاہ بکروں کی قربانی دی جاتی ہے۔

بیساکھی: ۱۳ اپریل ۱۶۹۹ء میں دسویں گرو کی سالگرہ کے لیے منایا جاتا ہے۔ پھالیہ پر کاش شری گرو یکم ستمبر کو یہ دن گرو نانک کے لیے منایا جاتا ہے۔ سکھ گرو نانک معبود خیال کرتے ہیں اور اس کے تمام خیالات، جذبات اور تصورات کو مقدس جانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یکم ستمبر کو گرو نانک عشق خداوندی کے جذبہ سے سرشار ہوئے، وہ خدا کو حقیقی معبود سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے وہ ان کو اپنے جانشین سے بھی رکھتا تھا۔

مذہبی مقامات و فن تعمیر

سکھوں کی عبادت گاہ کو "گوردوارہ" کہتے ہیں۔ جہاں سکھ مذہب کے لوگ اجتماعی طور پر گرنتھ کو پڑھتے ہیں۔ وہ اس کو مقدس مقامات کا درجہ دیتے ہیں۔ پنجاب کے بیشتر علاقوں میں سکھوں کے گورِوادے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے امرتسر، گورداس پور اور فیروز پور کے اضلاع میں جو گوردوارے ہیں ان کو بہت شہرت ملی۔ سکھوں کی عبادت کا خصوصی مرکز "گولڈن ٹمپل آف امرتسر" ہے۔ امرتسر کا یہ طلائی مندر سکھوں کی نظر میں سب سے زیادہ مقدس ہے۔ چونکہ گرو نانک کی جائے پیدائش ہے۔ (یعنی ننکانہ صاحب میں) ہر سکھ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ زندگی ایک بار اس گوردوارے میں لازمی طور پر حاضر ہو۔

د۔ اُردو سفر نامہ تاریخ و ارتقاء:

سفر اور انسانی زندگی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ایک انسان جب سفر کرنے کی تیاری کرتا ہے قیام و سفر کے مابین جو منازل آتے ہیں وہ ان کو بڑے ذوق و شوق کے ساتھ طے کرتا ہے۔ وہ سفر کی نوعیت، کیفیات، مشاہدات، تجربات کے ساتھ ساتھ سفر اور اس کی منازل کو ماپنے اور پرکھنے کی صلاحیت بھی رکھتا

ہے۔ جب یہ مرحلہ طے پاتا ہے تو مسافر کی ذات کھل کر سامنے آتی ہے۔ جس سے وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اپنے آپ کو سفر پر آمادہ کرتا ہے۔ اس طرح مسافر کا مسافت کے ساتھ ایک بندھن باندھ دیتا ہے اور پھر مسافر سفر کا وقت اور تاریخ متعین کرتا ہے۔ سفر کے آغاز پر مسافر کو نئے مناظر، نئے راستوں اور نئی دنیاوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے تو زندگی میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے۔ ارتقائی عمل میں تیزی کے باعث مسافر کندن بن جاتا ہے۔ پھر جب ارتقائی منازل کو طے کرنے کے بعد واپس نقطہ آغاز پر آتا ہے تو کندن بننے کی صلاحیت کی وضاحت طلب کی جاتی ہے تو وہ روداد سفر کے تقاضے کے بیان کرنے پر زور دیتا ہے تو سفر نامہ وجود میں آتا ہے۔ جس طرح دوسری زبانوں میں سفر کی روداد مختلف انداز و اطوار سے بیان کی گئی ہیں اسی طرح اردو زبان میں بھی یہ روایت عربی، فارسی اور انگریزی سے آئی۔ اردو سفر نامہ نئے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا رہا۔ زبان و بیان کا ہر نیا اسلوب سفر نامے کو ادب کے قریب تر کرتا رہا جس کی بدولت تاریخ میں سفر نامے کا اردو ادب میں ایک خاص مقام متعین ہوا جو کہ بعد میں ایک صنف ادب بن گیا۔

اردو کا پہلا سفر نامہ نگار یوسف خان کمبل پوش ہے۔ بعد ازاں نواب کریم خان، شبلی، سر سید احمد خان، نواب محمد عمر اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کا شمار قدیم سفر نامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ بعد میں جدید سفر نامہ نگاروں نے اس صنف کو مزید تقویت بخشی۔

اُردو سفر نامہ (ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک)

اُردو سفر نامے کا باقاعدہ آغاز یوسف خان کمبل پوش سے ہوا۔ اس کا سفر نامہ "عجائبات فرنگ" ہے جس کی اشاعت ۱۸۴۷ء میں ہوئی۔ یہ اُردو کا پہلا مطبوعہ سفر نامہ ہے۔ یوسف خان کمبل پوش نے اپنے سفر کا آغاز نہ تو کسی کاروباری غرض سے کیا اور نہ ہی کسی مذہبی یا سیاسی مقصد کے لیے کیا بلکہ اس سفر نامے کا مقصد ذوق سیاحت کی تسکین ہے۔ جس کی بناء پر انھوں نے لندن کا سفر کیا۔ اس سفر نامے میں انھوں نے لندن کی عمارت، طرز و بود باش اور تاریخی مقامات کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس سفر نامے کی اہم بات یہ تھی کہ ہندوستان اور یورپ کے معاشرتی امتیازات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کمبل پوش کے تاثرات یورپی معاشرت کے حوالے سے مسرور کن نہیں ہیں۔ اس سفر نامے کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ سفر نامہ نگار نے دوران سیاحت جو کچھ بھی دیکھا وہ اسی طرح تحریر کیا، مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ کمبل پوش نے اس سفر نامے میں نہ صرف یورپ کے تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی حالات کا جائزہ لیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی عناصر کی بھی

بھرپور عکاسی کی ہے۔ کمبل پوش ایک آزاد طبع، سچے اور کھرے انسان تھے۔ ان کا "مسلک سلیمانی" ہے اور یہی خوبی اُن کو سفر پر مختلف حرکات وسکنات کی بنا پر راغب کرتی ہے۔

اُن کے سفر ناموں میں مشاہدہ کائنات بہ نظر غائر موجود ہے اُنھوں نے جس ملک کی سیر کی وہاں کی ہر چیز کو تفہیمی نقطہ نظر سے دیکھا۔ ان کی مسافت کا دورانیہ سات سال کا تھا۔ اسی لحاظ سے یہ سفر نامہ انفرادیت کا حامل ہے۔ کمبل پوش جذباتی اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کے دل میں دوسروں کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات موجود تھے، خوشی اور غمی کے موقع پر اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتے تھے اور جبر اور ناانصافی سے سخت نفرت تھی۔ وہ ظاہری طور مسلمان تھے لیکن کسی ایک مذہب کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے ایک نئے مذہب "سلیمانی" کا تذکرہ کیا ہے جو ظاہراً امکانات اکتفا نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید ان کی خوبی کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> "یہ سفر نامہ اس لحاظ سے انفرادی حیثیت رکھتا ہے کہ یوسف خان نے سفر کے دوران اپنے اوپر مذہب کا خوف، دینداری کا جذبہ اور عاقبت کا اندیشہ نہیں کیا۔ اس نے لندن کو ایک آوارہ نظر اور آزادہ فکر سیاح کی صورت میں دیکھا اور سفر نامہ لکھ کر ان مسرّتوں میں اہل وطن کو شامل کرنے کی کوشش کی۔ لندن اُسے بے حد رنگین اور دلآویز شہر نظر آتا ہے اور وہ اس جنت نظر کو اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتارنے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔" (۴۹)

ہندوستان کی تعمیری خامیوں کے ساتھ موزانہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ ہندوستان سارے جہاں سے اچھا نہیں ہے انہی الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے وحید الرحمن خان اپنی کتاب " نقد سفر" میں یوں لکھتے ہیں۔

> "یوسف خان کا مذہب سلیمانی اور مزاج سیلانی تھا۔ ان کے پاس "تختِ سلیمان' نہیں تھا۔ مگر 'طبع سیلانی' کے باعث وہ مختلف ملکوں کی سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ دیارِ غیر ہو یا ملکِ ما، ان کے پائے شوق میں لغزش نہیں آتی۔ انہوں نے جہاں فرانس، انگلستان، پرتگال، مصر، مالٹا اور دیگر مقامات کی سیاحت کی، وہاں ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً بمبئی، پونا، ناگ پور، بنارس، کلکتہ، اور لکھنؤ کی خاک بھی چھانی ہے۔ اور اس ہمہ گیر سیاحت سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہندوستان، سارے جہاں سے اچھا نہیں ہے اور اس کی تعمیر میں خرابی کی کئی صورتیں مضمر ہیں۔ یہ درست ہے کہ

> انگریز کی مدح میں رطب اللسان رہتے ہیں مگر ان کے خیالات پر، انگریز دوستی، کا الزام عائد کر کے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ "(۵۰)

اُنھوں نے ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ وہاں کی خوبیوں کو بھی منظر عام پر لائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یوسف خان ہندوستان کی تہذیبی، معاشرتی، معاشی، تمدنی اور مذہبی حالات کی ابتری کے باعث وہ ہندوستان کی عوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جبکہ انگلستان میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اس لیے وہ انگلستان کو ہندوستان کے مقابلے میں بہتر سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر مشرق اور مغرب کے تضاد کو سامنے رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یوسف خاں ہندوستان کے جامد معاشرہ سے انگلستان کے متحرک اورافعال معاشرہ میں پہنچا۔ لہذا اسے مشرق اور مغرب کے تضاد کا احساس تو ہونا بھی تھا۔ ہم آج کی اصطلاح میں جسے "کلچرل شاک" کہتے ہیں یوسف خاں اسی کا شکار متعجب اور متحرک نظر آتا ہے۔ اثنائے راہ میں چراغ فالوس روشن تھے۔ چاند سورج ستارے روشنی کے ایسے بنے کے چمک دمک میں مہر و ماہ ستاروں سے ڈگتے۔ دوکانوں پر دوشالے رومال سرخ سرخ کار کشمیر کے رکھے اور ہر طرح کی چیزیں اسباب عجیب و غریب وہاں تھے۔ نہیں معلوم بایں افراط کہاں سے ہاتھ آئے۔ ہر پریزاد فرنگ کے خوشی سے راہ میں آتے جاتے۔ ہر ادا سے اعجاز مسیحائی دکھاتے مرد رنڈیاں پہلو پہلو خوش رفتار جیسے جنت میں حور و غلمان نمودار۔ دوکان نام بائیوں کی نعمتوں سے ہوں فریفتہ ہو، جس کی نظر اس پر پڑی۔ لوگوں کی بول چال و دیدار حسن و جمال مجھ کو خواب خیال معلوم ہوتا ورنہ بیداری میں ایسی کیفیت دیکھنا محال تھا۔ فی الواقعی جو دیکھا خیال ہی تھا کہ اب اس کا دیکھنا میسر نہیں آتا۔" (۵۱)

"عجائبات فرنگ" کمبل پوش کی سفر نامے کا اسلوب بیانیہ، دل کش اور پُر تاثیر ہے۔ اس میں ناول اور افسانے کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں سادہ اور رنگین ہے اور کہیں کہیں محاورات اور ضرب الامثال کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ واقعات میں دلچسپی اور بے تکلفی تھی اور وہ بات بناتے اور چھپانے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔

سیاحت نامہ: یہ سفر نامہ ۱۸۳۹ء میں ایک مقدمے کے سلسلے میں نواب کریم خان کو لندن جانا پڑا تو وہاں انہوں نے سیاحت کے دوران ڈائری کی صورت میں سیاحت نامہ تحریر کیا۔ ان میں سے ”سیاحت نامہ“ نواب کریم خان کا سفر نامہ سر فہرست ہے۔ یہ سفر نامہ دوران قیام لندن کی یادیں ہیں جن کو انھوں نے اپنی ڈائری میں قلمبند کیا ہے۔ اس میں لندن کی تہذیب و ثقافت، رسوم و رواج اور طرز معاشرت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اس سفر نامے کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ اس میں انہیں جو چیز نظر آئی وہ تحریر کر ڈالی۔ اس سفر نامے میں صرف واقعات اور تاثرات کو ہی منظر عام پر نہیں لائے بلکہ مشرقی اور مغربی تہذیب کا بھی عمدگی سے موازنہ کیا۔ کریم خان کو اپنے وسیع، مشاہدہ اور تجربہ کی بدولت بات کی تہ تک پہنچنے کی مہارت حاصل تھی، وہ مبالغہ آرائی سے بھی گریز کرتے تھے۔ یہ بات عیاں ہے کہ انھوں نے لندن کا مشاہدہ کرتے لندن کی بے جا تعریف بھی کی ہے۔ اگرچہ انھوں نے جس مقصد کے لیے یہ سفر کیا اس میں ناکام ہو گئے۔ وہ ایک مقدمے کی خاطر لندن گئے اور بدقسمتی سے ہار گئے لیکن پھر بے کیفی کے عالم میں ایک سفر نامہ لکھا پھر بھی یہ بہت مقبول ہوا اور رہتی دنیا تک یادگار بن گیا۔

تاریخ افغانستان: سید فدا حسین عرف نبی بخش نے تاریخ افغانستان کے نام سے ایک سفر نامہ تحریر کیا۔ یہ سفر نامہ جنگی مہم کے حوالے سے ہے۔ سید فدا حسین بطور جمعدار ایک جنگی مہم میں اپنے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔ اس نے اپنے کام کے ساتھ ساتھ ارد گرد کے مناظر، حالات و واقعات پر بھی نظر ڈالی اس سفر نامے میں زیادہ تر تفصیلات جنگی واقعات پر مبنی ہیں۔ جب انگریزوں نے کابل پر حملہ کیا۔ اس میں فدا حسین بھی شامل تھے۔ ان کے ایک سفر نامہ میرٹھ سے غزنی صرف آمد و رفت کا ہے۔ یہ محض آمد و رفت کے ذکر پر معمول ہے اگرچہ حقیقی عناصر کے بیان میں کمی نہیں چھوڑی گئی لیکن زبان و بیان کی مہارت کے باعث حقیقی تاثر پیدا کرنے میں خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل ہو سکتی البتہ قاری کے لیے معلومات بہر صورت موجود ہیں۔

تاریخ انگلستان: ”سفیر اودھ“ مسیح الدین علوی کا سفر نامہ ہے جو کہ تاریخ انگلستان کے نام یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب اودھ کی حکومت کی معزولی پر مسیح الدین علوی کو بطور سفیر مقرر کی گیا۔ واجد علی شاہ نے انھیں والدہ، بھائی اور عہد سلطنت کے انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ اودھ پر انگریز نے اپنے قدم

جما لیے تو اس وقت مسیح الدین علوی واجد شاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انگلستان کی طرف رخ کیا۔ انہی الفاظ کی روشنی میں مسیح الدّین علوی یوں رقمطراز ہیں۔

> "قریب دو برس کے میں خانہ نشین رہا کہ اتنے میں اودھ کی سلطنت سرکاری انگریزی نے ضبط کرلی۔ جس دن ضبطی کا حکم بادشاہ کو سنایا گیا راقم اپنے گھر میں تھا۔ بتاکید میری طلبی ہوئی اور بادشاہ نے اپنے پاس بلا کر مجھے نہایت تاکید سے تیسرے دن ضبطی کے کلکتہ کو روانگی کا حکم دیا................بادشاہ کو اسکے خیر طلبوں نے اصلاح دی تھی کہ بذاتِ خود انگلستان کی طرف روانہ ہوں۔ اور مرافعہ اپنی مظلومی کا ملکہ معظمہ کے حضور میں اور پارلیمنٹ میں بذاتِ خود اصالتاً پیش کریں۔ حقیقت میں یہ رائے بادشاہ کے واسطے بہت بہتر تھی..........مگر چونکہ جبلت سے ضعیف القلب ہیں اور دریا کے سفر سے اون کو نہایت خوف و خطر تھا۔ کلکتہ میں پہنچ کر رائے بدل گئی۔ اپنی عزیمت موقوف کی۔ ملکہ کشور اپنی والدہ ماجدہ کو اور مرزا حامد علی بہادر ولی عہد کو اور مرزا جواد علی حشمت اپنے بھائی کو جو اپنے باپ کے وقت میں جنرل کہلاتے تھے ولایت کی روانگی کے واسطے تجویز کیا اور راقم کو سفیر مقرر کیا۔"(۵۲)

۱۱ جون ۱۸۵۶ء کو انگلستان جا پہنچے اور ان کا قیام انگلستان کا دورانیہ تقریباً ساڑھے سات سال رہا۔ وطن واپسی پر دو سال سعودی عرب میں بھی قیام کیا اسی عرصے میں انھوں حج بھی کیا۔

لندن کا یہ سفر نوعیت کے اعتبار سے سیاسی سفر نامہ ہے۔ اتنی طویل مدت مسیح الدین علوی کو لندن کے تہذیبی، مذہبی، سماجی اور معاشرتی حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ لیکن انھوں نے ایک سیاح کی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ سفر میں اتنی سہولیات میسر نہیں تھی کہ وہ بآسانی سے لندن کا مشاہدہ کرتے چونکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بہت دشوار تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ سفر نامہ کی روایت اس وقت تک اتنی اہمیت حاصل نہ کر سکی تھی۔ لیکن پھر ان تمام خامیوں کے باوجود یہ سفر نامہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامہ کو اس کے سیاسی پس منظر کے تناظرات میں پیش کیا گیا ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔

مسافران لندن: "مسافران لندن" سرسید کی تعلیمی اور تحقیقی کاوشوں کا وہ سفر نامہ ہے۔ جو ایک مسافر کو علم و ہنر کی نئی راہیں اور نئی منزلوں کی جستجو کی گامزن کرتا ہے۔ یہ سفر نامہ انھوں نے ۱۸۲۹ء میں

لندن کے سفر کے دوران تحریر کیا۔ اس میں مقصدیت کے عناصر زیادہ ہیں۔ چونکہ سر سید احمد خان قوم مصلح تھے اور ہر وقت قوم کی ترقی اور خوشحالی کے کوشاں تھے ان کے خیال میں مسلمان قوم کی ترقی کا واحد ذریعہ تعلیم ہے کیونکہ تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ وہ قوم ترقی، کامیابی اور کامرانی کے لیے ہمیشہ بے قرار رہتے۔ اسی حوالے سے سر سید احمد خان یوں لکھتے ہیں۔

> "جو لوگ حقیقت میں ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہتے ہیں وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی صرف اس پر منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک انہیں کی زبان میں انھیں دیئے جائیں میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ کی چوٹی پر بڑے بڑے حروف میں آئندہ زمانے کی یادگاری کے لیے کھود دیئے جائیں اگر تمام علوم ہندوستان کو اسی زبان میں نہ دیے جائیں گے تو کبھی ہندوستان کو شائستگی اور تربیت کا درجہ نصیب نہ ہو گا۔ یہی سچ ہے۔ یہی سچ ہے یہ سچ ہے۔" (۵۳)

لندن کے قیام کے دوران بھی وہ قومی مسائل پر ہی غور و فکر کرتے رہے۔ عزیز و اقارب اور دوست واحباب کو خطوط کے ذریعے وطن کی پسماندگی کو دور کرنے اور قوم کی تبدیلی لانے کی ہدایت کرتے رہے۔ یہ معلوماتی اور مقصدیت پر حاوی سفر نامہ ہے۔ اس کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ اُردو سفر نامے نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

"سفر دارالمصطفیٰ" انیسویں صدی کا یہ قدیم مذہبی سفر نامہ ہے۔ یہ کپتان رچرڈ فریڈرک نے لکھا اور اس کا اُردو ترجمہ مولوی محمد انشاء نے کیا، اس سفر نامہ کی ۱۹۵۵ء میں باقاعدہ اشاعت ہوئی۔ یہ مکہ و مدینہ کے عربوں کے حالات واقعات، عادات اور اطوار سے آگاہی اس سفر نامہ کا مقصد ہے۔ کپتان صاحب نے ۱۸۵۲ء میں مذہب تبدیل کر کے اور مسلمان کے روپ اختیار کر کے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے چونکہ مکہ اور مدینہ میں غیر مسلم کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ کپتان صاحب سیر و سیاحت کے بہت شوقین تھے اور وہ سات سال تک ہندوستان میں مقیم رہے اور بہت سی کتابیں لکھی۔ اس کے علاوہ بہت سی زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا۔ مثلاً، اُردو، عربی، فارسی، میراٹھی، ملتانی، پنجابی، گجراتی، سندھی، ترکی، سنسکرت اور پشتو وغیرہ شامل ہیں۔ کپتان ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا۔ سیر و سیاحت کا عاشق اور زبانوں کا ماہر تھا۔

سفر نامہ پامر: ایڈور ڈ ہنری کا ایک نایاب سفر نامہ ہے۔ ہنری کو عربی و فارسی میں خاصی مہارت حاصل تھی اور وہ مشرقی علوم کے ساتھ بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ہنری کبھی ہندوستان نہیں گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود

اُردو اور فارسی سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس میں انھوں نے اُردو اور فارسی الفاظ کا استعمال جابجا کیا یہ سفر نامہ اُردو اخبار لکھنؤ میں قسطوار شائع ہوا۔ یہ سفر نامہ سیاسی نوعیت کا بھی ہے۔ ان کی نثر مرصع ہے۔ قدیم داستانوی رنگ کی جھلک موجود ہے۔

کالا پانی: جعفر تھانیسری کی داستان سفر ہے۔ یہ انگریزوں کے ظلم و ستم کی ایک کڑی داستان ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جعفر تھانیسری پر بغاوت کا مقدمہ ہو گیا اور ان کو کالا پانی کی سزا ہوئی۔ رہائی کے بعد ایک سفر نامہ لکھا جو کہ کالا پانی کے نام سے موسوم ہے۔ اس سفر نامہ میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے جزائر انڈمان اس کے حالات و واقعات اور مشاہدات کو مربوط انداز میں بیان کیا ہے۔ انڈیمان میں قیام کے دوران سفر نامہ نگار نے اس خطے کے مذہبی عقائد، رسم و رواج، تاریخی اور جغرافیائی حالات کی بھرپور عکاسی کی۔ ان تمام تجربات و مشاہدات کے علاوہ انھوں نے اپنے ”سفر نامہ کالا پانی“ میں مذہبی عقائد کا تعارف کرواتے ہیں۔ مثلاً ایک اقتباس دیکھیے:

> "مسماۃ چانا پالک“ ایک اس کی جورو بھی ہے۔ اس کی جورو کو بھی فنا نہیں اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوئی مگر اس کا درجہ خدا (دیوتا) سے کم ہے۔ اس کا کام ہے کہ سمندر میں مچھلیاں پیدا کرے وہی مچھلیوں کو آسمان سے گراتی ہے۔ یہ لوگ شیطان کے بھی قائل ہیں کہ سب بُرے کام شیطان کراتا ہے۔ یہ لوگ فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرد عورت دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں یہ لوگ دو سے زیادہ گنتی نہیں جانتے جب کوئی چیز دو سے زیادہ گنتے ہیں تو انگلیوں پر اشارہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ننگے مادر زاد پھرتے ہیں۔ فقط عورتیں ایک چھوٹا سا پتہ اندام نہانی میں اٹھا کر رکھ لیتی ہیں۔ ان کے گھر جا کر دیکھو تو سوائے میاں بیوی کے اور کوئی جائیداد اور ملکیت نہیں۔ تیر و کمان ان کی اصل جائیداد اور جان ہے۔"(۵۴)

یہ سفر نامہ جزائر انڈمان سے متعلق ایک ایسی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سفر نامہ کا اسلوب سادہ، عام فہم اور بیانیہ ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کی کڑیاں ایک دوسرے واقعات سے ملی ہوئی ہیں اس میں تصنع و بناوٹ نہیں واقعات سچائی اور خلوص پر مبنی ہیں۔ اس میں سوانح کا تاثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

سفر نامہ یورپ: یہ مرزا نثار علی بیگ کا بہت اہم سفر نامہ ہے۔ نثار علی بیگ یورپ گئے تھے اور ”سفر نامہ یورپ تحریر کیا اور تین ماہ تک وہاں قیام کیا۔ اس سفر نامہ کا بنیادی مقصد سیر و سیاحت ہی تھا اس لیے انھوں کی دن رات محنت کی جو کچھ دیکھا وہ تاریخ وار لکھتے رہے ۔ یہ سفر نامہ علمی نوعیت کا ہے۔ اس لیے کہ اس کو لندن کے ہر محقق اور نقاد نے پرکھنے کی بھرپور کوشش کی نثار علی بیگ نے اپنے سفر ناموں میں ہندوستان اور انگلستان کے طریقہ تعلیم کا بھی موزانہ کیا۔ چونکہ اُودھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہد پر فائز تھے۔ اس باوقار اور اعلیٰ ملازمت کے باعث انھوں نے اندرون ممالک کا سفر کیا اور لندن کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کا دورہ بھی کیا۔ عرب ممالک سے متعلق یہ پہلا سرکاری سفر نامہ ہے۔ دراصل سر ولیم میور نے عربی زبان کا طریقہ تدریس جانتے کے لیے مختلف سفر کیا اس مقصد کے لیے عدن، مصر، مدینہ، مکہ، بیت المقدس، کنعان وغیرہ کا سفر کر کے ایک رپورٹ تیار کر کے سرکار کو پیش کی۔ یہ رپورٹ نثار علی بیگ کے تجربات مشاہدات اور معلومات میں اضافہ کا باعث بنی۔ لندن کے اکثر مقامات سے متاثر ہوئے۔ ان کی تعریف کی جو چیز ناپسند تھی، اس کو بغیر کسی خوف سے اظہار کرتے تھے۔ چونکہ یہ مذہبی آدمی تھے اور مذہب کے خلاف کوئی بات نہیں سنتے تھے۔ سفر نامہ یورپ روزنامچہ تکنیک کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ اس میں تمام تاریخی واقعات کو قلمبند کیا۔ اس سفر نامہ کا اسلوب قدیم، سادہ اور سلیس ہے اس میں بے تکلفی کے عناصر بھی نمایاں ہیں۔

سیر ایران: محمد حسین آزاد کا سفر نامہ ہے۔ انھوں نے دو سفر نامے ”وسط ایشیاء کی سیر“ اور ”سیر ایران“ تحریر کیے۔ ”سیر ایران“ مولانا نے روزنامچے کے انداز میں لکھا۔ ان کے سفر ناموں کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔

مولانا ایران سے واپسی سے واپس آئے۔ دوست واحباب ملاقات کے لیے جمع ہوئے تو انھوں نے اصرار کیا کہ وہ اپنے سفر کے دوران حالات وواقعات کو ایک جلسے میں تقریر کی صورت میں بیان کریں۔ اس تقریر کا چرچا دور دراز علاقوں میں پھیل گیا۔ اس کی اشاعت اخبارات اور رسائل میں بھی ہوئی۔ یہ سفر نامہ علمی نوعیت کا تھا۔ دوران سفر آپ نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔ خود فراموشی ایسی طاری ہوئی کہ نہ تو کھانا پینا اور نہ ہی آرام و آسائش کا ہوش تھا۔ علم کی پیاس اور ذوق سفر نے شدت اختیار کر لی۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "نواب میرزا علی خاں صدر ایک امیر خاندان کی زندگی شیراز کے لیے سرمایہ آبادانی ہے اور ان کی مہمان نوازی اس پاک مٹی کے لئے قدیمی قبالہ ہے۔ مجھے بھی دو دن مہمان رکھا، باوجود دست گاہ امارات اور پیرانہ سالی کے جب دیکھو گرد کتابیں چنی

> ہیں۔ ایک دوملا پاس بیٹھے ہیں۔ بیچ میں آپ مطالعے میں مصروف ہیں۔ حواشی لکھتے ہیں۔ ایک خوش نویس کاتب ناقص کتابوں کی تصحیح کررہاہے۔ مصور نقاشی کر رہا ہے، کھانے کا وقت ہوا، وہیں پہلو میں دستر کوخوان بچھا اٹھے، پہلے سجدہ شکرانہ بجا لائے، ایک روٹی کو آنکھوں سے لگایا پھر سب سے کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ بھی گویافرض تھا کہ پورا کرلیا۔ پھر کتابوں کے حلقے میں جاؤ بیٹھے۔"(۵۵)

اس سفر میں مولانا کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ سردی کی وجہ سے پاؤں میں سوجن ہوگئی تھی اور پھر اونٹ سے گر گئے۔ اس کے علاوہ موسمی حالات، سمندروں، میدان، جنگلوں، پہاڑوں الغرض ہر صورت میں بہادری سے مقابلہ کیا۔ "سیر ایران" کا خوبصورت تخلیقی اسلوب ہے۔ اس میں استعارت اور تشبیہات کا استعمال بڑے دلکش انداز میں کیا گیا۔ ادبی لحاظ سے اس سفر نامہ کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔

سفر نامہ روم و مصر و شام: مولانا شبلی کا سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامہ کا آغاز ۲۶ اپریل ۱۸۹۴ء کو علی گڑھ سے ہوا۔ یہ سفر عملی مقاصد کے حصول کے لیے کیا گیا۔ اس سفر کی بدولت شبلی کو عرب کے مختلف کتب خانوں، درس گاہوں اور عظیم علماء سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا اسکی پہلی اشاعت آگرہ میں ۱۸۹۴ء میں ہوئی اسی حوالے شبلی نعمانی یوں لکھتے ہیں:

> "رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ میں، میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب علمانہ سفر تھااور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھانہ واقعات سفر میں چنداں ندرت تھی۔ سفر نامہ لکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آکر جن بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا سب سفر نامے کے متقاضی تھے، میں نے خیال کیا چونکہ ایک مدت سے ہماری جماعت میں سیر وسیاحت کا طریقہ بند ہے اور اس وجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات کی بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی، لوگوں کا یہ تقاضہ کچھ بیجا نہیں۔ مجھ کو خود اپنی حالت یاد آئی کہ سفر سے پہلے قسطنطنیہ وغیرہ کا کوئی سیاح مل جاتا تو میں گھنٹوں وہاں کے حالات پوچھا کرتا۔"(۵۶)

شبلی نے قسطنطنیہ، بیروت اور بیت المقدس کا سفر بھی کیا۔ شبلی کے سفر نامہ کا مقصد صرف سیاحت ہی نہیں تھا، بلکہ ان خزانوں کی جستجو تھی۔ جو یورپی اقوام لوٹ کر اپنے ساتھ لے کر گئی۔ شبلی نے ہر چیز کا بڑے ذوق و شوق کے ساتھ تجزیہ کیا۔ وہاں کی شاندار عمارات، ہوٹل، قہوہ خانے اور عیسائی دکانوں کا ذکر بڑے

خوبصورت انداز سے کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہاں کے رسم ورواج، عادات اور حالات وواقعات کا بخوبی مشاہدہ کیا۔ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر وہ بے چین ہو جاتے کے مسلمان غیر مسلموں اور عیسائی کا مقابلے نہیں کر سکے۔ عظیم الشان عمارت غیر مسلموں اور عیسائی تاجروں کے پاس تھی۔ چونکہ مسلمان اقتصادی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے۔ مذہبی تعصب غیر مسلموں بہت زیادہ تھا۔ جب یہ صورت حال نظر آتی تو آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ انہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> "گزر گاہِ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا۔ تھوڑی دیر تک وہاں ٹھہرا اور راہ چلتوں کا تماشہ دیکھتا رہا۔ جب کوئی شخص شان وشوکت سے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا تو اپنے رہنما سے پوچھتا کہ کون ہے۔؟ اور وہ اکثر یہ جواب دیتا کہ ”عیسائی ہے"(۵۷)

شبلی کی ایک خوبی یہ تھی زیادہ باتیں کم الفاظ میں کر دیتے تھے اور ان کی ہر بات قاری کے دل ودماغ میں رچ بس جاتی تھی۔ یہ کمال شبلی کی نثر کو حاصل تھا۔ اس سفر نامہ میں شبلی نے بصارت وبصیرت کا یکجا دونوں برابر استعمال کیا زیادہ سے زیادہ معلومات لوگوں سے ملاقات کر کے حاصل کی۔ شبلی اُردو کے ایک نامور ادیب تھے۔ فطری طور پر شاعر تھے۔ ان کے اسلوب میں روانی پائی جاتی تھی۔ ان کا انداز سادہ اور بیانیہ تھا۔

سیر حامدی: نواب محمد علی کا سفر نامہ ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی سفر نامے لکھے گئے ہیں وہ مشرق اور مغرب کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ پہلا سفر نامہ ہے جو پوری دنیا پر محیط ہے۔ ان واقعات کی بنیاد سچائی پر ہے۔ اس سفر نامے کی اشاعت دو جلدوں میں ہوئی۔ جلد اول میں ایشیا اور امریکہ کی سیاحت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جبکہ جلد دوم یورپ اور مصر کے سفر کے احوال قلمبند کیے گئے ہیں۔

خوفناک دنیا: ڈاکٹر شاہ علی سبزواری کا سفر نامہ ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے سفر کی ایک داستان ہے۔ ڈاکٹر صاحب سیر وشکار کے شوقین تھے۔ ۱۸۹۹ء میں افریقہ کی سیر کے لیے گئے۔ وہاں پر تہذیب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان تاریکی علاقوں میں آج پھر تہذیب کی روشنی دکھائی دیتی ہے ڈاکٹر شاہ علی سبزواری شوق سفر اور ہاتھی دانت کی تجارت کرنے کے لیے اس خوفناک دنیا میں گئے۔ وہ ہر طرف خوف ہی خوف تھا۔ بہر حال ڈاکٹر شاہ علی سبزواری نے بہادری کے ساتھ تمام خطرات کا مقابلہ کیا اور انہی خطرات کو نہایت خوش اسلوبی سے سفر نامہ کی صورت میں منظر عام پر لائے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ بات کرنے کے ماہر تھے اور زبان پر مکمل

عبور حاصل تھا اس سفر نامہ میں ان کے اسلوب میں لطافت کے ساتھ ساتھ دل میں ہیبت طاری ہونے کا انوکھا مزہ ہے پرُلطف ہے قاری کی دلچسپی کے باعث ہے۔

آئینہ سکندری: مابو اماشنکر کا سفر نامہ ہے۔ جو ۱۸۸۶ء میں یورپ سفر کے دوران انھوں نے تحریر کیا۔ اماشنکر کی برادری کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ تایازاد بھائی نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور یہ بھی کہا کہ ”اگر اہل برادری نے واپسی پر جھگڑا کیا تو وہ خود ذمہ دار ہو گئے“ سفر پر روانگی کے وقت والدہ اور بہن کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جن کی وجہ سے گھر میں ایک شور برپا گیا۔ ہر طرف افر تفری کا عالم تھا ان تمام حالات کے باوجود اماشنکر کا یہ سفر نامہ ”آئینہ سکندری“ یورپ کے حالات وواقعات، مشاہدات اور تجربات کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ یہ سفر نامہ روایتی طرز کا ہے۔ اسکا اسلوب و بیان میں سلاست اور روانی ہے۔ واقعات کو بڑے دلکش انداز سے بیان کیا ہے۔ آئینہ سکندری سفر نامہ اس عہد کی اہم دستاویز ہے۔ مذہبی رسوم کی پابندی کے باوجود اس میں صدق بیانیہ کا عنصر نمایاں ہے اور اسے سفر ناموں کی صنف میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

سیر برہما: مولوی عبد الخالق موحد کا تبلیغی سفر ہے۔ جس کا مقصد برہما کو اسلام کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ انھوں نے اس سفر نامہ میں برہما کی مذہبی رسومات، دینی و دنیوی اعتقادات کا بخوبی مشاہدہ کیا ہے۔ ان کی تبلیغی کاوشوں کی بدولت ان کے استاد گرامی پہونجی اُتھواون مسلمان ہوگئے۔ جن سے انہوں نے برہما کی زبان سیکھی۔ برہما میں جب کوئی شخص وفات پاجاتا تو اس کی تجہیز و تکفین کے حوالے سے مولوی عبد الخالق یوں لکھتے ہیں۔

> "جس قدر زبردست پہونجی ہو گا اسی قدر زیادہ عرصے تک زیادہ سامان کے ساتھ لاش رکھی جائے گی کبھی کبھی ناچ بھی ہوا کرے گا۔ بعد ازیں اگر اس کے شاگرد یا پیر بھائی مریدوں معتقدوں میں سے کوئی مالدار ہو گا تو وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ چندہ کر کے نہایت دھوم دھوم سے اس کو چلائیں گے دستور ہے کہ جس قدر پہونجی اس کے تجہیز و تکفین میں شریک ہوں گئے۔ وہ سب ایک تابوت اسی قسم کا لائیں گئے اور قبل جلانے یا دفن کرنے کے ہر تابوت میں اس کی لاش رکھ سات بار جنبش دیں گئے۔ جس وقت اس تابوت کو آگ دی جائے گی اس وقت نہایت عمدگی سے ماتمی باجا بجتا ہے اور رنڈیاں اپنی سریلی آوازوں میں دردناک اشعار گاتی ہیں۔"(۵۸)

اس سفر نامہ کا اسلوب سادہ اور بیانیہ ہے اس سفر نامہ میں تاریخی حالات اور سماجی معلومات کو صداقت کے ساتھ پیش کیا۔ یہ سفر نامہ برہما کے سیاحوں کے لیے معاون ثابت ہو گا۔

انگلینڈ اور انڈیا: لالہ بیج ناتھ کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ پہلے انگریزی زبان میں تحریر کیا گیا۔ اور لوگوں کے پُراصرار مطالبہ سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ اسکی اشاعت ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ انگریز اور ہندوستانی عوام یہاں اکٹھے رہتے تھے۔ اس سفر نامہ کا مقصد انگریزی اور ہندوستان کے رہنے والوں کے لیے ایک پرامن معاشرے کے قیام اوران کے حالات و واقعات سے سیاحوں کو آگاہی حاصل کرنا تھا تاکہ ایک پرامن معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس سفر نامہ کا اسلوب سادہ اورانداز بیانیہ ہے۔ اس کا اظہار بیان غیر جذباتی اور متوازن ہے۔ انیسویں صدی کے سفر ناموں کا مجموعی جائزہ لیں تو ان میں زیادہ تر تاریخی واقعات اور جغرافیائی حالات شامل ہیں۔ بعض سفر ناموں کسی بھی ملک کی ثقافتی، تہذیبی اور مذہبی عناصر کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ داخلیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان میں نہ ہونے کے برابر عناصر نظر آتے ہیں۔ البتہ تاریخی نقطہ نظر سے انیسویں صدی کے سفر ناموں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

نواب محمد عمر خان کے سفر نامے: نواب محمد عمر خان محمد گڑھ باسودہ کے رئیس تھے۔ وہ سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ انھوں نے پچاس سال تک غیر ممالک کے سفر کیے اور ہر ملک کا سفر کرنے کے بعد سفر نامے لکھنے کی کاوش کو برقرار رکھا۔ اس طرح انھوں نے بہت سے سفر نامے لکھ دیئے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

"زاد سفر": یہ لاہور، حیدر آباد، کلکتہ لکھنؤ کا سفر کے دوران کا سفر نامہ ہے اور یہ اندرون شہروں کا سفر نامہ ہے۔

"زاد غریب" میں عرب، عراق، مصر و شام کے حالات کا سفر نامہ ہے۔

"سفر نامہ رئیس" یہ برما کا سفر ہے۔

"سفر نامہ آئینہ فرہنگ" یہ ۱۸۸۸ء میں لکھا گیا اور یورپ کی سیاحت کے متعلق ہے۔

" نیرنگ چین" میں چین کی سیاحت اور " نیرنگ رنگون" برما کا سفر نامہ ہے۔ اندلس کا سفر نامہ "قند مغربی" ہے۔

نواب نے تھوڑے عرصے میں بہت سے سفر نامے لکھ ڈالے۔ ان کے سفر ناموں انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اختصار سے کام لیا اوران سفر ناموں کا انداز تحریر روایتی تھا۔ اُردو سفر نامہ میں محمد عمر خان نے متعدد سفر نامے لکھ کر سفر ناموں میں دنیا میں منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا۔ بیسویں صدی کے سفر نامے کی تاریخ

میں بہت اہمیت کے حامل ہے اس دور میں سفر نامے کی صنف ایک نئی راہ ملی اور اس میں مزید خوبصورتی دینے کے لیے مختلف قسم کے تجربات اور مشاہدات کیے ہیں سیاح کے مشاہدات اور تجزیہ میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے تاثرات، رد عمل اور زاویہ نظر کو بھی پرکھا گیا اس کے علاوہ سفری سہولیات میں پہیہ کے ایجاد کی وجہ سے آسانیاں پیدا ہو گئیں ی مسافروں کی تعداد روز بروز اضافہ ہوتا گیا بیسویں صدی کے سب سے پہلے سفر نامہ نگار منشی محبوب عالم ہیں جو صحافت سے منسلک تھے اور ”پیسہ اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے۔ اس دور کے سفر ناموں کو عبوری کے سفر نامے کہا جاتا ہے۔

"سفر نامہ یورپ "عبوری دور کا سب سے پہلا سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامہ مختلف ممالک فرانس، روم، انگلستان، شام، اور مصر کی سیر کے حالات واقعات شامل ہیں یہ ایک طویل سفر نامہ جو ۱۹۰۰ء میں لکھا گیا یہ سفر نامہ یورپ کے سیاحت کے لیے معاون ثابت ہو گا اس سفر نامہ میں روانی اور سلاست ہے۔ ”سفر نامہ بغداد“ اور عرب ممالک کی سیاحت پر مبنی ہے، اس سفر نامہ میں جزئیات نگاری سے کام لیا گیا ہے اگرچہ یہ سفر نامہ ” سفر نامہ یورپ“ کے مقابل نہیں ہے اس میں وہ روانی اور حیرت شوق بھی نہیں ہے لیکن اس کی اہم بات تھی کہ اس میں عراق اور عرب ممالک کے تہذیب وتمدن اور ان کے تاریخ وجغرافیائی اہمیت بہت زیادہ ہے، ”سیاحت فتح خانی“ نواب فتح علی خان کا تحریر کردہ سفر نامہ ہے۔ انھوں نے بہت سے ممالک فرانس، اٹلی اور انگلستان وغیرہ کی سیر کی۔ انھوں نے سفر کا آغاز ۱۹۰۳ء میں کیا اس سفر نامہ میں تاثرات کی کمی اور اظہار بیان پر پابندی دکھائی دیتی ہیں اس سفر نامے لندن کو مخصوص ایک غلامانہ ذہین سے پرکھا گیا۔ اسلوب کی کمی اور جابجا احساس کمتری کے آثار ملتے ہیں لیکن ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

" سفر نامہ بلاد اسلامیہ " عبد الرحمن امر تسری نے لکھا ہے۔ انھوں نے ۱۸۹۸ء میں مصر، روم، شام اور ترکی کا سفر کیا جو بلاد اسلامیہ کے نام سے مشہور ہیں اس سفر نامہ میں حقیقی اور واقعاتی عناصر بھی پائے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی افسانے کی سی لطافت بھی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین کا سفر نامہ جاپان، ڈاکٹر حاجی محمد حسین کا مکتوباتِ سفر نامہ ہے:

" سفر نامہ خطوط " کی تکنیک پر تحریر کیا گیا ہے نازی رفیعہ سلطان نے جو خطوط اپنے بزرگوں کو لکھے ان کو زہرہ بیگم فیضی نے مرتب کر کے سفر نامے کی شکل دے دی۔ نازی رفیعہ سلطان نے ۱۹۰۸ء میں یورپ کے سفر کا آغاز کیا جب انھوں نے یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا تو وہ وہاں کی ترقی و خوشحالی دیکھ کر دنگ رہ گئی

ہندوستان کو یورپ سے پیچھے دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہو گئی لیکن اس سفر نامے کی خوبی نسوانی مزاج پر لکھا گیا ہے عورتوں کے لباس اور دوسری اشیائے خورد ونوش کا بھی جائزہ لیا بقول انور سدید:

> " چنانچہ نازی رفیعہ سلطان نہ صرف یورپ کی ترقی سے متاثر تھیں بلکہ انہیں یہ احساس بھی کھائے جاتا تھا کہ ایشیائی ممالک بالخصوص برصغیر ہندوستان تعلیمی لحاظ سے پسماندہ اور تہذیبی اعتبار سے غیر ترقی یافتہ ہے۔ اس سفر نامے کے ذریعے انہوں نے اہل وطن کو نہ صرف ایک نئی دنیا کی سیر کرانے کی کوشش کی بلکہ انہیں یورپ کی صنعتی اور تمدنی ترقی سے بھی روشناس کرایا۔ اس زاویے سے دیکھئے تو سیر یورپ” ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں قدیم سفر نامہ کی روایات کو برقرار رکھا گیا ہے اور اسے معلومات کا مرقع بنانے کی پوری کاوش کی گئی ہے۔" (۵۹)

نازی کا سفر نامہ میں سادگی اور خلوص ہے مگر اس میں معروضیت کی کمی کے عناصر نمایاں ہیں۔

” زمانہ تحصیل“ عطیہ فیضی کا یورپی سفر نامہ ہے وہ ۱۹۰۶ء میں سرکاری وظیفہ پر حصول تعلیم کے لیے لندن چلی گئی وہاں سے انھوں نے اپنی بہن زہرہ بیگم کو خطوط لکھے جس میں لندن کی معاشرتی، تہذیبی، مذہبی کے علاوہ وہاں کے حالات سے بھی باخبر کرتی رکھتی تھی ان کے یہ خطوط رسالہ ”تہذیب نسواں میں شائع بھی ہوئے اور انہی خطوط سے یہ سفر نامہ ”زمانہ تحصیل“ بھی مرتب کیا گیا اس سفر نامے مذہبی مقامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ دوران سفر عطیہ فیضی مسجد کی منظر نگاری کرتے ہوئے یوں لکھتی ہیں؛

> "ٹھیک دو بجے ہم سب لوگ سیر کے لیے چلے۔۔۔۔۔۔ ایک جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ اور ایک بات حیرت کی معلوم ہوئی کہ اللہ کا نام ہر جگہ موجود ہے مگر پیغمبر آخر الزّمان کا کسی جگہ پر نہیں تھا، نہ کسی جگہ مصلاّ بنا ہوا ہے نہ منبر۔ مسٹر اقبال نے سب پڑھا اور کہنے لگے صرف عمارت مشرقی ٹھاٹھ سے بنائی ہے، مسجد کا پتہ معلوم نہیں ہوتا۔" (۶۰)

اس سفر نامہ میں اقبال اور مولانا شبلی کا بھی ذکر کیا ہے اس میں عطیہ فیضی کی سادگی اور معصومیت کے تاثرات بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں وہ ایک شریف خاندان اور اونچے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس بناء پر لندن مین بھی اس کے مراسم اونچے طبقے سے ہی تھے ان تمام حالات کے باوجود یہ سفر نامہ مشرقی نفاست اور شائستگی کی عمدہ مثال ہے۔

"سیاحت سلطانی" شاہ بانو نے یہ سفر نامہ ۱۹۱۱ء میں تحریر کیا۔ فنی اعتبار سے یہ سفر نامہ ایک سطحی قسم ہے یورپ کے سفر کے دوران جو حالات وواقعات پیش آئے وہ انھوں نے تحریر کیے چونکہ اس دور سے عورتوں کا گھر سے باہر نکلنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور خواتین کے سفر نامے تحریر کرنے کا رواج بالکل نہیں تھا ان حالات کے باوجود شاہ بانو انے اپنا سفر نامہ تحریر کر دیا مگر فنی اعتبار سے کمزور ہے۔ ان تمام تر حالات کے باوجود مصنفہ نے لندن کی تہذیبی، معاشرتی اور مذہبی حالات کی بھی عکاسی کی ہے اسی حوالے سے خالد محمود یوں رقمطراز ہیں:

> " اپریل ۱۹۱۱ء سے سات ماہ تک لندن میں قیام رہا، قیام کا یہ عرصہ خاصا طویل تھا۔ اتنا وقت گذار کر لندن کو سمجھنا کچھ دشوار نہ تھا، مگر شاہ بانو تو ایک خاص مقصد کے تحت لندن گئی تھیں ان سے سفر نامے کے سلسلے میں بہت زیادہ توقعات قائم کرنا ناانصافی ہو گی۔ لیکن مصروفیات کے اس پس منظر کے باوجود یہ بات قابل ستائش ہے کہ "سیاحت سلطانی" میں لندن کے ماحول کی بہت سی جھلکیاں واضح اور صاف ہیں۔ شاہ بانو کا تعلق نوابی خاندان سے ہے، بنایری ان کی تحریر میں ایک خاص توع کا تہذیبی رکھ رکھاؤ اور تکلف موجود ہے، بھوپال کی بیگمات مذہب اسلام سے گہری وابستگی رکھنے کی وجہ سے لندن کی اسلام بیزار سوسائٹی کے مزاج سے ذہنی اور عملی مطابقت نہیں کھتی تھیں، ان کے یہاں پاسداری مذہب بدرجہ اتم موجود تھی یہی وجہ ہے کہ شاہ بانو لندن کی خاص تہذیب و معاشرت میں گھل مل نہ سکیں اور یوں اسے اپنی گرافت میں لینے سے قاصر رہیں۔ " (۶۱)

شیخ عبد القادر ایک سفر نگار تھے، آپ نے دو سفر نامے تحریر کیے ایک مقام خلافت" ترکی کی سیاحت اور وہاں کے حالات و واقعات پر مبنی ہے دوسرا "سیاحت نامہ یورپ" مغرب کی تہذیب اور افکار پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سفر ناموں میں آپ کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے سفر ناموں کا انداز بیان دلچسپی کا باعث بنا۔

"سفر نامہ قسطنطنیہ" محمد حمید اللہ سربلند جنگ کا تحریر کردہ سفر نامہ ہے۔ حوالے سفر نامہ نگار نے اپنے عہدے اور مرتبے کا تعین رکھتے ہوئے لکھا جس کی وجہ سے سیاحت کا لطف نہ رہا۔ ہاں البتہ اس سفر نامہ میں مناظر کو بہت پزیرائی ہوئی۔

روزنامچہ سیاحت خواجہ غلام الثقلین نے لکھا ہے یہ سفر نامہ اس میں مختلف ممالک پر مبنی اسفار کا مجموعہ ہے ان ممالک میں قسطنطیہ، ایران، عراق اور عرب (مکہ، مدینہ) شامل ہیں اس میں سفر نامہ نگار کی ان ممالک کے تاریخی اور جغرافیائی حالات کا بخوبی جائزہ لینے کی عمدہ کاوش ہے اس سفر نامہ میں چھوٹے چھوٹے جزئیات وواقعات کو خوبصورتی سے پیش کیا۔ اس سفر نامہ کے اسلوب میں سادگی اور بے تکلفی ہے اور قاری کی دلچسپی کا باعث ہے۔ خواجہ حسن نظامی ایک ادیب ہیں جب وہ سفر کے لیے جاتے تو وہ ایک مشاہدے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انھوں نے قاری کو بھی ان مناظر سیر کروائی۔ دہلی کی معاشرت پر ان کی گہری چھاپ ہے۔ خواجہ غلام الثقلین نے یہ سفر نامہ ”سفر مصر، فلسطین وشام سے ایک سفر تحریر ہے یہ ایک روحانی سفر ہے کیونکہ یہ سفر حج کی خاطر اختیار کیا اس سفر کا آغاز یکم جون ۱۹۱۱ء میں کیا اور ستمبر ۱۹۱۱ء تک رہا۔ اس دوران انھوں نے حج کی ادئیگی کے ساتھ مختلف ممالک کا سفر بھی کیا مثلاً شام، فلسطین، مصر، حجاز وغیرہ چونکہ اس عقیدت کے جذبات وتاثرات نمایاں تھے اس سفر نامے میں انھوں نے حسن فطرت کو زیادہ ترجیح دی اور اس کے علاوہ اہرام مصر کی بھی عمدہ تصویر کشی کی ہے فرعون کو دیکھیے ”پھر رہے ہیں“ دوران سفر آپ کی ملاقات مذہبی وسیاسی رہنماؤں اور دیگر شخصیات سے بھی ہوئی یہ ایک معلوماتی سفر نامہ ہے اس کے اسلوب میں لطافت اور رعنائی ہے جو قاری کی دلچسپی کا باعث ہے۔

"مشاہدات کابل وباغستان" مولوی محمد علی قصوری کا سفر نامہ ہے اس میں انھوں نے ذاتی حالات اور واقعات پر روشنی ڈالی۔ یہ سفر نامہ روایتی سفر ناموں سے مختلف ہے اس کی تحریروں میں ادبی چاشنی اور طوالت پائی جاتی ہے۔ اس سفر نامہ میں سیاسی مشن کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اسلوب سادہ اور بیانیہ ہے حقیقی انداز اور زیب آرائش سے بے نیاز ہے قاری کو صداقت کھردرے پن سے دوچار ہونا پڑتا“ قاضی عبد الغفار کا سفر نامہ ہے یہ انگلستان کے سفر کی داستان ہے جو انھوں نے ۱۹۲۱ء میں سیاسی رہنما کی حیثیت سے کیا یہ سفر نامہ انفرادیت اور حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ ”کابل میں سات سال“ یہ مولانا عبید اللہ سندھی کا سفر نامہ ہے انھوں نے ۱۹۱۵ء میں کابل کے سفر کے دوران لکھا ہے یہ سفر سیاسی نوعیت کا تھا۔ اس سفر کا اسلوب عمدہ ودلکش ہے قاری کی دلچسپی کے باعث ہے اس سفر نامہ میں سفری حالات کم اور آپ بیتی کا آثار نمایاں نظر آتا ہے اس کے علاوہ معانی ومطالب اور انداز بیان میں یہ سفر نامہ اپنی مثال آپ ہے ادبی حیثیت کی بناء پر رہتی دنیا تک قابل ذکر سمجھا جائے گا۔

"جدید سفر نامہ مصروشام" یہ محمد وارث علی وارث کا تحریر کردہ سفر نامہ ہے اس میں قدرتی مناظر اور واقعات کے ساتھ ساتھ شام و مصر کی بھی منظر کشی کی گئی ہے جو کہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہے۔

"میری روس یاترا" شوکت عثمانی کا سفر نامہ ہے دوران سفر ان کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے بہادری سے تمام حالات کا مقابلہ کیا اس میں اجنبیت کا احساس نہیں ہے ہاں البتہ شوکت عثمانی کی تنگ نظری اور اُردو زبان پر مکمل عبور نہ ہونے کی وجہ تحریر میں شائستگی نہ پیدا ہو سکی اس وجہ سے وہ حقائق کو صحیح طریقے سے منظر عام پر نہ لا سکے اس کے باوجود اس سفر نامہ میں روسی تہذیب کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

"سفر نامہ یورپ "صغریٰ بیگم حیا کا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے دوران سفر پیش آنے والے حالات و واقعات کا بخوبی جائزہ لیا اس کے ساتھ ہی جزئیات کو بھی سمیٹ کر اس سفر نامہ کو زینت بخشی۔ ان کے سفر نامہ میں جو سب سے بڑی خامی ذات کو مرکزی حیثیت اور نجی مصروفیات کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بوجھل پن محسوس ہوتا ہے اور قاری کی عدم دلچسپی کا باعث بنا۔

سیاحت اقبال اور سفر نامہ علامہ اقبال نے تین بار یورپ کا سفر کیا اور ایک بار افغانستان کا سفر کیا دوران سفر انھوں نے اپنے دوستوں اور احباب کو خطوط لکھتے رہے۔ ان تمام خطوط کو جمع کر کے پروفیسر حق نواز اور حمزہ فاروقی نے " سیاحت اقبال "اور سفر نامہ ء اقبال کے نام سے کتابی شکل میں مرتب کر لیا۔ ان سفر نامے کے علاوہ بہت سے ایسے سفر نامہ نگار ہیں جھنوں نے سفر نامے کی صنف میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ان میں سفر نامہ اندلس (قاضی ولی محمد)، سفر نامہ شاہ افغانستان ۔۔ غازی امان اللہ شاہ افغانستان، لندن سے آداب عرض۔ آغا محمد اشرف، وغیرہ شامل ہیں۔ الغرض بیسویں صدی کے آغاز میں تحریر کیا گئے سفر نامے علمی، ادبی، تاریخی، مذہبی، ثقافتی اور انفرادی اور اجتماعی سماجی شعور کے عکاس ہیں سفر نامہ نگاروں نے سفر کے دوران جن مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کیا۔ اُن سب احوال کا تذکرہ اور ثقافتی پہچان کے دریچے وا کیے جو آئندہ کے صحرانور دان اور فن کے شناسوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ قیام پاکستان تک کا یہ خوبصورت سفر ادبی سوانحی چاشنی اور معلومات، نئی دنیاؤں کی تلاش کا بے بہا خزانہ ہے۔

اس باب کے تین حصّے ہیں پہلے حصّے تمہید، دوسرے حصّے میں الہامی اور غیر الہامی مذاہب کا تعارف کو زیر بحث لایا گیا ہے، جن میں یہودیت، عیسائیت، اسلام، ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت وغیرہ شامل ہیں جبکہ اس کے تیسرے حصّے اُردو میں سفر نامے کی مختصر تاریخ پر بحث کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد یوسف خان، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص ۳۱

۲۔ عمادالدین، حافظ، تفسیر ابن کثیر، (جلد اول) سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء ص ۴۷۲

۳۔ عمادالدین، حافظ، تفسیر ابن کثیر، (جلد چہارم) سورہ الروم آیت نمبر ۳۰، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء ص ۱۸۲

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۸ء ص ۱۳۶۷

۵۔ وحید الزمان، قاسمی کیرانوی، مولانا، القاموس الوحید، (عربی اُردو لغت) ادارہ اسلامیہ، لاہور، ص ۵۶۱

۶۔ حسن عمید، فرہنگ عمید، (فارسی ولغات عربی) فرہنگ مفصل ومصور، ص ۹۳۸

۷۔ Oxford Advanced learner’s Dictionary P: 988

۸۔ لیوس مور، مترجم سعدیہ جواد، یاسر جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات، لاہور ۲۰۱۵ء، ص ۹

۹۔ شیخ احمد دیدات، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، عبداللہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۲۵

۱۰ مظفر حسین ملک، ڈاکٹر، بشریات مذہب، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۶۷

۱۱۔ محمد احمد نعیمی، ڈاکٹر، اسلام اور ہندودھرم کا تقابلی مطالعہ (جلد اول)، ادارہ تحقیقات، کراچی، ۲۰۲۱ء ص ۳۷

۱۲۔ محمد یوسف خان، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص ۳۱

۱۳۔ ایم اسماعیل، مذاہب عالم، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۲۔۱۱

۱۴۔ ولیم جیمز، نفسیات واردات روحانی، مترجم عبدالحکیم، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۴ء ص ۳۷

۱۵۔ ایضا ص ۳۹

۱۶۔ شیخ احمد دیدات، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، عبداللہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۳۳

۱۷۔ ایضا ص ۳۴

۱۸۔ ذاکر نائیک، ڈاکٹر، دنیا کے بڑے مذاہب، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء ص ۲۶

۱۹۔ ایضا ص ۲۸

۲۰۔ ایضا ص۲۳۔۲۴

۲۱۔ شیخ احمد دیدات، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۶۱

۲۲۔ محمد اکرم رانا، پروفیسر، ڈاکٹر، بین الاقوامی مذاہب، یورپ اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۸

۲۳۔ شیخ احمد دیدات، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، عبد اللہ اکیڈمی لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۰۔۱۰۹

۲۴۔ آسیہ رشید، ڈاکٹر / محمد شارق، حافظ، مطالعہ مذاہب عالم ادارہ تحقیقات مذہب، ۲۰۱۶ء، ص ۷۶

۲۵۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۱۰۳، ۱۰۴

۲۶۔ شاہد مختار، ڈاکٹر، مسیحیت، شاہد پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن، ص ۲۶۔۲۵

۲۷۔ محمد جوناگڑھی، مولانا، احسن البیان (تفسیر) دارالسلام، لاہور، ص ۱۲۵۔۱۲۶

۲۸۔ اایضا ص ۲۲۹۔۲۳۰

۲۹۔ آسیہ رشید، ڈاکٹر، / حافظ محمد شارق، مطالعہ مذاہب عالم، ادارہ تحقیقات مذاہب، ۲۰۱۶

۳۰۔ محمد یوسف خان، مولانا، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص ۲۱۵

۳۱۔ محمد احمد نعیمی، ڈاکٹر، اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ (جلد اول)، ادارہ تحقیقات، کراچی، ۲۰۲۱ء ص ۴۰

۳۲۔ محمد جوناگڑھی، مولانا، احسن البیان، (تفسیر) سورہ الاحزاب آیت نمبر ۲۱ دارالسلام، لاہور، س۔ن، ص ۹۵۸

۳۳ محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۹

۳۴ محمد یوسف خان، مولانا، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص ۴۲

۳۵۔ لیوس مور / مترجم یاسر جواد، سعدیہ جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات پبلیشرز، لاہور ۲۰۱۵ء، ص ۱۶

۳۶۔ جلال افسر سنبھلی، مہابھارت، آرٹ پریس دہلی، دہلی، ۱۹۸۹ء ص ۷

۳۷۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم،، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۱۶

۳۸۔ محمد یوسف خان، مولانا، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص ۸۲۔۸۳

۳۹۔ الیگزینڈر ربرزن، مترجم، امجد علی بھٹی، ڈاکٹر، بدھ مت اور اسلام، فکشن ہاؤس، لاہور ۲۰۱۶ء ص ۱۱۲

۴۰۔ لیبان، ڈاکٹر۔ مترجم، سید علی بلگرامی، تمدن ہند، الفیصل، لاہور ۲۰۱۵ء ص ۲۰۲-۲۰۳

۴۱۔ لیوس مور / مترجم یاسر جواد سعدیہ جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات، لاہور ۲۰۱۸ء، ص ۲۲۳

۴۲۔ نیاز فتح پوری، علامہ، خدا اور تصور خدا، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۳۱

۴۳۔ آسیہ رشید، ڈاکٹر / حافظ محمد شارق، مطالعہ مذاہب عالم، ادارہ تحقیقات مذاہب، ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۲-۱۶۱

۴۴- لیوس مور / مترجم یاسر جواد سعدیہ جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات، لاہور ۲۰۱۸ء، ص ۲۰۴

۴۵- عماد الحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، بِک کارنر جہلم، ۲۰۱۳ء، ص ۱۸۹

۴۶۔ ایم اسماعیل، مذاہب عالم، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۲۶-۱۲۵

۴۷۔ لیوس مور / مترجم یاسر جواد۔ سعدیہ جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲۵۳

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۴۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان، اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۴

۵۰۔ وحید الرحمن خان، نقد سفر، بک ہوم، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵

۵۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو کا پہلا سفر نامہ، عجائبات فرنگ، مشمولہ الزبیر سفر نامے اُردو اکادمی، بہاول پور ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۶۔۱۳۵

۵۲۔ مسیح الدّین علوی، مولوی، تاریخ انگلستان، الفاظ بک ایجنسی لکھنو، ۱۸۵۶ء، ص ۹۲

۵۳۔ سر سید احمد خاں، مسافران لندن، مرتب اسماعیل پانی پتی، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۸۶۹ء، ص ۱۹۷۔۱۹۸

۵۴۔ محمد جعفر تھانیسری، مولوی، کالا پانی، صوفی پبلیکیشنگ کمپنی، منڈی بہاوالدین، ۱۹۲۳ء، ص ۱۱۵

۵۵۔ محمد حسین آزاد، مولانا، سیر ایران، کریمی پریس لاہور، ۱۸۸۶ء، ص ۱۶۔۱۵

۵۶۔ شبلی نعمانی، سفر نامہ روم، مصر و شام، آگرہ، ۱۸۹۴ء، ص ۲

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۵

۵۸۔ عبد الخالق مولوی، موحد، سیر برہما، مطبع نامی، لکھنؤ، ۱۸۹۳ء، ص ۲۷

۵۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان، اُردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۷

۶۰۔ عطیہ فیضی رحمن، زمانہ تحصیل، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۹۲۲ء، ص ۸۵

۶۱۔ خالد محمود، اُردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ جامعہ، دہلی ۲۰۱۱ء، ص ۲۰۳

باب دوم:

اردو سفر ناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء)

اُردو سفر ناموں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں جو سفر نامے قلمبند کیے گئے، ان میں کسی مقام یا جگہ کا جغرافیہ محل وقوع کے ساتھ ساتھ رسوم ورواج کو فروغ دیا گیا ہے۔ اس دور کے سفر ناموں میں سفر نامہ نگاروں کا ذاتی نقطہ نظر بہت کم نظر آتا ہے جس کی وجہ سے ان سفر ناموں میں دلچسپی کے عناصر میں بہت کمی واقع ہوئی ہے اور زیادہ تر سفر نامے خشک اور بے رنگ ہیں۔ بیسویں صدی میں سفر نامہ کی اس صنف کو نیا موڑ دیا جو اس کی ترقی کا باعث بنا۔ سفر نگاروں نے اپنے سفر میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اس میں افسانوی نقطہ نظر کو اپنایا جس کی بدولت سفر نامہ کی مقبولیت اور شہرت میں دن بدن اضافہ ہوا۔

۱۹۴۷ء کے بعد اُردو سفر نامے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کے اثرات موضوعات پر بھی واضح دکھائی دیتے ہیں۔ سفر نامہ نگار نے مقامات، حالات اورواقعات کے ساتھ ساتھ جذبات، احساسات، مشاہدات اور تجربات کو بھی منظر عام پر لائے۔ موضوعاتی لحاظ سے سفر نامے کی وسعت میں اضافہ ہوا لیکن مقامات کی معلومات میں فراہمی اور مقاصد کی تکمیل کے علاوہ تقسیم کا دکھ، ہجرت، تعلیمی نظام، تجارت اور ادبی ماحول جیسے مسائل بھی در پیش آئے۔ سفر نامہ نگاروں نے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماحول سے ہم آہنگی اور خود کو اس کا جز خیال کرتے ہوئے سفر نامہ کو دلچسپ اور شگفتہ بنایا۔ سفر نامہ نگاروں نے جن جن ممالک کی سیر کی وہاں کے تہذیبی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور مذہبی عناصر کو بھی اپنے سفر نامہ میں موضوع بنایا تا کہ قاری اس سے مستفید ہو سکے۔

ا۔ عقائد:

ما قبل باب میں مذہب کے حوالے سے عقائد کی مبادی مباحث ہو چکیں۔ اس باب میں فقد اُن عقائد کی نشاندہی کی جائے گی جو مختلف اسفار میں سامنے آئے۔ سفر نامہ نگاروں نے مذہبی مظاہر کو جس زاویہ نظر سے دیکھا ہے اُن کی مباحث اس جائزے میں پیش نظر نہیں ہے فقد نشاندہی اور سفر نامے میں اُن عقائد کے علمی ومذہب جواز کو موضوع بنایا گیا ہے۔

خواجہ حسن نظامی پاکستان کے سفر کے دوران عیسائیت کے عقائد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف تھے انھوں نے سازش کی رومی بادشاہ کی تصویر پر ایک روپیہ کسٹم لگادیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بادشاہ ہم سے کسٹم طلب کرتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام توریت کے خلاف بات کی مخالفت کریں گئے رومی بادشاہ ان کو باغی قرار دے گا لیکن ان کی یہ سازش ناکام ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک جواب دیا جو بادشاہ کا حق ہے وہ بادشاہ کو دیا اور جو خدا کو حق ہے۔ وہ خدا کو دیں اور انہی الفاظ کی روشنی میں خواجہ حسن نظامی یوں لکھتے ہیں:

> ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسٹم کی مخالفت کریں گے تو رومی حکومت کے باغی ٹھہریں گے اور کسٹم کی تائید کریں گے تو توریت کے مخالف قرار پائیں گے جس نے چنگی کو گناہ بتایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا جاؤ خدا کا حق خدا کو دو اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو دو۔“ (۱)

ب۔ مذہبی اقدار:

اقدار کا براہ راست تعلق اخلاقیات سے ہے اور اخلاقیات کو کئی حوالوں سے مذہبی اہمیت دی جاتی ہے یا محتاط الفاظ میں مذہب کا درجہ دیا جاتا ہے اگرچہ یہ براہ راست مذہب کے ذیل میں نہیں آتیں لیکن اہمیت میں مذہب سے کم نہیں ہیں۔ سفر نامہ نگاروں نے مختلف علاقائی اقدار کا کثرت سے ذکر کیا ہے چنانچہ اُن اقدار کی درجہ بندی کر کے مذہبی حوالے سے دیکھنے کی کوشش اس مقالے کا حصہ ہے۔

اُردو سفر نامہ کے ارتقاء میں سب سے پہلا سفر نامہ محمود نظامی کا ہے۔ انھوں نے قدیم اور روایتی انداز کے بجائے سفر نامے کی صنف میں ایک نئے اور جدید انداز اپنایا جس کی وجہ سے تصورات اور تخیلات کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ محمود نظامی کے سفر نامہ نظر نامہ میں تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا۔ نظر نامہ میں متعدد ممالک کی سیر کا احوال قلمبند کیا گیا ہے اور ان ممالک کی ثقافتی،، تہذیبی، سیاسی، سماجی، مذہبی نظریات اور عقائد و اعتقادات کا جامع اظہار کیا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اُن کی تحریر میں اعتدال و توازن کی فضا ہر مقام پر چھائی رہی ہے۔ بالخصوص مصر کے سفر کے دوران تاریخی عمارات اور قدیم فن تعمیر میں خفتہ رازوں کو آشکار کرنے کی سعی کی ہے۔ عیسائیت کے مذہبی عناصر کی نشاندہی کرتے ہوئے محمود نظامی یوں رقم طراز ہیں۔

> "پادری اپنے گرجے میں شریک عبادت ہونے والے تمام نفوس کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ وہ ان کی خوشی اور غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے، ان کے مسائل کے حل تجویز کرتا ہے، ان کی معاشرتی گتھیوں کو سلجھاتا ہے، حد یہ ہے کہ وہ ان کے گھروں میں اسی طرح داخل ہوتا ہے۔ جیسے وہ کنبے کا فرد ہی نہیں باپ بھی ہے۔ لہذا "فادر" کے رشتے سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں اگر کسی کنبے میں چار لڑکے ہوں تو جہاں ایک فوج میں، دوسرا سیاست میں اور تیسرا تجارت میں شامل ہونے کی تیاری کرتا ہے وہاں ایک غالباً پادری بننا بھی چاہے گا۔"(۲)

اسی طرح جگن ناتھ آزاد نے عثمانیہ کالج کے تعلیمی نظام کے مختلف پہلوؤں کا بخوبی جائزہ لیا وہاں پر دیگر ممالک کے طلبہ زیر تعلیم طلبہ تھے ان میں تعصب، کم ظرفی اور تنگ نظری کے ناپید ہونے کو سراہا ہے۔ اُن میں مذہبی عناد نہ ہونے کی وجہ بھی دریافت کی ہے۔ ہوسٹل میں دو کچن ہیں جو ویجی ٹیرین اور نان ویجی ٹیرین کے نام سے مشہور ہیں مزید تفصیل جگن ناتھ آزاد کے الفاظ میں:

> "مولوی صاحب نے کالج کا ماحول ہندوستان کی سیکولر اسٹیٹ کے شایان شان بنایا ہوا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اس میں ہر مذہب و ملّت کے طلبہ تعلیم پا رہے ہیں بلکہ ہوسٹل میں جو دو کچن ہیں وہ ہندو اور مسلمان کے نام پر نہیں بلکہ ویجی ٹیرین اور نان ویجی ٹیرین کے نام کے پر ہیں اور میرے لئے یہ بات تعجب خیز تھی کہ جہاں نان ویجی ٹیرین کچن میں ہندوؤں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ وہاں ویجی ٹیرین میں مسلمان کافی تعداد میں موجود ہیں۔ کالج میں سائنس اور آرٹ دونوں کی تعلیم کا انتظام ہے۔ علمی اور ادبی سرگرمیاں کالج میں زوروں پر ہیں۔"(۳)

مختصر یہ کہ عثمانیہ کالج بحر رحمت ہے کسی بھی مذہب کے حوالے سے بات چیت کرنے پر مکمل آزادی ہے۔ یہاں پر اُن کی مولوی عبد الحق سے ملاقات ہوئی۔ اسی سال مولانا کو کعبۃ اللہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

جگن ناتھ آزاد نے مولوی عبد الحق سے حج کے بارے میں سعادتوں اور برکات کے سمیٹنے کا ذکر کیا تو مولانا کی بیان کردہ تفصیلات کو یوں جگن ناتھ آزاد صفحہ قرطاس پر منقش کیا۔

> "رات کو مولانا عبد الحق نے ایک عظیم جلسے میں اپنے حج کے تاثرات بیان کئے۔ آپ مدراس کے مشاعرے سے چند دن ہی قبل حج سے واپس آئے تھے۔ کالج کواڈرینگل

> حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک اپنی تقریر جاری رکھ کے آپ نے ایک طلسم سا باندھ دیا۔ آپ نے حج کی مشکلات بہت وضاحت سے بیان کیں اور کہا کہ بوڑھوں، بیماروں اور بچوں کے لئے یہ سفر بالکل لازمی نہیں ہے۔ "(۴)

اسی تواتر میں خواجہ حسن نظامی بھی اپنی یادوں کو جو اُنھوں نے حج کے دوران مکہ، میدان عرفات یا دیگر مقدس مقامات کی تھیں کا تذکرہ کر کے سکون قلب کا سامان کیا ہے۔ اُنھوں نے سفر نامہ پاکستان میں ارض پاک کی مقدس فضاؤں میں اُسی تقدیس و تکریم کے جذبات کو محسوس کیا ہے جو حج کے دوران اُن کے محسوسات اور جذبات میں موجود تھے۔ خواجہ حسن نظامی کے مطابق:

> "سب مسلمان جانتے ہیں کہ کعبے کا حج جب پورا ہوتا ہے کہ کعبے سے چند میل کے فاصلے پر میدان عرفات میں سب حاجی دن بھر جمع رہیں۔ اور اس میدان میں جمع ہونا اتنا ضروری ہے کہ یہاں آئے بغیر حج پورا نہیں ہوتا۔ یعنی اگر کوئی شخص کعبے کی زیارت کر لے اور طواف کر لے اور صفا و مروہ میں گشت لگا لے اور بعد ازاں میدان عرفات میں نہ جائے تو حج ادا نہیں ہوگا۔ "(۵)

مزید یہ کہ جذبات کے اسی طلاطم کو آگے بڑھاتے ہوئے حسن نظامی تحریر کرتے ہیں

> "عرفات کا ترجمہ شناخت اور پہچان ہے درویشوں میں اس کے لفظ عرفان بولا جاتا ہے اور یہ بھی ایک حدیث ہے یا حضرت علی کا قول ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ، فَقَدْ عَرَفَ رَبہ،۔ جس نے اپنے وجود کو پہچان لیا وہ خدا کو بھی پہچان جاتا ہے لہذا ثابت ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ اس میدان کو عرفات کا میدان اس واسطے کہتے ہیں کہ یہاں سب انسان جمع ہو کر دل اور خیالات کی یکسوئی سے خدا کو پہچانیں۔ اور چونکہ خدا کی زمین کے ہر حصّے کے انسان یہاں جمع ہوتے ہیں اس لئے وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو پہچانیں۔ "(۶)

اسلامی اقدار میں توازن ہے۔ اسراف اور فضول رسم و رواج کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ لاہور کی سیر کے دوران خواجہ حسن نظامی فضول خرچی، نمود نمائش اور عیش و عشرت کو دیکھتے ہیں تو ایک لمحہ چونک جاتے ہیں فلش بیک میں وہ نعرہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا گھوم جاتا ہے۔ افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ اس وطن مسلم میں ایسی خرافات کیوں وقوع پذیر ہیں۔ اس تناظر میں حسن نظامی یوں رقم طراز ہیں:

> "میں خوش ہو رہا تھا کہ پاکستان نے خدا کے حکم پر توجہ کی۔ کیونکہ قرآن میں خدا نے فرمایا ہے کہ ”کھاؤ اور پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔"(۷)

ابوالحسن علی ندوی قاہرہ کی سیر کے دوران اسلامی علوم واقدار کے حوالے سے فکر مند ہیں۔ دنیا میں سب سے قدیم درسگاہ جامعہ ازہر ہے، یہ وہ عظیم درسگاہ ہے جس میں دینی اور دنیوی علوم دونوں کی تدریس کی جاتی ہے۔ اس میں میڈیکل، انجینئرنگ اور سائنس تمام علوم دنیوی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ خیر و شر مبادزت ازلی ہے۔ اس کا موازنہ کرتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

> "ایک طرف دنیا کی سب سے بڑی اور پُرانی دینی درسگاہ (جامعہ ازہر) ہے تو دوسری طرف شرق اوسط کی سب سے بڑی عصری یونی ورسٹی (جامعہ فواد) ہے، ایک طرف دنیائے اسلام کی سب سے زیادہ طاقتور اسلامی تحریکیں سرگرم عمل ہیں تو دوسری طرف ترقی پسندی اور اخلاق سے بغاوت کی پُرجوش دعوتیں ہیں جو ہر طرح کے نظاموں اور ہر قسم کے اداروں کو درہم برہم کر دینے پر تُلی ہوئی ہیں۔ کہیں فقہی نکتہ سنجیاں ہیں تو کہیں احادیث نبوی ﷺ پر ایسی بینظیر تصانیف جن سے پورا عالم اسلام استفادہ کر رہا ہے، کہیں ادبی سرگرمیاں ہیں جو پوری عربی دنیا کو ذہنی غذا بخش رہی ہیں، تو کہیں ماہرین لعنت کی ایک جماعت مصروف کار ہے، کہیں آزادی فکر ورائے کے دلدادہ انشاء پرواز ہر نقش کہن کو مٹانے اور ہر طرح کی پابندی سے آزاد ہونے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہیں ایسے کتب خانے ملتے ہیں جن میں قدیم عربی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ تو کہیں ایسے پریس ہیں جو شعر و ادب کے ہر رطب ویابس کو دنیا کے سامنے پیش کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اور جن کا صالح و فاسد لٹریچر تمام عربی ممالک پر چھاتا چلا جارہا ہے۔"(۸)

امیر خانم یورپ کی سیر کے دوران اپنے تاثرات بیان کرتی ہیں کہ جب مسلمان کسی بھی غیر ملک میں جاتا ہے تو اس کو حلال اور حرام کی تمیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ماسوائے شراب، مردار اور غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جانے والی اشیاء حرام ہیں ان سے اجتناب کیا جائے۔ انہی کیفیات کو مد نظر رکھتے ہوئے امیر خانم یوں لکھتی ہیں۔

> "خدا پاک نے ہمارے لیے ساری دنیا کی تمام چیزیں حلال کر دیں اور صرف سور، شراب، خون مردار اور کسی غیر اللہ کے نام لے کر ذبح کی ہوئی چیز سے منع فرما دیا۔ تو یہ اتنی نعمتیں جن کا ہم شمار نہیں کر سکتے اس نے ہمیں بخشیں۔"(۹)

ابو الحسن ندوی حج کے دوران تجلیات خداوندی کو محسوس کرتے ہیں ان کے سامنے وہ تمام واقعات واشگاف ہیں اور عہد نبویؐ کا زمانہ آجاتا ہے جب کعبہ کی کلید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوتی ہے ابو الحسن علی ندوی کے الفاظ میں:

> "پھر میں نے دیکھا کہ وہی سردار فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، اس کے وہ ساتھی جنھوں نے اپنے کو اس پر قربان کر دیا تھا، اس کے ارد گرد پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں، اس وقت وہ کعبہ کے کلید بردار کو بُلاتا ہے اور کہتا ہے۔ ”عثمان! لو یہ تمہاری کنجی ہے، آج کا دن نیکی اور، ایفائے عہد کا دن ہے،"(۱۰)

حج کی ادائیگی کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں تشریف آوری کے دوران لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں پہنچ کر سب سے پہلے دو رکعات نماز بطور شکرانہ ادا کی پھر آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا اس کے بعد احسانات اور کرامات کا شکر کرتے ہوئے ابو الحسن علی ندوی یوں لکھتے ہیں۔

> "جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو سب سے پہلے میں نے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی اور اس سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ میں آپ ﷺ کے ان احسانات کے نیچے دبا ہوا تھا جن سے عہدہ بر آ ہونے کی مجھ میں صلاحیت نہ تھی۔ میں نے آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھا اور گواہی دی کہ بیشک آپ نے اللہ کا پیغام کماحقہ پہنچا دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت کو پورا پورا ادا کر دیا۔ اُمت کو سیدھی راہ دکھائی اور اللہ کی راہ میں دم واپسیں تک پوری پوری کوشش کی۔"(۱۱)

ایران کی سیر کے دوران انعام اللہ خان لکھتے ہیں کہ ان کو ایران میں جا کر اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ ایران ایک اسلامی ملک ہے۔ مسلمان چاہے کسی ملک کے ہوں ایک دوسرے سے اخوت کے رشتہ سے منسلک ہیں۔ انہی الفاظ کی روشنی میں انعام اللہ خان اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> "طیارہ جب ایران کی طرف اُڑا تو میں تصوراتی اعتبار سے یہ نہیں محسوس کر رہا تھا کہ میں کسی بیگانہ ملک میں جا رہا ہوں، یوں بھی اسلامی ممالک ایک دوسرے سے کبھی

> اجنبی نہیں رہے اور مسلمان کسی ملک کے مسلمان کو دیکھ کر نہ غیرت برتتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔۔۔ اور امت مرحومہ پر یہ بھی اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ ورنہ آج جب کہ اقوام جغرافیائی حد بندیوں میں جکڑی ہوئی ہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے قلبی تعلق رکھنا کیا آسان ہے؟ اور ایسے میں جبکہ آج مدتوں سے مغربی طاقت اور اقوام اس سعی میں مصروف ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا رشتہ اخوت توڑ ڈالیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں میں یہ رشتہ اخوت باقی ہے اور نہ صرف باقی ہے بلکہ مسلک کی جو گرہیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں وہ پھر مضبوط ہو رہی ہیں۔"(۱۲)

اخوت کا یہی رشتہ اگر مضبوط ہو گا تو کامیابیاں اور کامرانیاں ہمارے قدم چومیں گی اور اگر یہی رشتہ کمزور ہو گا تو ہم پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے اور فرقہ پرستی میں بٹ جائیں گے اور دشمن ہم پر غالب آجائیں گے۔ اسی حوالے سے انعام اللہ خان کا خیال ہے کہ:

> "پھر آپ نے وہ حدیث پاک بیان فرمائی جس میں ملت اسلامی کو ایک جسم سے تشبیہ دے کر ارشاد ہوا ہے کہ اگر کسی حصہ جسم کو تکلیف پہنچے تو سارے اعضا تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے اسی موقع پر سرکار دوعالم کی ایک دوسری حدیث بھی بیان فرمائی جس میں فرمایا گیا کہ ملت کی حیثیت ایک پنجہ کی سی ہے جب تک مختلف انگلیاں ہم آہنگی سے پنجہ سے ملی رہیں گی اس وقت تک پنجہ مضبوط رہے گا۔
>
> اور سچ ہے جب تک ہم اس حیثیت سے رہے ہم چہار دانگ عالم میں کامران وشادمان رہے۔ ہم جہاں گئے کامیابیوں اور سرفرازیوں نے ہمارے قدم چومے۔ اور جب سے ہمارا رشتہ اخوت کمزور ہوا اور ہمارے اندر پھوٹ پڑی، رقابتیں شروع ہوئیں، ہم فروعات کی الجھنوں میں گم ہونے لگے ہم پر بھی ادبار آنے لگا۔ ہماری طاقت کمزور ہو گئی۔ ہماری ”نشوونما“ رُک گئی۔ ہم چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئے اور ہر بڑی طاقت ہمارا شکار کھیلنے لگی! آج اگر ”موتمر“ کے نام سے باہمی آویزشوں اور تفرقہ سازیوں کو ختم کر سکو۔۔۔ تمام کلمہ گریوں کو ایک رشتہ اخوت و محبت میں باندھ لے سکو تو اس سے بڑی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے؟"۔(۱۳)

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں کسی کو کسی پر فوقیت اور برتری حاصل نہیں بلکہ فوقیت کا معیار تقویٰ پر ہے۔ اس مذہب میں گورے، کالے، عربی، عجمی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ مسلمان کا کامل یقین ہونا چاہیے۔ انہی الفاظ کی تائید میں انعام اللہ خان یوں رقم طراز ہیں۔

> "اسلام وہ مذہب ہے جس میں نہ رنگ نہ بو نہ اصل نہ نقل جغرافیائی حدود کسی کا دخل نہیں۔ مسلمان وہ ہے جو ایک خدا پر ایمان لے آئے۔ اس کے رسول ﷺ پر عقیدہ کامل رکھے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اور یہی فرمان مبارک موتمر عالم اسلامی کا خاص مقصد ہے تاکہ ایک روحانی تعلق کا پھر سے احیاء ہو جائے۔" (۱۴)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام مساوات اور بھائی چارہ کا درس دیتا ہے تمام مسلمان خواہ وہ دینا کے کسی خطے سے تعلق رکھتے ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ج۔ مقدس کتب:

مذہبی مظاہر میں اصول وضوابط اور احکامات کا مجتمع کر کے مقدس نسخوں یا کُتب کی شکل دی جاتی ہے تاکہ وہ تمام احکامات جن کا تعلق اُس مذہب سے ہے وہ ایک ضابطہ حیات کی صورت میں مستقل راہنمائی فراہم کرتی رہے۔ الہامی کُتب میں مقدس صحائف کے ساتھ ساتھ تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک جب کہ غیر الہامی میں وید، پران، گرنتھ، وغیرہ شامل ہیں۔

آزاد جگن ناتھ ایک مشہور ومعروف شاعر، نقاد، سفرنامہ نگاراور ماہر اقبالیات ہیں ان کا سفرنامہ "جنوبی ہند میں دو ہفتے" مشہور و معروف سفرنامہ ہے جو کہ سفرنامہ دلی سے مدراس تک کے سفر پر محیط ہے۔ اس سفرنامہ میں زبان و ادب سے متعلق مختلف موضوعات کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات اور فطرت کے حسین مناظر کا بھی بخوبی سے جائزہ لیا گیا۔ اس کے علاوہ وہاں تہذیبی، سیاسی، مذہبی، اور علمی ادبی حالات سے بھی قاری کو آگاہ کیا۔ جگن ناتھ مدراس کی سیر کے دوران اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کی عظمت وتقدس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کے قلمی نسخے کو انتہائی پیار سے ہاتھ لگتے ہیں۔ وہ یہ صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ لوگ قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگاتے کہ کہیں میلا نہ ہو جائے اور اس کے تقدس اوراحترام کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ وہ لوگ اس کو چومتے ہیں اور قلمی نسخے میں سونے کا کام کثرت سے دکھائی دیتا ہے۔

بقول جگن ناتھ:

> "قرآن مجید کے ایسے نادر قلمی نسخے دیکھنے میں آئے کہ اُن کی تعریف حد امکان سے باہر ہے۔ ایک نسخہ نہایت چھوٹے سائز پر اتنے باریک کاغذ کا تھا کہ اُسے ہاتھ لگاتے ہوئے یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں میلا نہ ہو جائے۔ تعجّب ہے کہ خوش نویس نے اس ذرا سے نسخے میں کلام پاک کی ساری عبارت لکھ دی۔ اکثر قلمی نسخوں میں سونے کا کام بڑی کثرت سے کیا ہوا نظر آیا۔"(۱۵)

"سفر نامہ پاکستان" خواجہ حسن نظامی دہلوی نے لکھا۔ اس سفر نامہ میں پاکستان کے مختلف علاقوں کی سیر کا تذکرہ کیا۔ اس کی اشاعت دہلی ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ یہ سفر نامہ دو اسفار پر مشتمل ہے۔ پہلا سفر ۲۱ مئی ۱۹۵۰ء میں کیا دوسری مرتبہ ۴ نومبر ۱۹۵۰ء میں پاکستان کا دورہ کیا۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی کراچی کی سیر کے دوران اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کراچی میں مختلف مقامات کی سیر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ملاقات نامور اختلافی شخصیات سے ہوئی۔ ان کی گفتگو نہ تو سیاسی اور نہ اختلافی مسائل پر ہوئی تھی۔ بلکہ مذہبی ہوتی تھی کہ ایک گورنر جنرل نے ان کو دعوت پر بلایا تو تقریباً پونے دو گھنٹے فہم قرآن پر بات ہوئی۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور اس کے تقدس پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ اسکا ادب و احترام تمام کے مسلمانوں پر فرض ہے۔ دنیا کے جتنے بھی مسائل، اختلاف اور معاملات ہیں ان سب کا حل قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے مسائل و مشکلات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں یہی نہیں بلکہ قرآن مجید دنیوی اور اُخروی کی زندگی میں کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ تا قیامت اس میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں آئے گا چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنے سے دنیا و آخرت کی کامیابی ملتی ہے۔ فہم قرآن کے سیکھنے کے لیے اعتماد اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان ثابت قدم رہتا ہے تو بہت سی مشکلات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ قرآن مجید تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔ جو اس کو پڑھتا اور سنتا ہے لیکن اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا دوسروں تک اس کی تعلیمات نہیں پہنچاتا اس کی مثال اندھے اور بہرے کی سی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کا درس دیتا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید غور و فکر کی تعلیم دیتا ہے۔ کائنات پر غور و فکر کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے معنی و مطلب پر غور کیا جائے قرآن تمام مسائل کے حل کے ساتھ،

فکر و تدبر، خود اعتمادی اور عاجز انکساری کا درس دیتا ہے۔ قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ فہم قرآن کے حوالے سے خواجہ حسن نظامی دہلوی یوں لکھتے ہیں۔

> "پونے دو گھنٹے تک مسائل قرآن پر گفتگو ہوئی کوئی سیاسی بات نہ انھوں نے کی نہ میں نے کی۔ میں نے ان کو فہم قرآن کا بہت دل دادہ پایا مسلمان فرقوں کی اختلافی مسائل کا ذکر بھی آیا اور قرآن کی تعلیم کی بموجب ایک طرح کی بحث بھی ہوئی۔"(۱۶)

قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا آسان نہیں ہے۔ صرف زبانی حفظ کرنے سے اس کلام کے حق کی ادائیگی نہیں ہو سکتی بلکہ اس معنوی عظمت کا لحاظ رکھنا اس کے مفہوم و حقیقت سے آگاہی انسانی فہم و فراست کے بس کی بات نہیں۔ اسی حوالے سے خواجہ حسن نظامی لاہور کی سیر کے دوران اپنے دوستوں سے گفتگو کر رہے تھے کہ دوست نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت پر بحث کرتا ہوا سوال کیا۔

بقول خواجہ حسن نظامی:

> "حضرت آدم کی خلافت کا ذکر آیا تو اس درخت کی بحث شروع ہوئی جس کے پاس جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔ میں نے وہ مضامین بیان کیے جو اپنی کتاب اسرار اعظم میں لکھ چکا ہوں اس پر مولانا سید احمد علی صاحب ہوم سیکرٹری نے ایک نیا نکتہ پیش کیا کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ میں هٰذِهِ سے کیا مراد ہے۔؟ میں لاجواب ہو گیا اور کہا کہ میں دہلی جا کر اور تفسیریں پڑھ کر اس کا جواب آپ کو دونگا تاہم میں اپنے اس دعوے کو واپس لیتا ہوں کہ جتنا میں نے قرآن کی اس بحث کو سمجھا ہے اتنا آج تک کسی نے نہیں سمجھا تھا۔" (۱۷)

قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جو انسانیت کی رہنمائی کے لیے قیامت تک رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن پاک ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں امیر خانم یوں رقم طراز ہیں۔

> "خدا ہماری مسلمان قوم کو ہدایت دے کہ قرآن مجید میں تو یہ حکم لکھا ہے کہ (اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے) لیکن پھر بھی وہ خود وہی کچھ کرتے ہیں جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اور باقی مخلوق پر بھی خدا رحم کرے کہ اپنے مخلص بندے پیدا کرے جو کمر باندھ کر صرف لفظ لفظ قرآن کے اندر جو دین ہے وہ دنیا تک پہنچا دیں اور باہر سے دوسرے دینوں کی جن کی اصل تختیاں تو

> مٹ چکی ہیں اور کوڑے کرکٹ میں کچھ ملا جُلا ان کی مدد سے قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہیں وہ سب کچھ جو دوسرے دین میں ملا ہوا کوڑا ہے وہ لے کر ترجمہ میں بھر دیتے ہیں جو خدا نے ہر پھول کا شہد لے کر قرآن مجید کے چھتے میں بھرا جو کوڑا کرکٹ چھان پھٹک کر خدا نے دانہ دانہ براہیمی دین کا چن چن کر قرآن مجید کے کھتے میں بھرا اس کے ترجمہ میں وہ یہ سب کچھ ملا دینا چاہتے ہیں۔ اصل دین بس قرآن مجید کے لفظ لفظ کے ترجمہ میں ہے بریکٹوں میں سے سب کچھ چھوڑ جائیے۔ اور پھر لغتوں کی مدد سے قرآن مجید کا لفظ لفظ غور و فکر سے پڑھیئے تب اصل دین آپ کی سمجھ میں بغیر کسی کے سمجھائے ہوئے ہی آ جائے گا کیونکہ جو ڈھونڈے گا سو پائے گا۔"(۱۸)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے انسان کی کامیابی وکامرانی اسی میں ہے قرآنی تعلیمات پر عمل کرے۔

د۔ مقدس مقامات:

مقدس مقامات کو مذہبی عناصر میں مذہبی اہمیت کے باعث اہمیت رہی ہے۔ بنیادی طور پر کسی ایک مقام پر جمع ہو کر عبادت کا تصور تقدس کا جواز فراہم کرتا ہے لہذا ہر مذہب میں اُن کی عبادات کا جو بھی طریقہ ہو اُسے ایک خاص عمارت میں ادا کیا جاتا ہے چنانچہ ہندووں کے مندر، عیسائیوں کے چرچ سکھوں کے گردوارے، بودھا کے سٹوپے اور مسلمانوں کی مساجد فقد عبادت کے باعث تقدس کے حامل ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی قاہرہ کی سیر کے دوران اہرام مصر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اہرام ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی قدیم عمارات ہیں۔ قدیم مصری اور اقوام جو سورج کو اپنا دیوتا تصور کرتی تھیں۔ انھوں نے اہرام کی بنیاد رکھی۔ ان عمارتوں کو بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس میں فرعون اور شاہی خاندان کے افراد کی نعشوں کو حنوط کر کے محفوظ کیا جائے۔ ان کے ساتھ فراعنہ سپاہیوں، پالتو جانوروں، غلاموں اور کنیزوں کے نعشوں کو بھی محفوظ کرنے کے اقدامات کیے گئے ساتھ ہی قیمتی اشیاء اور ادویات اور سازوسامان کو بھی عمدہ طریقے سے یادگار بنایا گیا۔ حنوط شدہ نعشوں پر گندم کا تیل، شہد اور کیمیائی مرکبات کو لاشوں پر چھڑک کر اہرام میں رکھ دیے گئے ہیں۔ صدیاں گزرنے کے باوجود ان کے چہروں پر بوسیدگی کے اثرات نظر نہیں آتے۔ اہراموں کی دیوارں پر مصوری اور عمدہ کشیدہ کاری کی بھی گئی ہے۔ یہ عمارات قدیم مذہب کی

جامع انداز سے تعبیر کی گئی ہیں۔ جدید نظام ان کے مقابلے میں بے اثر ہیں۔ اہرام کی یہ قدیم عمارات بہت مضبوط ہیں۔ ان پر زلزلوں، طوفانی بارشوں اور قدرتی حوادث سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہ عمارات مصر کی قدیم عجائبات اور یادگاریں ہیں۔ بقول ابوالحسن علی ندوی

> " قبل از اسلام کی یادگاروں میں سب سے قدیم اہرام مصر ہیں جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ "(۱۹)

فرعون نے خواب دیکھا اس کی تعبیر اس نے کاہنوں سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا اور وہ تمام بادشاہت کو ختم کرے گا اس پر فرعون نے بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کو قتل کر دیتا موسیٰؑ کی پیدائش پر اُن کی والدہ ماجدہ بہت پریشان ہو گئی اور اس نے لکڑی کے ایک صندوق میں بچے کو ڈال کر دریائے نیل میں پھینک دیا یہ صندوق فرعون کے محل کے پاس روکا گیا۔ فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نے اس بچے کو دیکھا تو آسیہ نے فرعون سے التجا کی کہ وہ اس کو اپنا بیٹا بنا لے پہلے تو فرعون نے انکار کیا لیکن پھر مان گیا اسی موسیٰؑ نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی موسیٰؑ ابھی بچے تھے تو انھوں نے فرعون کو تھپڑ مارا اس پر اس نے قتل کرنے کا حکم صادر کیا اس نے کہا شاید یہ بنی اسرائیل سے ہوں اور یہی اس کا دشمن ہو۔ تو اس پر حضرت آسیہ نے کہا ایک طرف موتی رکھتے ہیں اور دوسری طرف آگ۔ اگر بچہ انجان ہے تو وہ آگ کی طرف ہاتھ کر لے گا تو اس وقت اللہ نے فرشتے کو حکم دیا کہ وہ موسیٰؑ کا ہاتھ آگ کی طرف کر دے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آگ کی طرف ہاتھ کر دیا اس کے ایک اور واقعہ موسیٰؑ کے ساتھ پیش آیا جس کی وجہ سے فرعون کے محلات کو خدا حافظ کہنا پڑا کہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی اور مصری دونوں کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی آپ نے دونوں کی لڑائی ختم کروانے کی کوشش میں تھے لیکن مصری نہیں مان رہا تھا آپ نے اس کو تھپڑ مارا جس کی وجہ سے مصری مر گیا اگلے دن اسی آدمی کی کسی اور آدمی کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی موسیٰؑ آگے بڑھے اس شخص نے یہ دیکھتے ہی کہ آپ نے کل بھی ایک مصری کو مارا تھا، بھاگ گیا اور فرعون کے پاس جا پہنچا اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا اس پر فرعون برہم ہوا تو اس نے موسیٰؑ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو موسی علیہ السلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے مدین کی طرف رخ کیا۔ ادھر موسیٰ نے حضرت شعیبؑ کو سارا ماجرا سنایا تو انھوں نے آپ کو تسلی دی کہ یہاں پر فرعون کی حکومت نہیں ہے آپ مت گھبرائیں۔ اس کے بعد موسیٰؑ کا حضرت شعیبؑ کے ساتھ معاہدہ ہوا جو آٹھ سے دس سال کے عرصے پر محیط ہے اور وہ ان کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی کا نکاح موسیٰؑ سے کروا دیا۔

نکاح کے بعد آپ اپنی بیوی کے ساتھ مصر آرہے تھے کہ بیوی کو سردی لگ رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو دور سے آگ دکھائی دی تو آپ آگ لینے کے لیے بیوی کو وہیں چھوڑ کر کوہ طور پر گئے جب موسیٰؑ وہاں پہنچے تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آگ سبز درخت پر ہے اور یہ درخت کو جلاتی بھی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو غیب سے آواز آئی کہ فرعون نے سرکشی کی ہے۔ اس کو جا کر بتاؤ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر تو سیدھے راستے پر چلتا ہے تو میں اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں یہ راستہ ہدایت اور اصلاح کا ہے اگر تو اس راستہ کو اپنا لے گا تو اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے نوازے گا اگر تو سرکشی کرے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب میں مبتلا کر دے گئے یہ بات سن کر فرعون آگ بگولا ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا کہ میں ہی سب سے بڑا رب ہوں پھر اس نے سرکشی کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دیا اور بطور عبرت قیامت تک نشان بنا دیا اس کا مجسمہ عجائب خانہ میں آج بھی موجود ہے اسی حوالے سے محمود نظامی یوں لکھتے ہیں۔

> "عجائب خانے میں ایک اور جگہ پر انیسویں خاندان کے فرعون کی حنوط شدہ لاشیں رکھی تھیں۔ ان میں رعمسیس ثانی اور مرن پتہ کی ممیاں اس نسبت سے جو انھیں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ہے ہم مسافروں کی توجہ کا مرکز بن گئیں۔ رعمسیس ثانی کے بیٹے اور وارث فرعون مرن پتہ کی لاش کو دیکھ کر انسان کے اصل انجام کے احساس سے ہم سب کو ایک وحشت سی ہونے لگی اور میں سوچنے لگا کیا یہ وہی شخص تھا جس کے قدموں کی خاک پر انسان کی بلند اور روشن پیشانیاں اظہار عقیدت اور شرفِ نیاز میں رگڑی جاتی تھیں؟ کیا یہ وہی شخص تھا جس کے سامنے بڑے بڑے شہ زوروں کا زہرہ آب آب ہوتا تھا؟ کیا یہ وہی شخص تھا جو اپنے جلالِ شاہی اور دبدبۂ حکومت کے زعم میں اپنے آپ کو اپنی رعایا کا خالق گردانتا اور خود کو دیوتاؤں کی طرح پجواتا تھا اور جس نے سورۂ طٰہ کے مطابق اپنا اور خدائے لازوال کے عذاب کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دربار کے ان ساحروں سے جو حضرت موسیٰ کے معجزوں سے متاثر ہونے لگے تھے۔ غیظ(۲) کے عالم میں کہا تھا: ”جب تم میرے ہاتھوں اپنی سزا کو پہنچو گے اس وقت تمھیں پتہ چلے گا کہ مجھ میں اور موسیٰ کے خدا میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے۔؟“ مگر یہ ساڑھے تین ہزار سال پہلے کی بات تھی۔ اس وقت سے شخص موت کی ابدی

> گرفت میں یوں پڑا ہوا تھا گویا زندگی میں اسے تکبر و نخوت نے چھوا تک نہیں تھا۔ "(۲۰)

فرعون کے اس غرور و تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دریا میں غرق کر دیا بحیرہ قلزوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پانی پر مارا تو پانی پھٹ کر دیوار کی مانند کھڑا ہو گیا اور سمندر میں سے راستہ بن گیا موسیٰؑ اوران کی قوم نے سمندر پار کر لیا تو بنی اسرائیل کی قوم نے بھی سمندر عبور کرنا چاہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے جب وہ درمیان میں آ چکے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا فرعون اور اسکی قوم پانی میں غرق ہو گی۔ اس وقت فرعون نے کہا کی موسیٰؑ ہم تیرے رب پر ایمان لاتے ہیں وہ برحق ہے تو اس وقت ان کی چیخ و پکار کا بے سود تھی۔ اس طرح اللہ نے فرعون کو بعد آنے والوں کے لیے عبرت کے طور پر قدرت حق کی ایک نشانی ہے کہ وہ اس سے سبق حاصل کر سکے۔

سفر نامہ نگار اپنے سفر میں مختلف علاقوں کے مدرجات کا باریک بینی سے اظہار کرتا ہے۔ محمود نظامی روم کے سفر کے دوران روم کے سب سے بڑا گرجا گھر فنی خوبصورتی کے عکس میں لکھتے ہیں۔ سینٹ پیٹرز عیسائیوں کا ایک بہت بڑا گرجا گھر ہے۔ اس کے تاریخی مجسموں، مذہبی ترکات، دیواروں پر عمدہ مصوری اور ثقافتی کی گئی ہے اس فن تعمیر ایک شخص مائیکو انجلو نے کی ہے اس کے تخلیق کردہ نمونوں پر جب نظر پڑتی ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس سے انسان کے جذبات، احساسات اور انسان کے اندر صلاحیتوں کی باکمال وصف دکھائی دیتی ہے۔ اس فنی خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے گرجا گھر کی رونق کو چار چاند لگا دیے انہی الفاظ کی روشنی میں محمود نظامی یوں لکھتے ہیں۔

> "سینٹ پیٹرز دنیا کا سب سے بڑا گرجا ہے لیکن اندر جا کر انسان کو اس کی مہیب، وسعت اور بلندی کا احساس نہیں رہتا بلکہ اس کی توجہ قربان گاہ اور ہیکل کے بیش بہا سازوسامان، جناب پطرس کی تربت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مجسمے، تاریخی عجائبات، مذہبی تبرکات، دیواروں کی تصویروں، چھتوں کے نقوش اور فنی نوادر میں کچھ اس طرح گم ہو جاتی ہے کہ وہ اصل کلیسا کی وسعت و بلندی سے یکسر بے خبر ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت اسے دنگ کر دیتی ہے کہ اس عمارت کی دلکشی اور اس کا فنی حسن محض ایک شخص کی مافوق الفطرت استعداد اور قابلیت کا مرہون منت ہے۔ گو سینٹ پیٹر کی دیواروں کی تصویر کاری ریفیل کے موقلم کی شرمندۂ احسان

> ہے لیکن اس کے علاوہ سنگ تراشی، مصوری اور فن تعمیر کے باقی تمام نوادر صرف ایک شخص مائیکل انجلو کے کسب کمال کی معراج ہیں۔ ان نوادر کی دید سے ناظر کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگتا ہے کہ انسان جو اپنے ادراک وذکاوت سے فن کے ایسے ابدی نمونوں کی تخلیق کر سکتا ہے، بذاتِ خود قدرت کا کتنا بڑا شاہکار ہے۔!"(۲۱)

روم عیسائیت کے لیے ایک مقدس مقام کی حیثیت رکھتا ہے اس شہر میں جا بجا مذہبی خانقاہیں، مذہبی درس گاہیں اور راہب خانے ہیں بسا اوقات یوں لگتا ہے کہ یہ صرف عیسائیوں کا مذہبی شہر ہی ہے جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے آویزاں کیے ہوئے ہیں۔ مذہبی عبادات کے دوران جو دلکش نظر دکھائی دیتا ہے اس کی تفصیل میں محمود نظامی یوں لکھتے ہیں:

> "روم کلیساؤں، خانقاہوں، مذہبی درس گاہوں، راہب خانوں کی اس قدر افراط ہے کہ اس پر بعض اوقات خالصتاً مذہبی شہر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ ہو گا جہاں کوئی نہ کوئی ایسی مذہبی عمارت موجود نہ ہو جس کا تعلق عیسائیت کے ابتدائی دور سے نہ ہو۔ گلیوں اور بازاروں میں جا بجا حضرت مسیح اور مقدس مریم کے مجسمے کھمبوں پر آویزاں ملتے ہیں۔ جگہ جگہ پادریوں، راہبوں، ننوں اور مذہبی پیشواؤں کی ٹولیاں آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ شام کے وقت جب سورج کی روپہلی کرنیں سینٹ پیٹرز کے امتدادِ زمانہ سے سنولائے ہوئے گنبد کی بیرونی لکیر کو سرخ دھاری میں بدل دیتی ہیں تو یک لخت کہیں دور سے شہر کے ہنگاموں پر تیرتی ہوئی گھنٹی کی ایک خوشی آئند آواز کانوں میں آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی سینکڑوں چھوٹے بڑے گھنٹے اس آواز کا ساتھ دینے کے لیے جاگ اٹھتے ہیں اور گھنٹوں اور گھنٹیوں کی یہ حسین و دلکش، نرم و نازک، بلند اور مدھم آواز اپنی ہم آہنگی اور یک جہتی سے ایک دلنواز نغمے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور پیتل کے اس پُرکیف ارتعاش پر گویا فضا کا دل اور کائنات کی روح رقص کرنے لگ جاتی ہے اور پھر اسی طرح نغمے کا یہ طوفان بتدریج کم ہوتا ہوا دریائے ٹائبر کی لہروں میں کہیں گم ہو جاتا ہے۔ شہر پر سکون اور خاموشی کا تسلط ہونے لگتا ہے۔"(۲۲)

نسیم حجازی استنبول کی سیر کے دوارن عیسائیت کے مقدس مقامات کا حوالہ دیتے ہیں۔ استنبول میں ایک مشہور گرجا گھر ہے۔ یہ سینٹ صوفیا کی عظیم عمارت جو ایا صوفیہ کے نام سے مشہور ہے یہ گرجا دو دفعہ

از سر نو تعمیر کیا گیا ایک دفعہ اس گر جا گھر میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے یہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا پھر اس عہد کے بادشاہ نے اس کی از سر نو تعمیر کروائی۔ اس کے بعد دوسری دفعہ زلزلے کی وجہ سے اس کی تباہی ہوئی۔ بقول نسیم حجازی

> "اس کے بعد ہم سینٹ صوفیا کی عظیم الشان عمارت دیکھنے کے لیے چل دیے، جو ایا صوفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عمارت قسطنطینہ کی فتح کے بعد مسجد بنے سے قبل سلطنت رُوما کا ایک عظیم گرجا تھی، جسے ۳۴۷ء میں شہنشاہ قسطنطین نے فتح کیا تھا۔ تعمیر کے ستاون سال بعد یہ گرجا آگ لگ جانے سے تباہ ہو گیا تھا اور شہنشاہ تھیودوسیس نے دوبارہ تعمیر کیا تھا، لیکن ۵۳۶ء کی بغاوت میں اس عمارت کو دوبارہ تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد جسٹینین نے اسے زیادہ وسیع پیمانے پر تعمیر کرایا اور اس کے طول و عرض میں کُچھ اضافے کیے، لیکن ۵۵۷ء میں زلزلے کے باعث اس کا گنبد مسمار ہو گیا۔ چنانچہ اسے ایک بار پھر تعمیر کرنا پڑا۔"(۲۳)

امیر خانم ایک بہت پرانا گرجا گھر کتھریڈ گلوسٹ کی منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ اس کو اندر سے خوب صورت درخت اور پھولوں سے سجایا گیا تھا اور اس پر گھاس کے تختے بنائے گئے تھے۔ مرد و خواتین ان درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے اس کا نظارہ کر رہے تھے۔ گرجا گھر کی عمارت خوبصورت اور شاندار تھی، اس کے حجروں میں عیسائیت کی تصاویر اور بائبل کے نسخے رکھے ہوئے تھے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں امیر خانم اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں:

> "ایسا سنگ مرمر کا بت تھا۔ اور سب سے بڑھ کر جو بات میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ جتنے بھی اونچی چھت کے گرد بڑے بڑے روشن دان کے شیشے تھے اس میں رنگ دار تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ سب تصویریں عیسائیت کے متعلق تھیں۔ کئی بت تھے۔ میں نے سوچا یہ اچھا عبادت خانہ ہے۔ بت خانہ اور قبرستان بنا کر رکھ دیا ہے ایک جگہ بائبل کے کھلے ہوئے نسخے پڑے ہوئے تھے۔ جس حجرے میں سینے پر ہاتھ باندھے مجسمہ ایک قبر پر لیٹا تھا اسی حجرے میں ایک چھوٹا ارگن رکھا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک کرسی پڑی تھی۔ ویسے سارے ہال میں ترتیب سے کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جو گرجے کے سر پر جگہ تھی جیسے ہماری مسجد کا محراب ہوتا ہے ویسے ان کے بڑی سی سٹیج تھی جس کا فرش باقی ہال سے کچھ کیا کافی اونچا تھا وہاں کہیں سونے کے

> جگمگاتے کہیں نگوں سے جڑاو، کہیں بلوری، کہیں کسی طرح کہیں کسی طرح کے صلیب پڑے تھے اور اوپر گیلری میں بہت بڑا آرگن تھا۔ ایک لڑکے نے ہمیں بتایا کہ یہ دنیا کے بڑے آرگنوں میں سے ایک ہے۔ جب یہ بجتا ہے تو سارا گرجا گونج اُٹھتا ہے اور باہر دُور دُور سنائی دیتا ہے۔ پھرتے پھرتے باہر نکلے تو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سلامتی، جو نہیں صلیب دیئے گئے نہیں صلیب پر مرے۔ اس کو ان لوگوں نے صلیب پر لٹکایا ہوا تھا۔ یہ سنگ مرمر کا تھا۔،، (۲۴)

ابوالحسن علی ندوی دمشق کی سیر کے دووان اسلام کے حوالے سے مسجد شاہجہانی کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے درِ دیوار میں تاریخ اسلام واقعات ہوئے ہیں جو اس شہر کی حکایت اور تاریخ کو یاد دلاتا ہے۔

> "مسجد کے درودیوار تاریخ اسلام کے بہت سے حسرتناک واقعات کندہ ہے۔ یہ واقعات میرے دماغ میں تاریخ کے ابناء کے نیچے دبے ہوئے تھے، مسجد کی فضا میں وہ اُبھر آئے۔ مسجد کو دیکھتے دیکھتے مجھے تمام حکایتیں یاد آگئیں، میں دیکھ تو مسجد کے درودیوار رہا تھا۔ لیکن میرے دماغ میں اس شہر کی تاریخ اور زمانہ کے انقلابات گھوم رہے تھے۔"(۲۵)

اسی طرح ایک اور جگہ نانکنگ کی مسجد کی منظر نگاری کرتے ہوئے ابراہیم جلیس یوں لکھتے ہیں۔

> "نانکنگ میں جو مسجد ہم نے دیکھی وہ چین کی سب سے بڑی خوب صورت مسجد ہے جس میں روزانہ تقریباً پانچ سو مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ شنگھائی میں تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان آباد ہیں اور ۱۴ بڑی مسجدیں اور تین مسلم اسکول ہیں۔ شنگھائی کی سب سے بڑی مسجد ۷۰ چی کیانگ روڈ پر واقع ہے اور اس کے علاوہ مسلمانوں کے تین قبرستان بھی واقع ہیں۔ مجھے قبرستان دیکھنے کی بھی دعوت دی گئی تھی لیکن میں ڈر گیا اس لیے نہیں گیا اور ابھی اس عمر میں قبرستان کی سیر کوئی مناسب بھی نہیں ہے۔"(۲۶)

قاہرہ میں جدید و قدیم مساجد کثرت تعداد میں ہیں۔ جن میں چند نامور مساجد حضرت عمرو بن العاصؓ کی تاریخی مسجد، حضرت زینبؓ بنت فاطمہ الزہرہؓ کی مسجد اور حضرت امام شافعیؒ کی مساجد قابل ذکر ہیں۔ ان

مساجد کی بہت خوبصورت اور دلکش انداز سے نقاشی کی گئی ہے۔ ان کی حسن آرائش اور سجاوٹ عمدہ طریقے سے کی گئی ہے۔ انہی مساجد کی منظر نگاری کرتے ہوئے محمود نظامی یوں لکھتے ہیں:

> "اس شہر میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی تاریخی مسجد سے لے کر عہد جدید کی نئی تعمیر شدہ مساجد تک ہر خانہ خدا ایک عجیب شان رکھتا ہے۔ حضرت سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہراؓ کی مسجد اور حضرت امام شافعی کی مسجد جس کے احاطے کے ساتھ سلاطین اور بیگمات کا قبرستان ہے، دل پر ایک کپکی طاری کرتی ہیں لیکن قلعے کے اندر سلطان نصیر اور محمد علی پاشا کی مسجدیں اور شہر میں سلطان یرموق اور سلطان حسن کی مسجدیں کچھ اور ہی کیفیت رکھتی ہیں۔ گو ان سب میں خوبصورت اور نظر نواز مسجد تو وہی ہے جو محمد علی پاشا سے منسوب ہے، جو اپنے جھاڑوں، فانوسوں، بجلی کی روشنیوں، رنگین ستونوں، منقش محرابوں اور فرش کے قالینوں کی وجہ سے بالکل دلہن کی طرح سجی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ حسن آرائش کچھ اسی مسجد سے مخصوص نہیں، قاہرہ کی بیشتر مسجدیں ایسی آراستہ اور مکلف ہیں کہ وہاں سے اٹھ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔"(۲۷)

مصر میں دانیال مسجد ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کے پاس ہی حکیم لقمان اور حضرت دانیال کا مزار بھی ہے۔ اس مسجد کے بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ بقول محمود نظامی:

> "شہر کے ایک حصے میں ایک بہت بڑی مسجد ہے جو حضرت دانیال کے نام سے منسوب ہے اور جس کے قرب میں خود حضرت دانیال اور حکیم لقمان کے مزار ہیں۔ اس مسجد کے بارے میں ایک روایت صدیوں سے سیاحوں کو مقامی گائیڈ سناتے چلے آرہے ہیں جس کی رو سے اس مسجد کا صحن اس قبر کے اوپر تعمیر ہے جس پر سکندر اعظم کا جسد خاکی دفن ہے۔ یہ روایت شاید اس تحریک کا نتیجہ ہے جو مسلمان فاتحین کو بدنام کرنے کے لیے مغرب کے مورخ اور مصنف نے صدیوں گزریں ایک مکمل سکیم کے ماتحت جاری کی تھی۔ صالح حسین کی معلومات کے مطابق یہ افسانہ طرازی فی الحقیقت اس تاریخی مسجد کو، جسے مصر کو فتح کرنے والی اسلامی افواج نے دانیال نبی سے اظہار عقیدت کے طور تعمیر کروایا تھا، مسمار کرانے کی ایک سازش تھی جو کامیاب نہیں ہو سکی۔"(۲۸)

محمود نظامی مصر کی سیر کے دوران خلافت راشدہ کے دور کی ایک مسجد کے حوالے سے لکھتے ہیں جو دریائے نیل کے سامنے ایک روضے کے ساتھ واقع ہے۔ اس کے قریب ایک کنواں بھی ہے جو مقیاس النیل کے نام سے مشہور ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں محمود نظامی اپنی رائے کا اظہار یوں لکھتے ہیں:

> "سامنے کی طرف دریا کے وسط میں ایک چھوٹے سے جزیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گائیڈ نے کہا؛ "یہ روضہ ہے اور اس میں وہ جو مسجد ہے یہ بڑی تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا تعلق خلافِ راشدہ کے عہدِ زریں سے ہے۔ اس مسجد کے قریب میں وہ چوکور کنواں ہے جسے 'مقیاس النیل' کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے آج بھی صدیوں پہلے کی طرح نیل کی طغیانیوں کا اندازہ کرنے کے لیے دریا کے چڑھتے اور اترتے ہوئے پانی کو ناپا جاتا ہے۔"(۲۹)

مسجد شاہ کا تعمیراتی محل وقوع اور سائز یہ ہے طول ۱۴۶ میٹر اور عرض ۸۳ میٹر۔ دروازے کے مینار ۸۴ میٹر بلند جبکہ گنبد کے کلس فرش سے ۵۲ میٹر بلندی پر واقع ہیں۔ مجموعی لحاظ فنی تعمیرات کے حوالے سے یہ مسجد دنیا کی تیرہ عمارتوں میں سے ایک ہے۔ مسجد شاہ کی منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ دنیا کی سب سے خوبصورت مسجد ہے۔ نسیم حجازی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> "ایران کی حسین ترین عمارت "مسجد شاہ" ہے' اس میدان کے جنوب میں واقع ہے' یہ عظیم اور دلفریب عمارت' جسے محل کی طرح دیکھا تو جاسکتا ہے' لیکن بیان نہیں کیا جاسکتا' شاہ عباس نے ۱۶۱۲ء سے ۱۶۳۰ء تک کے درمیانی عرصے میں تعمیر کرائی تھی اور تقریبا یہی وہ زمانہ تھا جب مغلوں کے ہاتھوں ہندوستان کی عظیم ترین عمارات تعمیر ہو رہی تھیں۔ مسجد کے اندر جو سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے' وہ کوئی سو میل دُورازدستان سے لایا گیا تھا۔ دروازوں، گنبدوں اور منیاروں پر روغنی سلوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس پر تین صدیاں گزر چکی ہیں اور پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں بارش کے علاوہ برف بھی گرتی ہے تو یہ بات اور زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ اندرونی دیواروں اور چھتوں کی سلوں کے نقش و نگار بھی ایرانی آرٹ کا بہترین نمونہ ہے۔"(۳۰)

مسجد لطف اللہ یہ مسجد شاہ کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے اصفہان کی خواتین کیلئے نماز کی ادائیگی کے لیے مخصوص کی گئی ہے اسی حوالے سے نسیم حجازی لکھتے ہیں:

> "مسجد شاہ کے قریب ہی ایک اور مسجد ہے جو "لطف اللہ مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ "مسجد شاہ" کے مقابلے میں یہ مسجد بہت چھوٹی ہے اور اس کے گنبد کے ساتھ مینار بھی نہیں ہیں، لیکن اس کے اندر داخل ہونے کے بعد روغنی سلوں کے نقش ونگار صفوی دور کے آرٹ کا ایک اور دلکش نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد اصفہان کی خواتین کے نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی تھی۔"(۳۱)

جامع مسجد ایران کو دنیا کی قدیم ترین مساجد میں شامل کیا جاتا ہے۔ سات سو عیسوی میں اصفہان میں تعمیر ہونے والی یہ جامع مسجد ایرانی فنی تعمیر کا شاہکار ہے۔ تاریخی ایران میں فنی اور تعمیراتی حوالے سے اس مسجد کے تذکرے کے بغیر کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ اس مسجد کی بنیادوں میں قدیم آتش کدہ ہے۔ جو تاریخ میں صدیوں سے قائم رہنے کے بعد ختم ہوگیا۔ یہ مسجد معتصم باللہ کے دور میں ۱۰۵۰ء سے ۱۰۵۷ء کے دوران دوبارہ تعمیر کی گئی اور بعد میں یہ حکمران نے اس مسجد پر نگاہ رکھی۔ یہ وجہ ہے کہ یہ عمارت ایرانی طرز تعمیر کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس پر نسیم حجازی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> "اصفہان کی قدیم عمارت میں سے جامع مسجد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس مسجد کی بنیاد سات سو عیسوی میں ایران کے ایک قدیم آتشکدہ کے کھنڈروں پر رکھی گئی تھی اور دوسری روایات کے مُطابق اسے دو سو چھبیس ہجری یا نویں صدی عیسویں میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد خلیفہ معتصم عباسی کے دَور میں اسے از سرِ نو تعمیر کروایا گیا تھا۔ ۱۰۵۰ء میں یہ مسجد شکستہ حالت میں تھی اور ۱۰۵۷ء میں اس کی مرمّت کی گئی تھی۔ اس کے بعد ترک، مغول اور ایرانی حکمران یکے بعد دیگرے اس مسجد میں اپنے ذوقِ تعمیر کی یادگاریں چھوڑتے رہے۔ یہاں پر اصفہان کے بعض افغان فرمانرواؤں کے کتبے بھی موجود ہیں۔"(۳۲)

مسجد سلیمانیہ ایک عالیشان مسجد ہے۔ اس کی تعمیر سلیمان نے کروائی اس کا کوئی گنبد نہیں ہے۔ یہ مسجد سینٹ صوفیا کی عمارت سے زیادہ خوبصورت اور دلکش ہے۔ نسیم حجازی مسجد سلیمانیہ کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں۔

"استنبول" کی دُوسری بڑی عمارت جو سینٹ صوفیا کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہتر عمارت ہے، مسجد سلیمانیہ ہے۔ یہ مسجد سلیمان عالیشان نے تعمیر کرائی تھی۔ اپنے بیرونی منظر اور اندرُونی رعنائی کے لحاظ سے یہ

عمارت سینٹ صوفیا کی عمارت سے کہیں زیادہ دلکش ہے اور اِس کا گنبد بھی اُس کے گُنبد سے زیادہ بڑا ہے۔ سلیمان عالی شان اپنے جاہ و جلال کے اِعتبار سے عثمانی دَور کا عظیم ترین حُکمران تھا اور مسجد سُلیمانیہ کی پر شکوہ عمارت میں اس کے جاہ و جلال کی جھلک نظر آتی ہے۔ قدیم ترکی کی ہر عمارت کی تعمیر میں سرما کی برف باری کے اثرات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ بڑی عمارت کی تمام چھت ایک ہی بڑے گنبد کے نیچے لائی جاتی تھی۔

> ”میں نے مسجد سلیمانیہ کے گنبد سے بڑا کوئی گنبد نہیں دیکھا، لیکن مجھے بتایا گیا کہ ایڈریا نوپل کی ایک مسجد اس سے بھی بڑی ہے اور ان دونوں مساجد کو ایک ہی معمار نے تعمیر کیا تھا، جس کا نام سنان تھا۔“(۳۳)

مسجد سلطان احمد کی زیارت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترکی میں تقریباً پانچ سو سے زیادہ مساجد ہیں نماز کے وقت ساری مساجد مسلمانوں سے بھری ہوتی ہیں عثمانی دور میں مساجد کی تعمیر بہت نفیس اور شاندار کی گئی ان میں مسجد سلطان بھی ہے جس کو نیلی مسجد بھی کہتے ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر سلطان اوّل کے عہد میں ۱۴۰۹ء میں شروع ہوئی ۱۴۱۴ء میں مکمل ہوئی اس مسجد کے چھ مینار ہیں۔ انہی الفاظ کی روشنی میں نسیم حجازی یوں لکھتے ہیں۔

> "مسجد سلطان احمد جسے نیلی مسجد بھی کہا جاتا ہے' استنبول کی ایک اور عظیم الشان عمارت ہے۔ یہ مسجد ۱۶۰۹ء۔۱۶۱۶ء کے درمیان سلطان احمد اوّل کے دَورِ حکومت میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کی پہلی خصُوصیّت جو دُور سے ایک سیّاح کو اپنی جانب متوجّہ کرتی ہے' اس کے چھ مینار ہیں۔"(۳۴)

دریائے نیل کے کنارے ایک بڑی تاریخی مسجد ہے یہ مسجد خلافت راشدہ کے عہد میں تعمیر ہوئی اس مسجد میں ایک چوکور نما کنواں جو مقیاس النیل کے نام سے مشہور ہے۔

خواجہ حسن سفر نامہ پاکستان سومنات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سومنات کے مندر گجرات کے مغربی ساحل میں ہیں۔ سومنات کو چاند کا دیوتا قرار دیا جاتا ہے۔ سومنات کا اصل مندر بہت بڑا اور خوبصورت ہے اس مندر کی دیواروں پر ہیرے، جواہرت اور موتی لگے ہوئے ہیں۔ اس مندر کی عمارت کی تیرہ منزلیں ہیں اس میں ہندوؤں کے تمام مہاراجوں کے محلات ہیں اس کے ساتھ ہی پروہتوں کے محلات میں پروہت کے محلات کے پاس سومنات کا مندر رہے۔ اس مندر کو تمام مندر پر فوقیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے

مطابق یہ سب عظیم مندر رہے۔ ہزاروں برہمن اس کی پوجا پاٹ کے لیے آتے ہیں۔ اس مندر کی سجاوٹ کے لیے دور دراز سے پھول کو منگوائے جاتے ہیں۔ اس مندر کو سولہ بار مسلمانوں نے جنگ کے دوران تباہ کیا سب سے زیادہ بار اس مندر کو محمود غزنوی کی جنگ میں تباہ ہوا۔ انہی الفاظ کی تائید میں حسن نظامی یوں لکھتے ہیں:

> ”اس سفر نامے کی روح سومنات کے مندر کا تذکرہ تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہندوستان کے مسلمان سومنات سے بالکل ناواقف تھے اور صرف اتنا جانتے تھے کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر جو سترہ حملے کئے تھے ان حملوں میں سومنات کا حملہ سب سے بڑا حملہ تھا۔ جس میں سلطان محمود غزنوی نے ایک بہت بڑا امیدان ایسا طے کیا تھا۔ جہاں پانی نایاب تھا۔ اور جہاں ہندوراجاوں کی بہت بڑی طاقتیں تھیں مگر سلطان محمود سب مشکلات کو قابو میں لاتا ہوا سمندر کے کنارے سومنات تک پہنچ گیا۔ اور اس نے پورے صوبے بمبئی کے ہندوراجاؤں کی زبردست فوجوں کو شکست دے کر فتح حاصل کی تھی۔ مگر دہلی اور یو۔ پی اور پنجاب اور بہار اور سی۔ پی اور بنگال۔ کے مسلمان صدیوں تک سومنات کی اہمیت سے بے خبر تھے۔“ (۳۵)

ابراہیم جلیس چین کی سیر کے دوران گوتم بدھ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک عظیم ہیکل گوتم جس کو چٹانوں میں تراش کر بنایا گیا۔ انہی الفاظ کی روشنی میں ابراہیم جلیس لکھتے ہیں۔

> "یہ اسپرنگ مارننگ ٹاور ہے۔ شہنشاہ کانگ شی یہاں بیٹھ کر موسم بہار کی دھند میں لپٹی صبح کے وقت طلوع آفتاب کا نظارہ کرتا تھا۔ یہ موسم خزاں کی چاندنی رات والا جزیرہ ہے۔ یہاں چاند سے اور چاند جیسی صورتوں والے محبوبوں سے محبت کرنے والے جمع ہوتے ہیں۔ یہ کنول کے پھولوں کا تالاب ہے۔ یہ چٹانوں سے تراشا ہوا عظیم ہیکل گوتم بدھ ہے جو بے تحاشا ہنس رہا ہے۔ دی فینس لافنگ بدھا۔ یہ اونشن کا مندر ہے یہ چہاڑ کی جڑواں چوٹیاں ہیں جو شمالی اور جنوبی پہاڑیوں کے سروں پر دو پیاری بہنوں کی طرح پہلو بہ پہلو کھڑی ہیں۔ یہ چڑھتے سورج کا مینار ہیں۔ یہ مون لٹ لیگون ہے یہ مغربی جھیل ہے اور۔۔۔۔ اور یہ ہانگ چاؤ ہے۔"(۳۶)

گوتم بدھ کا ایک مقدس بت ”دان شوشو“ جو پیکنگ کے مغرب میں واقع ہے اس مقدس مندر پر جاپانی سپاسی نے چینی خواتین کے ساتھ بے حیائی کی جس کی وجہ سے اس سپاسی مندر کو جیل بنا دیا گیا۔ اس مندر میں تقدس وہی ہے جو پرانے زمانے میں تھا۔ انہی الفاظ کی تائید میں ابراہیم جلیس یوں لکھتے ہیں۔

> "اب یہ انسٹی ٹیوٹ پیکنگ کے مغربی نواح میں ایک بدھ مندر "دان شو سو" میں واقع ہے جب میں یہ انسٹی ٹیوٹ دیکھنے اس مشہور بدھ مندر گیا تو مجھے بتایا گیا کہ جب جاپانیوں نے پیکنگ پر قبضہ کیا تھا تو یہ مندر جاپانیوں کی فوجی بارک بنا دیا گیا اور اس مقدس مندر میں جاپانی سپاہی بڑی بے حیائی کے ساتھ چینی عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کرتے تھے۔ ان کے بعد چیانگ کائی شیک کے زمانے میں یہ مندر سیاسی قیدیوں کی جیل بنا دیا گیا تھا لیکن اب اسی بدھ مندر میں جائیے تو آپ کو اس کا پرانا تقدس وہی ملے گا جس کے سائے میں آپ کو بچے ہی بچے نظر آئیں گے جہاں ان کے لیے کھیلوں کے میدان، لائبریری، چڑیاگھر اور بچوں کے لیے مخصوص ہسپتال قائم کیے گئے ہیں۔ اب اس مندر میں خدا کا سایہ ہے۔ گوتم بدھ کا بت ہے اور معصوم بچوں کے قہقہے گونج رہے ہیں۔"(۳۷)

بدھ مذہب میں مذہبی مقامات کو بہت اہمیت حاصل ہے ان کے بہت سے مندر ہیں لیکن گوتم بدھ اس مذہب کا بانی ہے اس لیے اس کا تقدس زیادہ ہے۔

ر۔ مذہبی تہوار و رسومات:

رسومات کا براہ راست تعلق ثقافت اور معاشرت سے ہوتا ہے کہ مذہب سے البتہ عبادات کی ادائیگی میں خاص اعمال جو تواتر سے جاری رہتے ہیں مذہبی رسومات کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ انہی الفاظ کی روشنی میں امیر خانم یوں لکھتی ہیں۔

> "اور بنٹ کے شہر میں ایک چوک سا تھا۔ چاروں طرف عمارت بیچ میں صحن میں ایک فوارہ اس کے گرداگرد بنچیں ادھر بس رُکی۔ جب ہمیں وہ خوب صورت گرجے دکھا رہا تھا تو گلیوں میں سے گھوم پھر کے ایک گرجا دکھانے کی غرض سے ہمیں لے گیا تو ہم نے وہاں ایک جوڑے کی شادی ہوتی بھی دیکھی۔ بس جوڑا پاس پاس سٹیج کے نیچے کھڑا تھا۔ لوگ سب خاموشی سے کرسیوں پر بیٹھے تھے اور پادری صاحب سٹیج پر اپنے سامنے کسی اونچی سی چھوٹی سی میز جیسی چیز پر ایک کتاب رکھے کوئی سپیچ کر رہا تھا اور چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے تھوڑی دیر کے بعد شراب گلاس میں انڈیل کر پادری صاحب کو اس کا حلق تر کرنے کو بڑے ادب سے جھک کر پیش کرتے

> تھے۔ بس ہم نے بہت انتظار کیا کہ کہیں شادی اختتام کو پہنچے ہم آخری رسم بھی دیکھ کر جائیں۔ لیکن ہماری روانگی کا وقت ہو گیا"۔ (۳۸)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی شادی گرجا گھر میں ہوتی ہے اور خاص قسم کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

ہندومت کے ایک فرقے شکتی مت میں مراد یہ ہے (شراب) مذہبی رسم ہے باقی سب مذاہب میں شراب پینے سے منع کیا ہے۔ جگن ناتھ آزاد مدراس کی سیر کے دوران بندش شراب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مدراس میں شراب کی بندش سے کروڑوں کا نقصان ہوا۔ اس کے علاوہ لوگوں میں چوری کی عادت زیادہ ہو گئی اور جو شراب کے عادی تھے ان کی صحت خراب ہو گئی۔ جگن ناتھ آزاد اس کی تائید میں یوں لکھتے ہیں:

> "مدراس جاکر زمینوں کے اس طرح بے مصرف پڑے رہنے کی وجہ معلوم ہوئی وہاں دوستوں سے بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ بندش شراب کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے سے احاطۂ مدارس کو ریونیو میں سترہ کروڑ روپے کا خسارہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ قریباً چار کروڑ روپیہ اس اسٹاف پر خرچ ہو رہا ہے جو بندش شراب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اب اکیس کروڑ روپئے کے خسارے کے بعد حکومت میں یہ دم نہیں رہا کہ صوبے میں آب پاشی کے کام کی جانب توجہ دے سکے اور جب تک آب پاشی سائنٹیفک لائنوں پر نہ کی جائے زراعت قریب قریب ناممکن ہے۔" (۳۹)

دنیا کے ہر مذہب میں مخصوص تہوار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے تہوار عیدین ہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ عید الفطر میں مختلف قسم کے کھانے اور مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ امیر خانم کی رائے کے مطابق۔

> "عید کے دن تو لوگ صبح آنے شروع ہو گئے۔ بے شک چھوٹے پیمانے پر سب دنیا کے لوگ ہوتے ہیں اور اس عید بقر عید میں مجھے کپور تھلہ کے راجہ کا بھائی بھی ملا چھوٹا سا قد چنڈھی ہوئی داڑھی بال سفید زیادہ کالے تھوڑے وہ بندوں پر اپنی بہادری سرداری کی تعریف کرنے لگا کہ ہم تو شیر ہیں شکار ہمارا کام۔ ہم تو دوسرے کی گردن دبوچتے ہیں خواہ دشمن کی ہو خواہ دوست کی۔" (۴۰)

عید الاضحیٰ کو بقر عید بھی کہتے ہیں۔ اس میں حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلَام کی یاد میں قربانی دی جاتی ہے۔ بقول امیر خانم:

> "اب جو بھی زندہ رہ کر اپنی جان خدا کی نذر کر دے اور حضرت اسماعیل عَلَیہِ السَّلَام کے نقش قدم پر جاوے تو اسی قربانی کی یاد ہو گی۔ ہم نے پچھلے لوگوں میں اس پر (ثنا) باقی چھوڑ دی۔ ابراہیمؑ پر سلامتی ہو۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اسحاقؑ کی خوش خبری دی۔ ایک نبی جو نیکوکاروں میں سے تھا۔ حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی ہو۔ حضرت اسماعیل عَلَیہِ السَّلَام پر سلامتی ہو۔ جس کو خدا پیغمبری کے فرائض سونپتا ہے وہ پہلے ہی سے ایسا ہوتا ہے جن کے لیے خدا نے فرمایا کہ اگر اس کو آگ نہ بھی دکھائی جائے تب بھی جل اُٹھیں۔"(۴۱)

اس مکمل بحث کا مختصر جائزہ لیا جائے تو یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ انسان اس ارضی وحدت پر نسل و رنگ کا اختلاف رکھتے ہوئے بھی رشتہ انسان سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں عقائد چاہے جو بھی ہوں لیکن راستہ ایک ہی ہے کہ خدا واحد کی پہچان۔ مذکورہ تمام سفرناموں اور مذہبی اقدار کی بنیاد، مقدس مقامات اور رسوم و رواج کا ذکر کرنے سے یہی بتانا مقصود ہے کہ اخوت اور بھائی چارہ، امن و آشتی کی قدریں اب بھی موجود ہیں۔ صرف ان کو محسوس کرنے اور زندگی میں نفوذ کرنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ پاکستان، دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۵۲ء، ص ۳۵

۲۔ محمود نظامی، نظر نامہ، العمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۲ء، ص۷۸۔۷۹

۳۔ جگن ناتھ آزاد، جنوبی ہند میں دو ہفتے، دہلی کتاب گھر دہلی، ۱۹۵۰ء، ص۷۴

۴۔ ایضاً، ص ۷۶

۵۔ خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ پاکستان، دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۵۲ء، ص۵۹۔۶۰

۶۔ ایضاً، ص۶۰

۷۔ ایضاً، ص۸۹

۸۔ ابوالحسن علی ندوی، شرق اوسط میں کیا دیکھا، مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنو، ۱۹۵۳ء، ص۲۶

۹۔ امیر خانم، میر اسفر، اشرف پریس، لاہور، ص۲۷۶۔۲۷۵

۱۰۔ ابوالحسن علی ندوی، شرق اوسط میں کیا دیکھا، مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنو، ۱۹۵۳ء، ص۹۰

۱۱۔ ایضاً، ص۹۱

۱۲۔ انعام اللہ خان، "ایران جاگ اُٹھا"، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۵۲، ص۲۸

۱۳۔ ایضاً، ص۷۷

۱۴۔ ایضاً، ص۸۹۔۹۰

۱۵۔ جگن ناتھ آزاد، جنوبی ہند میں دو ہفتے، دہلی کتاب گھر دہلی، ۱۹۵۰ء، ص۳ ۴۔۳۵

۱۶۔ خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ پاکستان، دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۵۲ء، ص۱۳

۱۷۔ ایضاً، ص۳۱

۱۸۔ امیر خانم، میر اسفر، اشرف پریس، لاہور، ص۳۶۷

۱۹۔ ابوالحسن علی ندوی،، شرق اوسط میں کیا دیکھا، مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنو، ۱۹۵۳ء، ص۲۲

۲۰۔ محمود نظامی، نظر نامہ، العمد پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۱۲ء، ص۷۳

۲۱۔ ایضاً، ص۱۲۳

۲۲۔ ایضاً، ص۱۲۴

۲۳۔ نسیم حجازی، پاکستان سے دیار حرم تک، جہانگیر بکس، لاہور ۱۹۶۰ء، ص۶۵

۲۴۔ امیر خانم، میر اسفر، اشرف پریس، لاہور، ص۱۱۱

۲۵۔ ابوالحسن علی ندوی، شرق اوسط میں کیا دیکھا، مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنو، ۱۹۵۳ء، ص۴۸

۲۶۔ ابراہیم جلیس، نئی دیوار چین، اردو منزل، کراچی، ص۲۰۸۔۲۰۷

۲۷۔ محمود نظامی، نظر نامہ، العمد پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۸۰

۲۸۔ ایضاً، ص۹۷

۲۹۔ ایضاً، ص۱۰۲

۳۰۔ نسیم حجازی، پاکستان سے دیار حرم تک، جہانگیر بکس، لاہور ۱۹۶۰ء، ص۶ ۲۔۲۷

۳۱۔ ایضاً، ص۲۷

۳۲ ایضاً، ص۲۸

۳۳۔ ایضاً، ص۶۶۔۶۵

۳۴۔ ایضاً، ص۶۶

۳۵۔ خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ پاکستان، دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۵۲ء، ص۱۰۴

۳۶۔ ابراہیم جلیس، نئی دیوار چین، اردو منزل، کراچی،، ص۱۰۰

۳۷۔ ایضاً، ص۱۱۲۔۱۱۳

۳۸۔ امیر خانم، میر اسفر، اشرف پریس، لاہور، ص۵۰۱۔۵۰۰

۳۹۔ جگن ناتھ آزاد، جنوبی ہند میں دو ہفتے، دہلی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۰ء، ص۸ ۵۔۵۹

۴۰۔ امیر خانم، میر اسفر، اشرف پریس، لاہور، ص۴۴۱

۴۱۔ ایضاً، ص۴۵۲۔۴۵۱

باب سوم:

اردو سفر ناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۰ء)

بیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دھائی اس لیے اہمیت کی حامل ہے کہ اس دور میں نئے تشکیلی دور غلغلہ رہا۔ ناول، افسانے، ڈرامے ہر صنف میں نئے نظری اور فکری مباحث عام ہوئے۔ اردو سفر نامہ بھی ان نئی نظری اور تشکیلی فضاؤں اور جمالی اقدار کے واسطے سے نئی راہوں پر گامزن ہوا۔ سفر نامہ نگاروں نے جہاں تہذیبی اور ثقافتی حوالے دیئے وہاں مذہب اور مذہبی عقائد رسوم ورواج کو بھی بہ نظر غائر دیکھا۔ ان سفر ناموں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد، اقدار، مقدس کتب، مقامات مقدسہ اورر سومات کی افادیت مسلمہ ہے۔ آئندہ کے صفحات کے تحت سفر نامہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

الف: عقائد

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا کیا کہنا کہ فرعون کو اس مقام پر پہنچایا کہ وہ خود کو خدا تسلیم کروانے لگا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو عبرت ناک انجام تک پہنچا دیا۔ فرعون کو ڈھیل دی پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا اور آپ کو حکم دیا کہ فرعون کو جا کر دعوت دیں کہ وہ اللہ کے احکامات کو مانتا ہے کہ نہیں اگر وہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے تو میں اس کی رہنمائی کروں اور اگر نہیں مانتا تو سخت عذاب سے ڈراؤ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عبرت ناک سزا دی جو رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بن گئی۔ آج بھی روم میں سنگ مرمر، پیتل، سونے کے مجسمے موجود ہیں۔ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہیں وہ لافانی ہے بیگم اختر ریاض الدین کی رائے یہ ہے۔

> "میرے خدا کی رواداری کے کیا کہنے، جس نے خود فرعون کی رسی دراز کی کہ وہ خدا بن کے اپنی پرستش کروائے۔ میرے مولا نے مصری دیوتاؤں کو چونے اور مٹی میں لافانی ہونے کی اجازت دے دی۔ روم کے دیوتا سنگ مرمر میں، ہندی دیوتا پیتل سونے میں آج بھی کھڑے ہیں۔ آج بھی انسان انسان کو پوج رہا ہے۔ جب یہ سب میرے رب کو روا ہے تو ہم کون برا ماننے والے؟"(۱)

قدیم مصریوں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان لافانی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اس کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ مرنے والے کی تدفین کے وقت تمام اشیاء کو اس کے ساتھ دفن کرتے ہیں تاکہ اخروی زندگی اس کا مال و دولت اس کے سکون و آرام کا باعث بنے۔ اس طرح مصر میں فرعونوں کے بہت سے مقبرے ایسے ہیں جن میں بے انداز مال و دولت جمع کی گئی ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں جمیل الدین یوں لکھتے ہیں:

> " ابو الہول اہراموں سے بھی زیادہ پرانا ہے، اس لیے اس نے فرعون خوفو کو ضرور دیکھا ہو گا، جس نے یہ بڑا اہرام بنوایا تھا۔ خوفو دو ہزار سات سو قبل مسیح میں تیسرے خاندان کا سب سے بڑا اور طاقتور فرعون تھا جس کے آس پاس کے تمام علاقے فتح کر لیے تھے اور بے اندازہ دولت جمع کی تھی تاکہ مرنے کے بعد اس کے کام آئے۔ گویا وہ ہمارے سرمایہ داروں کا ہم خیال تھا کیوں کہ اس زمانے کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ مرنے کے بعد مال دولت، نوکر چاکر، خدام مل فیکٹریاں سب دوسری زندگی میں کام آتے ہیں۔ "(۲)

اسی طرح مصر میں مختلف قسم کے عقیدے رکھنے والے فرعونوں کا راج رہا کچھ بہت سے خداؤں کو مانتے تھے اور ان میں سے کچھ موحد بھی تھے یعنی ایک خدا کو مانتے تھے چودھویں صدی قبل مسیح مصر کا ایک بادشاہ اخناتون تھا۔ فرعون اخناتون کے دور میں مختلف قسم پجاری تھے ان میں جادوگر، کاہنوں اور بہت سی قسم کی دیوی اور دیوتاؤں کی عبادت کی جاتی تھی ان میں تین معبود آسن، دیوی آئی سس اور دیوتا اوسیر میں قابل ذکر ہیں۔ بقول جمیل الدین عالی:

> " فرعون اخناتون چودھویں صدی قبل مسیح کا بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں مصر پر جادوگر، کاہن یعنی مختلف دیوی دیوتاؤں کے پجاری بری طرح قابض تھے۔ سب سے بڑا معبود آہن تھا جن میں دیوی آئی سس اور دیوتا اوسیرس بہت اہمیت کے مالک تھے۔ اخناتون کا اصلی نام آمخوطپ تھا اور وہ نو برس کی عمر میں ہی فرعون بن گیا تھا۔ جب وہ نوجوان ہوا تو اس نے سب دیوی دیوتاؤں سے بغاوت پر کمر باندھ لی اور ایک نئے خدا کی پرستش شروع کر دی جو خالق کل تھا اور جو جسم اور زمان و مکان کی قید سے آزاد تھا، شاید یہ خدا ابراہیم کا خدا تھا جو عرب اثرات کے ذریعے اخناتون تک

> پہنچا اور اس کی اپنی فکر اور جستجوئے حق سے اس پر اور اس کی وجہ سے پورے مصر پر روشن ہوا۔ " (۳)

اخناتون نے دیوتاؤں کے ساتھ بغاوت کر کے ایک نئے خدا کی عبادت کا آغاز کر دیا اور خالق کل کی عبادت کی دعوت و تبلیغ کر تا رہا اس کا خدا زمانو مکان کی قید و بند سے آزاد تھا عرب کے اثرات اخناتون پر نمایاں ہیں جنھوں نے پورے مصر کو منور کر دیا۔ اخناتون صرف ایک اللہ کو خالق و مالک مانتے ہیں اس نے ایک غیر جسمی خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور تمام مندروں، تصاویر اور ان آثار کو مٹا دیا بعض کا خیال ہے کہ اس وحدانیت کے نظریہ پر غور و فکر سورج کے مطالعے سے شروع کیا مصر میں ایک بڑے فرعون نے اخناتوں کے تمام بتوں کو گرا کر مسمار کر دیا بت پرست فرعونوں اور کاہنوں نے اس صدیوں پرانی ان کی یادوں کو مٹنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تاہم اس نئے مذہب کی وجہ سے اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ انہی الفاظ کی وضاحت میں جمیل الدین عالی یوں لکھتے ہیں:

> "اس خدا کا نام تھا آتن یا عربی کا اللہ جو ایک ہے، جو سب کا خالق ہے جو مادی عوامل او مادی مظاہر سے بلند اور پاک ہے اور پھر بت پرست مصر کے ایک بڑے فرعون اخناتون نے تمام دیوی دیوتاؤں کے مندر، ان کے آثار، ان کی تصویریں، مرقعے کتبے ختم کرنے شروع کر دیے اور ایک غیر جسمی خدا کی تبلیغ کرتے کرتے سترہ برس حکومت کر کے ستائیس برس کی عمر میں مر گیا اور پھر اس کے بعد اس کے داماد توت عنخ آمون نے اس کی تمام اصلاحات ختم کر کے رکھ دیں۔ اس کی یادگاریں اور خدائے واحد کی عبادت گاہیں مسمار کرا دیں کیوں کہ توت عنخ آمون دنیادار آدمی تھا اور مصر کے برافروختہ کاہنوں کو مزید برافروختہ نہیں کرنا چاہتا تھا جو نئے مذہب کی وجہ سے اس کی خاندان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے پر تیار ہو گئے تھے۔ " (۴)

اسلام میں اللہ کی واحدنیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا جاتا۔ اس کی بادشاہت زمین اور آسمان میں ہے وہ واحد لاشریک ہے وہی خالق ہے وہی مالک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ علم الغیب ہے ہر چیز اسی کے تابع ہے۔ اسلام سے پہلے بہت سے خداؤں کی پوجا کی جاتی تھی مثال کے طور پر مجوسی بہت سے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں ان کے نزدیک روشنی کا خدا الگ اندھیرے کا خدا الگ ہے اسی طرح بعض بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کو اپنا خدا مانتے تھے اسلام میں لا اِلٰہَ اِلاّ اللہ۔ لا اور الاّ دو ایسے الفاظ

ہیں جن کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ لا کے بغیر اِلاَّ سے منزل مل سکتی ہے انہی الفاظ کی روشنی میں کوثر نیازی یوں لکھتے ہیں:

> "اسلام میں لا اور الاَّ نفی اور ثبات کے دو مرحلے ہیں اور دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لا کے مقام پر فائز ہوئے بغیر الاَّ کی منزل نصیب نہیں ہوتی۔ ایک خدا کو ماننے سے پہلے کتنے ہی جُھوٹے خداؤں سے بغاوت کرنی پڑتی ہے۔ نفسانیت، برادری، نسل، رنگ، جغرافیائی حدود، سرمایہ داری، ملوکیت، مّلائیت، برہمنیت اور پاپائیت ان سب بتوں کو چکنا چور کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چین والے لا کے ان تقاضوں کا حق ادا کر چکے ہیں۔ اب الاَّ کو درجہ باقی رہ گیا ہے۔ کیا عجب کہ رب العالمین کسی دن چینیوں کے ضمیر پر اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر دے اور یہیں سے عقیدہ و عمل کا وہ انقلاب پوری دنیا میں پھیل جائے جو کائنات کا مقدر بن چکا ہے۔"(۵)

لچھمی دیوی کی پوجا جو صرف اس غرض سے کی جاتی ہے کہ جلد از جلد بہت سی دولت کو سمیٹا جائے اس سے ایک نیا مذہب منظر عام پر آ گیا بقول اختر ریاض الدین:

> "امریکہ نے ڈاکٹر فاؤسٹ جیسا سودا کیا ہے جلو حسن کے بدلے اپنی روح کو فروخت کر دیا۔ مذہب کو لپیٹ کر چھتری کی طرح کونے میں رکھ دیا گیا ہے۔ جسے صرف اتوار کو کھولا جاتا ہے۔ اس کی جگہ عام طور پر ایک نیا مذہب آ گیا ہے۔ "لچھمی دیوی کی پوجا" پیسہ بناؤ جلدی جلدی کسی طرح۔ کسی ذریعہ سے بھی بناؤ (یہی اقدار اب مشرق میں بھی سرایت کر رہی ہیں) انفرادی ضمیر کی جگہ اجتماعی اخلاقیات آ گئی ہیں جرائم اس لیے نہیں ہوتے کہ ہمسائے کے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا۔"(۶)

لڑکوں کے سر سوائے ہندو مت میں سلام کرنے کے لیے آدھے جھکتے ہیں اور ہاتھ جوڑتے ہیں۔ بقول بیگم اختر ریاض الدین:

> "ہندو تو صرف ہاتھ جوڑتے ہیں، یہ قوم سلام کے لئے آدھی جھک جاتی ہے اور اس وقت تک جھکی رہتی ہے جب تک آپ اپنی کمر سیدھی نہ کر لیں۔"(۷)

قصہ مختصر مذہبی عقائد بے شک قدیم ہوں یا جدید مخصوص رنگ عکاس ہوتی ہیں عہد قدیم کے فکری زاویے تو وہی تھے جو آج ہیں لیکن دستبرد زمانہ نے اُن کی نفاست اور تازگی کا کو تج نہیں کیا اب بھی عقائد میں

وہی چاشنی اور حقانیت ہے جو ہمارے اسلاف کے ہاں و دائم رہی، چناں چہ سفر نامے ان ہی عقیدتوں کی تصویر پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

ب: مذہبی اقدار

اخناتون کے لوگ سورج کے بارے میں فکر و تدبر کرتے ہیں۔ اس کی روشنی کی واحدنیت پر یقین رکھتے تھے۔ یہ سورج کی پوجاپاٹ بھر کرتے تھے۔ اخناتون کے بہادری اور ہمت سے کام لیتے ہوئے قدیم بت پرستی کا خاتمہ کیا جو طاقتور فرعونوں اور کاہنوں نے ہزاروں سال سے پھیلی ہوئی تھی۔ انہی الفاظ کی روشنی میں جمیل الدین یوں لکھتے ہیں۔

> "مصر کے قدیم میدانوں میں گھومتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام والے فرعون کی طرف بھی نظر ڈال لیں جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کہانی الہامی کتابوں میں موجود ہے لیکن تاریخی شواہد سے ان کا زمانہ مرتب کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ خیر ہم کوئی محقق تو نہیں ہمارے لیے تو پوری دنیا:
>
> کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے"(۸)

حضرت موسیٰ کی پیدائش سے ان کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی پرورش محل میں ہوئی فرعون جابر حکمران تھا حضرت موسیٰ اور ان کے تابعین پر طرح طرح کے ظلم کیے۔ اس نے موسیٰؑ اوران کے پیروکاروں کے جسم میں کیل گاڑھا دیتے ہیں ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ فرعون رامی سیس یا رعمی سیس کے مجسمہ کی منظر نگاری کرتے ہوئے جمیل الدین عالی لکھتے ہیں کہ:

”یہ فرعون رامسیس یا رعمی سیس کا مجسمہ ہے اور قیاس ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دور اور اس کے محل میں پرورش پائی تھی۔ رعمی سیس دوم چودھویں صدی قبل مسیح کا فرعون ہے۔ وہ ایک بہت جابر آدمی تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم و فضل اور وجاہت سے دیتا ہو گا۔ اس نے آپ کو اورآپ کے تابعین کو اتنا نہیں ستایا۔ جس فرعون کے زمانے میں آپ نے ہجرت کی وہ روایتاً فرعون منفتاح تھا جو رعمی سیس کا بیٹا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور دینی تبلیغ کو برداشت نہیں کر سکا۔ منفتاح جسے انگریزی میں MENNEPTAH لکھا جاتا ہے پتا نہیں ان روایات اور قیاسات اور ان پر کام کرنے والوں کے مرتب کردہ اندازے کس حد تک درست ہیں۔ میرے لیے تو اس کا زمانی پہلو کافی ہے۔ یہ

وہ سرزمین ہے جہاں یوسف وزلیخا کی کہانی اُبھری اور جہاں فرعونی ظلم اور جبر کے خلاف جہاد موسوی کی درخشندہ روایت نے جنم لیا۔ قرآن کریم میں اسی دور کے عجیب وغریب واقعات بیان فرمائے گئے ہیں۔"(۹)

بیگم اختر ریاض نے ہوائی کے سفر کے دوران عیسائی مذہب کے مختلف مذہبی اقدار کی نشاندہی بھی کی ہے ان کے مذہبی پہلوؤں گرجا، لباس، رسم ورواج اور رقص و سرور کو اُجاگر کیا لیکن آخری جملے میں سب کو روندڈالا اور استخراج یوں کیا یہاں کائناتی جمال انسان کو خدا کے قریب لاتا ہے لندن کی سیر کے دوران عیسائیت کے مذہبی عقائد کی وضاحت میں وہ لکھتی ہیں اتوار کے دن عیسائیت کی عبادت کے دوران مختلف زبانوں کی آوازیں آتی ہیں ایک طرف سے آواز آتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کنوارے ہیں ان کے نزدیک کنوارے جنت کے حق دار ہے آپ بھی شادی سے گریز کریں دوسری طرف سے آواز آتی ہے سینٹ پال گرجاگھر سے جنازے نکلے جاتے ہیں آپ اگر خود نہیں آسکتے تو ٹیلی فون کردیں تیسری صدا ذہنی بیماریوں کے مطابق ہیں انہی صدائیں کی روشنی میں بیگم اختر ریاض الدین یوں لکھتی ہیں۔

> "ہائیڈ پارک میں اگر اتوار کو ٹہلنے نکلتے تو جگہ جگہ بھانت بھانت کے مقرر بقول شخصے پیٹی اُلٹ کر تقریر کررہے تھے۔ اس میں ایک پچھم کی کہتے اور دوسرا پُورب کی۔ کوئی دہریہ کوئی "میتھڈسٹ"۔ کوئی کیوبن کوئی جمیکن۔ ہر ایک زبان مشقِ گویائی میں مصروف ہے۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ ایک طرف سے آواز آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کنوارے تھے اور کہتے تھے کہ صرف ۴۵ کنوارے جنت میں جائیں گے۔ اس لیے صاحبان آپ بھی شادی نہ کریں۔ "دوسری للکار آئی۔ "کل سینٹ پال گرجا سے مذہب کا جنازہ نکلے گا۔ آپ خود شرکت نہ کرسکیں تو کم سے کم ٹیلی ویژن پر اس کی آخری شکل ضرور دیکھ لیں۔" تیسری صدا آئی" ہمارا شاہی خاندان ذہنی بیماریوں سے پُر ہے۔ ہماری ملکہ خود سنکی ہے۔ اس کا باپ شاہی دزد تھا لیکن ماں میں کسی بنیے کا خون ہے، اس کا میاں اپنی سالی پر عاشق ہے۔ یہ خبطی ملکہ۔۔۔۔" میں نے سوچا۔ پاس کھڑا سپاہی اب صبر نہیں کرے گا۔ مقرر کو ضرور پکڑے گا۔ لیکن توبہ کرو۔ بلکہ جب ایک شہنشاہیت کے شیدائی نے مقرر پر حملہ کیا تو سپاہی نے حملہ آور کو پکڑ لیا۔ یہ آزادی کا اصل رُوپ اور اصل جمہوریت!"(۱۰)

ہر ملک میں اس کے مذہب کا اثر ہوتا ہے۔ میکسیکو میں کیتھولک مذہب کا غلبہ ہے بیگم اختر ریاض الدین اس مذہب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں۔

> "مذہب کا غلبہ لوگوں پر مکمل طور پر ہے۔ کیتھولک دین نے خوبیوں کے ساتھ بُرائیاں بھی پھیلائی ہیں۔ انقلاب کے بعد لیڈروں نے اس مذہب کو پشت پر ڈال دیا تھا کیونکہ یہ عوام کی ترقی میں حائل تھا۔ ۱۹۱۷ء کے آئین نے گرجا کی تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی کاروائیوں پر سخت ممانعت لگادی تھی۔ لیکن حال کی حکومتوں نے اس لگام کو ڈھیل دے دی۔ ۱۹۵۹ء کے بعد ۲۰ نئے گرجا بنائے اور ۲۳ زیر تعمیر ہیں۔ گرجا پھر ایک سیاسی عنصر بن گیا ہے۔ اس کی دقیانوسی ترتیب کی وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی ٹھپ ہوگئی ہے۔ ہماری طرح میکسیکو کی آبادی ماشاء اللہ روزافزوں ہے۔ اس ملک کی بھی ساری اقتصادی ترقی دھری رہ جاتی ہے۔ اگر اس کا پھل کھانے والے دگنے تگنے ہوجائیں۔"(۱۱)

نیویارک کے سفر کے دوران بیگم اختر ریاض الدین عیسائی مذہب اخلاقیات کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ عیسائیت ایک الہامی مذہب ہے اس میں رنگ و نسل کی فریق نہیں ہے۔ اس مذہب میں اخلاقیات پر بہت روز دیا گیا ہے۔ عیسائی کرسمس اور دوسرے تہواروں میں تحائف ایک دوسرے کو دیتے ہیں بیگم اختر ریاض الدین عیسائی مذہب اخلاقیات اور روحانیت کو مد نظر رکھتی ہوئی یوں لکھتی ہیں۔

> "والدین اور پادری سب پریشان ہیں کہ نوجوان نسل کے اخلاقی و روحانی بحران کو کیسے روکیں۔ اس کی وجوہ کہاں تلاش کریں۔ خاندانی میراث میں؟ مادری تربیت میں؟ سکول کالج میں؟ سماجی ماحول میں؟ یا بارود کے کھلے بیوپار میں جس پر حکومت نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ (دنیا میں سب سے زیادہ ہتھیار اور بارود امریکہ کے اندر استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ تحفتاً ڈاکخانہ کے پارسلوں میں بھیجا جاتا ہے۔ کرسمس یا بڑے دن پر آپ اپنی محبوبہ کو پھولوں کے ساتھ ایک ننھی سی پستول بھی بھیج سکتے ہیں)۔"(۱۲)

عیسائیت میں مردوں اور عورتوں کے لیے سگریٹ نوشی منع ہے فلم دیکھنے کو حرام قرار دیا گیا ہے عورت کی کسی دوسرے فرقے سے شادی ناجائز ہے انہی عقائد کی روشنی میں عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں۔

> ”فرقے کے عقائد کی رو سے مرد اور عورتوں کے لیے سگریٹ نوشی کی قطعی ممانعت ہے۔ فلم دیکھنا حرام ہے۔ عورتوں کے لیے حکم ہے کہ وہ خود کو پوری طرح ڈھانپ کر رکھیں۔ شادی سے پہلے کسی مرد کا ہاتھ تھامنا گناہِ کبیرہ ہے۔ نیز دوسرے مذہب میں تو کیا، کسی دوسرے فرقے کی عورت کی مرد کے ساتھ شادی بھی ازروئے شریعت جائز نہیں۔"(۱۳)

اگرچہ ان ہدایات پر کلی طور پر عمل کرنا دور حاضر میں ممکن نہیں تاہم ایک صراط مستقیم کا تعین اس عمل کی نشاندہی کرتا ہے کہ کسی بھی الہامی مذہب میں مرد اور عورتوں کے رشتے، تعلق اور اخلاقیات کا تعین مذہبی ذمہ داری ہے۔

مشرقی پاکستان کے شمال مشرق ہمالیہ کے قریب سلہٹ ہیں جن کو ساری دنیا کی چائے کے باغات کی وجہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہاں پر جہالت اور بت پرستی عام تھی۔ وہ بہت سی توہمات کا شکار تھے۔ بجلی کڑکتی تو وہ سجدے کرتے، سانپ کے آگے ہاتھ جوڑتے۔ اس کے علاوہ پہاڑوں کے اندر بہت سے دیوتا تھے۔ اسی جہالت میں نور کی ایک کرن پھوٹی اسی حوالے سے ابراہیم جلیس یوں لکھتے ہیں۔

> ”چین اس اندھیرے میں نُور کی ایک کرن جگمگا اُٹھتی ہے، مغرب کی طرف سے ایک بزرگ شاہ جلال اپنے (۳۶۰) پیروؤں کے ہمراہ اُونچی نیچی پہاڑیوں پر سے چڑھتے اُترتے سلہٹ کی طرف سے بڑھ رہے ہیں۔“
>
> ”حضرت شاہ جلال اور ان کے پیروؤں کے ہاتھوں میں عرفان کی مشعلیں ہیں اور ان عرفان کی مشعلوں کی روشنی میں سہلٹ کی پہاڑیوں میں اسلام نمودار ہو رہا ہے اور سہلٹ کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ سلہٹی باشندوں کے چہروں پر عرفان کی مشعلوں کی روشنی خوشی بن کر پھیل گئی ہے۔۔۔۔ اور اسلام کا راستہ انہیں خوشیوں بھری زندگی کی منزل کی طرف لے جا رہا ہے۔“(۱۴)

حضرت شاہ جلال اور اس کے پیروکاروں نے اسلام کی روشنی سے سلہٹی باشندوں کو منور کیا۔ ابن انشاء ایک عظیم شاعر، نثر نگار اور مزاح نگار تھے ۱۹۴۴ء میں انھوں نے ایک وفد کے ہمراہ چین کا سفر کیا ایک سفر نامہ لکھا اس سفر نامے میں انھوں نے چین معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی پہلو کو اُجاگر کیا ان کے سفر نامے میں مذہبی عناصر کے نمونے ملتے ہیں چونکہ ان کے سفر ناموں کی سنجیدہ معلومات بھی طنز و مزاح کا روپ

دھار لیتی ہے۔ اسی طرح وہ سفر نامہ میں اسلام کے ایک رکن نماز کے بارے تذکرہ کرتے ہوئے بھی مزاح کے روپ اپنا لیتے ہیں۔ نماز دین اسلام کا اہم رکن ہے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر بار بار آیا ہے نماز اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا وہ مخصوص طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل کے ساتھ مسلمان کو سکھایا ہے نماز خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا کا ذریعہ ہے گناہوں سے نجات دلاتی ہے نماز کا باجماعت اہتمام مساجد میں کیا جاتا ہے۔ مسلمان پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں۔

اسلام میں علم حاصل کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے بقول کوثر نیازی:

> "ہمارے رسول مقبول ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ ہمیں علم حاصل کرنا چاہیے
> اس جستجو میں چاہے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔"(۱۵)

ابن انشاء کا ایک دوست نماز پڑھنے کا طریقے جاننے کے لیے ان کے پاس آتا ہے وہ ان سے درخواست کرتا کہ نماز وضو کا طریقہ سکھا دیتے کے ساتھ ساتھ سورۃ بھی پڑھا دیں۔ کیونکہ وہ چین جارہا ہے وہاں جا کر نماز کا باقاعدگی سے ادا کرنے چاہتا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ کمیونیسٹ میں جا کر دائرہ اسلام سے ہی نکل جائے انہی الفاظ کی روشنی میں ابن انشاء یوں لکھتے ہیں:

> ”فرمانے لگے میں چین جارہا ہوں۔ یہاں تو اگر نماز نہ پڑھوں تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اسلامی ملک ہے لیکن دوسرے دیس میں جا کر تو باقاعدہ نماز پڑھنی ہی چاہیے ورنہ وہ لوگ جانے کیا خیال کریں اور پھر وہ لوگ تو کمیونسٹ ہیں۔ بالکل ہی خدا کو بھول گئے ہیں۔ مجھے تم اسلام سے ایسا بھی بیگانہ نہ سمجھو۔ ریس کورس بھی جاتا ہوں تو میرے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے اور کسی گھوڑے پر داؤ لگانے سے پہلے ایک بزرگ سے فال ضرور لیتا ہے۔ پینا پلانا تو تم خود جانتے ہو۔ ایک زمانے سے کم کر رکھا ہے اب اس سے زیادہ اس عمر میں تو ہوتا نہیں۔“ (۱۶)

اسلام میں پردہ کی اہمیت پر زور دیا ہے حدیث میں ہے حیاء ایمان سے ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیاء اور پردے کا حکم بار بار دیا ہے۔ پردے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ کے پاس ان کی ازواج مطہرات اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو اُمِ مکتوم تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پردہ کرو تو حضرت اُم سلمہ نے عرض کیا وہ تو نابینا ہیں۔ وہ ہماری طرف

کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں تو نابینا نہیں ہو تم تو اُن کو دیکھ سکتی ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پردہ کرنا لازم ہے۔ چونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ آج کل تو ہر طرف آوارگی اور بے ہودگی کا دور دورہ ہے۔ باریک لباس کا رواج ہے جو خواتین پردہ کرتی ہیں وہ صرف نام کا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بے حیائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ انہی الفاظ کی تائید میں عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں:

> "نیک بیبیو! اور کچھ نہیں تو کم از کم چھوٹے کپڑے ہی پہن لو کہ اللہ تعالیٰ اتنی بے حیائی کو پسند نہیں کرتا، لیکن اس وعظ کی نوبت ہی نہ آئی، اس مہینے کے لیے فیشن ساز اداروں نے کچھ ایسے ملبوسات تیار کئے تھے جس پر جلی حروف میں ”مستورات کے لیے پردہ کا خاص انتظام ہے۔"(۱۷)

روم کے سفر کے دوران عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں نماز ادا کروں نماز دین کا ستون ہے دل میں راحت اور اطمینان کا باعث ہے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو بہت سے مسلمان بھائی سے ملاقات ہوئی خاص کر کے جب دیار غیر میں کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو خوشی کی ایک لہر اٹھاتی ہے اور اس کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ کہ اس بچے کا اسلام سے اتنا لگاؤ ہے لیکن جب نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں کھڑے ہوئے تو ان نوجوانوں کو نہیں پایا، یا تو دل میں خیال آیا ہے۔ دکھاوا تھا جو اس بچے نے کہا۔ اگر دکھاوا نہیں تو وہ بچہ نماز کیوں پڑھنے آیا۔ عطاء الحق قاسمی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "جب میں "ڈاکٹر صاحب" اور طاہر کے ساتھ انسانوں کی اس منڈی سے باہر نکلا تو میرا جی چاہا کہ میں سجدہ ریز ہو کر اپنے خدا سے فریاد کروں کے اے باری تعالیٰ! تو نے انسان کو اتنا ابوالہوس کیوں بنایا ہے کہ ہوس کو نظام کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اور اس نظام کا رزق بننے والے رضاکارنہ طور پر اپنے گھروں کو چھوڑ کر پنجروں میں آباد ہو جاتے ہیں؟

ارض روم کی گلیوں میں گھومتے ہوئے ایک گراؤنڈ میں والی بال کھیلتے نوجوانوں سے مسجد کا پوچھا تو وہ کھیل چھوڑ کر سب کے سب ایک قافلے کی صورت میں ہمارے ساتھ چل پڑے۔ ان میں ایک تیرہ سالہ بچہ تھا۔

"پاکستان" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں پاکستان!" میں جواب دیا!

"مسلمان!" یہ اس کا سوال نہیں تھا بلکہ اس یقین کا اظہار تھا کہ تم مسلمان ہی ہوگے، مگر اس کا اگلا سوال انتہائی دلچسپ تھا!

"حنفی؟“

"ہاں۔۔۔۔ حنفی!" میں نے جواب دیا!

یہ سن کر اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اس نے گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "الحمد اللہ الحمد اللہ!"

> وضو کرنے کے بعد نماز کی نیت باندھنے سے پہلے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سب نوجوان جو ہمیں مسجد کے اندر تک لے آئے تھے بلکہ وضو میں بھی شریک ہوئے تھے، غائب ہو چکے تھے۔ ان غائب ہونے والوں میں وہ تیرہ سالہ بچہ بھی شامل تھا جس نے میرے حنفی ہونے پر وفورِ مسرت سے "الحمد اللہ الحمد اللہ" کہا تھا!"(۱۸)

نماز قلب کی راحت ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز کی ادائیگی سے پہلے پاک وصاف ہونا ضروری ہے۔ انسان نماز کے ذریعے اپنے رب سے مدد مانگتا ہے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ اپنے سفر نامے ”نکلے تیری تلاش میں“ ہندومت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہندو نروان ایک طویل کش کو کہتے ہیں ایک لمبا سا پائپ ہوتا ہے جس میں کش لگاتے ہیں اس کی منظر نگاری کرتے مستنصر حسین تارڑ یوں لکھتے ہیں کہ:

> "اس نے پاؤں میں رکھی ہوئی چمڑے کی تھیلی میں سے سرخ ہندیوں ایسا ایک لمبا پائپ نکالا اور بھورے رنگ کی ایک ڈلی سلگا کر کش لگانے لگا۔ ”نروان“ اس نے ایک طویل کش لیا اور پائپ اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا دیا۔ جب وہ دونوں بھی نروان حاصل کر چکے تو مجھے دعوت دی گئی ”ڈریگ؟“ ڈریگ ہپیوں کی زبان میں چرس کے لمبے کش کو کہتے ہیں۔ پنجابی میں یہی مفہوم ”یار سوٹالا“ سے ادا ہوتا ہے۔
>
> میں نے ایک نظران نروان رسیدہ ہپیوں پر ڈالی اور کار سے اترنے کا فیصلہ کر لیا۔"(۱۹)

بدھ مت کی آمد کے حوالے سے ابن انشاء لکھتے ہیں بدھ آرٹ اور مصوری بہت ماہر تھے چین میں بدھ مت کے آنے سے مجسمہ سازی اور کاغذ سازی کی صعنت کا آغاز ہوا۔ اس کے نقاشی میں ماہر تھے۔ چینی کی سب دلچسپی شاعری، مصوری اور نقاشی میں ہے۔ بدھ مت کے آنے سے اس صنعت کو فروغ حاصل ہوا اور یہ چینی تاریخ میں ایک شاندار دور تصور کیا جاتا ہے۔

> "بدھ مت آیا۔ مجسمہ سازی اور کاغذ سازی شروع ہوئی، چینی خود کو آج بھی ہان ہی کہتے ہیں۔ تانگ دَور اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ اس میں چھاپا خانہ ایجاد ہوا۔ شاعری، مصوری اور چینی ظروف کی نقاشی عروج کو پہنچی۔ یہ چین کی تاریخ کا سب سے شاندار دّور سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت یورپ میں عہد تاریک تھا۔ اس کے بعد سونگ دَور (۹۶۰-۱۲۸۰ء) آیا۔ یہ آرٹ خصوصاً مصوری کے لیے مشہور ہے۔"(۲۰)

فنون لطیفہ میں چینی لوگوں نے بہت ترقی کی بالخصوص مصوری، مجسمہ سازی اور نقاشی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اسی کی بدولت عمارات کی زیب و آرائش اور تعمیر میں نئے تجربات میں چینی ثقافت سب سے آگے ہے فنون لطیفہ میں چینی لوگوں نے بہت ترقی کی بالخصوص مصوری، مجسمہ سازی اور نقاشی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اسی کی بدولت عمارات کی زیب و آرائش اور تعمیر میں نئے تجربات میں چینی ثقافت سب سے آگے ہے

بیگم اختر ریاض الدین سان فرانسسکو کے دوران سکھ کی جفاکشی اور کفایت شعاری کے حوالے سے لکھتی ہیں۔ سکھ کینیڈا کی سرزمین میں ایک ایسے صوبے میں جابسا جو بہت زرخیز تھا سکھ قوم بہت محنتی اور جفاکش ہے اور وہ مال و دولت کی کفالت شعاری سے برتنا جانتے تھے۔ سکھوں میں پگڑیاں کا رواج عام تھا لیکن شرم کے مارے پگڑیاں نہیں پہنتے تھے لیکن اس کی خریدہ فروخت کرتے تھے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں بیگم اختر ریاض الدین یوں لکھتی ہیں:

> "کچھ سکھ شمال سے کینڈا کے ذریعے داخل ہوئے اور امریکہ کے سب سے زرخیز صوبے میں بس گئے۔ جس کی زمین سے انھیں امید تھی کہ سونا اُگلے گی اور پھلوں کے خوشے توڑے بغیر منہ میں آجائیں گے۔ لیکن ان معصوموں کے لیے عرش پر بھی بیگار تھی۔ یہ سب مزدور بھرتی ہوگئے۔ کوئی تو سیب چُن کر پیٹ بھرتا۔ کوئی ریل کی پٹڑی پر پتھر کوٹتا۔ خیر ان سب نے جفاکشی اور کفایت شعاری سے کچھ پیسہ

> بچایا۔ پھر ہندوستان میں آزادی کی تحریک کی شروعات اور سرگرمیاں ان کے کان میں پڑیں۔ ہر دیال، موتی لال نہرو۔ محمد علی۔ شوکت علی۔ گاندھی کے نام سے ان کے خون میں جوش اٹھا۔ ان میں سے کئی خاندانوں نے گاڑھے پسینے کی کمائی کا حصہ سیاسی جماعتوں خاص طور پر کانگرس کو بھیجا۔ ہندو، سکھ پہلے پگڑیاں پہنتے تھے۔ پھر جب شرمانے لگے تو خود پہننا چھوڑ دیں لیکن بازار میں بیچنا شروع کر دیں۔ امریکن کوئی بھی عجوبہ ہو اسے خریدنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔"(۲۱)

اس سے واضع ہوتا کہ سکھ مذہب میں جفاکشی اور کفالت شعاری کو فروغ دیا گیا ہے۔ سکھوں کی تعلیمات میں جفاکشی اور کفایت شعاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی چیزیں معاشرے کی ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ج: مقدس کتب

بیگم اختر ریاض الدین کے انداز تحریر میں شگفتگی اور بے تکلفی ہے انھوں نے مختلف ممالک کے سفر کے دوران ان کے مذہبی پہلو نگاری بڑے خوبصورت انداز سے کی ہے۔ عیسائی مذہب میں بائبل کو بہت حاصل ہے چونکہ یہ عیسائیت کی مقدس کتاب ہے ایک سچے عیسائی ہونے کے لیے احکامات پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے بائبل میں ہے کہ دشمنوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا رویہ اپنایا جائے۔

> تمہیں ایک سچے عیسائی کی حیثیت سے ایسی زبان اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ بائبل کہتی ہے اپنے دشمنوں سے بھی محبت کا رویہ اختیار کرو۔" (۲۲)

ابن انشاء کے خیال میں لوگ جب چین یا روس کا سفر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسلامی احکام کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں وہاں اس بات کی تصدیق یوں کی جاتی ہے کہ مسلمانوں سے باقاعدہ قرآن مجید کا کوئی سورت سنی جاتی ہے تاکہ پتہ چلے کہ یہ واقعی مسلمان ہے۔ اس لیے وہاں جانے کی تیاری کے لیے باقاعدہ طور پر اسلامی تعلیمات کو ہی سیکھتے ہیں خصوصاً نماز، روزہ وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد ماسکو کا شمار روس کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے اور یہ مسجد روس کا مذہبی مرکز بھی ہیں جو مسجد ۲۰ ہزار مربع میٹر کے رقبے پر مشتمل ہے اور اس میں تقریباً دس ہزار سے زائد مسلمان نماز ادا کر سکتے ہیں۔ جو مسلمان روس کا سفر کرتا ہے خواہ وہ کسی علاقے سے بھی تعلق رکھتا ہو اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ جامع مسجد ماسکو میں نماز ادا کرے۔ اسی حوالے سے ابن انشاء یوں لکھتے ہیں:

> ”ہم نے دیکھا ہے کہ امریکہ یا برطانیہ کو شاید لوگ دارالاسلام سمجھتے ہیں۔ وہاں جاتے ہوئے کوئی اس قسم کا تردّد نہیں کرتا لیکن چین یا روس جاتے وقت اپنے کپڑوں کے ساتھ ساتھ اپنے اسلام کو بھی ڈرائی کلین کرا کے لے جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ ایک آدھ نماز تو پیکنگ یا ماسکو کی جامع مسجد میں پڑھ کر اپنی تصویر کھنچوا لے، پھر ان ملکوں میں کوئی مسلمان مل جائے تو پہلا خیال لوگ یہی کرتے ہیں کہ ضرور کوئی جعلیا ہے۔ ان کی حکومت نے ابھی اسے سکھا پڑھا کر اور السلام علیکم کہنا سکھا کر ہمارے لیے تیار کیا ہے۔ ہم سے بھی کنیٹن کی مسجد میں کہ وہاں کے مسلمانوں کے محلّے میں واقع ہے۔ دو صاحبوں سے ملوایا گیا تو ہم نے گمان کیا کہ مولوی صاحب کی داڑھی پر جو پانچ چھ بال ہیں محض ہمارے اعزاز میں اُگائے گئے ہیں۔ نام ان دونوں صاحبوں نے ہمیں مسلمانوں کے سے بتائے۔ ایک ابراہیم صاحب تھے، اگرچہ اس کے ساتھ چوں چوں چن وغیرہ بھی لگتا تھا۔ دوسرے صاحب کا نام ہم بھول گئے۔ ہمارے ساتھیوں نے وہاں قرآن مجید کے نسخے ملاحظ کرنے کے بعد شک کا فائدہ ملزموں کو دیا وہ بھی تب جب کہ ایک صاحب نے مولوی صاحب سے سورۃ فاتحہ سن لی۔ اس ایک سورت کو سُن کر انھوں نے مولوی صاحب کو پاس ہونے کے نمبر اس لیے دیے کہ خود ان کو صرف یہی سورۃ آتی تھی۔"(۲۳)

قرآن مجید کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دعوت توحید کی طرف آمادہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر کا کیا کہ کائنات کا تمام اشیاء اللہ کی پیدا کردہ اور ان کا خاص سسٹم ہے۔ کائنات میں غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان کیسے بنایا زمین کو کیسے بچھایا۔ کائنات کے نظام میں خامیاں اور کوتاہیاں نظر نہیں آئے گی آسمان کی طرف غور و فکر کرو کیسے اللہ نے پیدا کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بار بار اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ خدا کے نظام میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ سورۃ الملک میں اس کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان کو اوپر تلے تخلیق کیا اللہ کی تخلیق ایسی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے آسمان کی طرف غور کرو۔ اس میں کوئی شگاف نظر نہیں آتا اتنی پرانی چھت ہو گئی ہے اس میں کوئی سوراخ نظر نہیں آئے گا بار بار آسمان کی طرف دیکھو دنیا میں جتنی عمارتیں بنی ہوئی ہیں ہو ۵۰ سال کے بعد گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ کی تخلیق پر غور کرو اسی طرح تم بار بار اپنی نگاہ آسمان کی طرف دوڑائیں آپ کو اس کا فرق نظر نہیں آئے گا اللہ کی تخلیق میں تم کو کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔ تم اپنی نگاہیں کو جتنی بار بھی

آسمان کی ڈور ہر وقت نامراد ہو کر واپس آجائے اور اللہ کی تخلیق کردہ آسمان میں نہ تو کوئی شگاف نہ ہی اس کی بناوٹ میں کوئی کمی نظر آئے گی چونکہ خدا کا نظام خامیوں، غلطیوں اور تضادات سے مبرا ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں کوثر نیازی یوں لکھتے ہیں:

> ”قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآنِ پاک نے کائنات کو جس طرح دیکھا اور دکھایا ہے، اس میں بھی اسی پہلو کو بطورِ خاص نمایاں کیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم کے نزدیک یہ نظامِ کائنات بھی خامیوں، غلطیوں اور تضادات سے پاک ہے۔ وہ اعلیٰ الاعلان کہتا ہے:
>
> ﴿ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ-فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ-هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴾
>
> تو خدائے رِحمان کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا۔ پھر تو نظر کو لوٹا، کیا تو اس میں کوئی شگاف دیکھتا ہے۔ یہ قرآنی ارشاد ہی تو ہے کہ اس خدائی سسٹم میں تمہیں کہیں بھی تضاد نظر نہیں آئے گا۔ وہ توحید کی دعوت دیتا ہے۔"(۲۴)

اس ظاہر ہوتا ہے کہ نظام قدرت میں کوئی تضادات نظر نہیں آتا اور یہ تمام خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے

د: مقدس مقامات

بیگم اختر ریاض الدین نے قاہرہ کے سفر کے دوران تاریخی مقامات اہرام مصر، فرعون کے محلات اور معماروں کے تراشے ہوئے مجسمے کی تصویر کشی کی ہے اہرام مصر تہذیب کا مظہر ہے ان عمارات کی تعمیر اچانک نہیں ہوئی ہیں بلکہ لاکھوں افراد کی خون وپسینہ ان میں شامل ہیں۔ فرعون کے ظلم وستم اور غلاموں کے آنسوؤں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی وحشت کس حد تک جاسکتی ہے۔ بیگم صاحبہ کی خوبصورتی میں ایسی محو ہوئیں کہ ان مجسموں کی صناعی پر ورحیرت میں پڑ گئیں وہ لکھتی ہیں۔

> "اہرام مصر: باہر سے اینٹوں کے سنگین تکون۔ اندر سے مہیب فرعونی مقبرے۔ ہولناک حیرت انگیز! تین ہزار سال قبل از مسیح! کن شاہی معماروں نے تراشے ہوں گئے؟ کتنے سالوں میں مزدروں کی قربانی سے تیار ہوئے؟ ان کی مٹی انسان کے خون سے گندھی۔ ان کی اینٹوں میں انسان کی ہڈیاں پسیں! یہ لاکھوں غلاموں کے آنسو اور آہ وبکار سے فرعونیت نے ارض ابدیت خریدی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

> انسان کی نخوت و وحشت کہاں جا کر رکے گی! اہرام مصر اندر سے زیادہ وسیع اور بارعب معلوم ہوتے ہیں"(۲۵)

جمیل الدین عالی مصر کے سفر کے دوران شارع سلیمان اور دریائے نیل کے کنارے پر جو مجسمے نصب کیے گئے ہیں اوران کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قاہرہ ایک خوبصورت اور پراسرار شہر ہے اس میں بہت شارع ہیں ایک شارع داسی سلیس کے نام سے مشہور ہے دوسری شارع الجیش اسکو شارع فاروق بھی کہتے ہیں بعض ایسی شارع بھی ہیں جس میں مجسمے بھی بنائے گئے ہیں ان شارع سلیمان پاشا اور میدان مصطفیٰ کامل ہے شارع سلیمان اس سڑک کے چوک میں ایک مجسمہ ہے جو سلیمان پاشا کے نام سے مشہور ہے انیسویں صدی میں مصری سورمانے اس سڑک کا نام سلیمان پاشارکھا دیا تھا اس کے دوسری طرف میدان مصطفے کامل بھی ہے جس میں مصطفے کاملہ کا مجسمہ ہے مصر میں پرانے بادشاہوں اور فرعون کے نام سے بہت سی شارع منسوب کیا گیا انہی الفاظ کی تائید میں جمیل الدین عالی یوں لکھتے ہیں:

> "اس کا نام شارع سلیمان بادشاہ ہے۔ عرب میں نہیں بول سکتے اور پاشا کا لفظ ترکی حکومت کے زمانے میں آیا تھا کہ جانے کا نام نہیں لیتا۔ اس سڑک کے ایک سرے پر ایک وسیع چوک ہے جس میں ایک سپاہی کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ یہ انیسویں صدی کا ایک مصری سورما تھا جس کا نام سلیمان باشا تھا۔ شارع سلیمان باشا تھا۔ شارع سلیمان باشا کے ایک طرف سے شارع قصر نیل شروع ہوتی ہے جو دریائے نیل کے کنارے کنارے گئی ہے۔ اس راستے پر ایک اور چوک ہے جس کا نام میدانِ مصطفےٰ کامل ہے۔ یہاں مشہور مصری قوم پرست مصطفےٰ کامل کا مجسمہ ہے۔ مجسّمے قاہرہ میں بہت سے ہیں۔ اسٹیشن کے آگے بھی ایک قدیم طرز کا مجسمہ ہے۔" (۲۶)

مصر میں ابوالہول کے بارے میں دلچسپ معلومات ملتی ہیں ابوالہول ایک بے جان اور بے حس پتھر ہے یہ ہزاروں برس پرانے فرعون کی شکل کا ایک مجسمہ ہے، فرعون نے خدائی دعویٰ کیا تھا اس کی عمر اور شکل وصورت کا کسی کو علم نہیں ہے کہ کیسی ہے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی شکل شیر جیسی ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک اس کا چہرہ انسان جیسا ہے اور باقی جسم شیر کی طرح کا تھا۔ اس کی ناک اور داڑھی ٹوٹ گئی ہے یہ مجسمہ ایک خوف ناک منظر پیش کرتا ہے اسی لیے اس کا نام ابوہول یعنی (خوف کا باپ) رکھا گیا ہے۔ یہ مجسمہ مشہور ہے۔ اسکی لمبائی ۱۸۹ فٹ ہے اور اس کی اونچائی تقریباً ۶۵ فٹ ہے یہ دور سے ایک پہاڑ کی مانند نظر

آتا ہے۔ سورج کی طرح اس کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے، مصر دیومالا ابوالہول کو روحانی رہنما خیال کرتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بت وادی نیل کی حفاظت کرتا ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں جمیل الدین عالی یوں لکھتے ہیں۔

> "ان کی شان جنگل کے بادشاہ شیر جیسی ہوتی ہے جیسے ابوالہول کی شان ہے۔ ابوالہول ۱۹۰ فٹ بلند ہے۔ اس کا چہرہ انسان کا اور دھڑ اور پنجے شیر کے سے ہیں۔ شاید مفرور فرعونوں یا دل جلے غیر فرعونوں نے اس کی خاموشی پر غصہ اس طرح اُتارا ہے کہ اس کی ناک شکستہ کر دی ہے جیسے آج کل گھونسا مار کر ناک توڑ دیتے ہیں مگر باقی کچھ نہیں بگاڑ سکتے یا ممکن ہے یہ کام صدیاں جو فرعونوں سے بھی زیادہ طاقتور اور بد دماغ ہوتی ہیں۔ ابوالہول کم از کم فرعونوں کے چوتھے خاندان سے یہیں بیٹھا ہے یعنی کوئی پونے تین ہزار برس قبل مسیح سے جس کا مطلب ہے کہ اس کی عمر کم از کم ساڑھے چار ہزار برس ہے۔"(۲۷)

اس کے علاوہ کشتیوں کا بھی اُخروی زندگی میں اہم کردار ہے چونکہ ان کا خیال ہے کہ خدا آسمان اور زمین میں نامعلوم دنیاوی کشتیوں کے ذریعے سفر کرتا ہے۔ اس طرح کسی شخص کا جنازہ دفن کرنے کے لیے کشتیوں پر دریائے نیل کے پار بھیجتے ہیں جانوروں کو جنازے کے ساتھ رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جانور مرنے والے کی اُخروی زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں خوفو کا اتنا بڑا اہرام بنایا گیا ہے کہ اس میں ۲۳ لاکھ سے زیادہ پتھر ہیں اس کی تعمیر بیس سال کے عرصے میں ہوئی اس ہرم کا غلاف سنگ مرمر کے پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ یہ اہرام دنیا کے سات عجائبات میں سے سب سے قدیم ہے انہی الفاظ کی روشنی میں جمیل الدین عالی یوں لکھتے ہیں کہ:

> "اب میں اہرام سقار یعنی فرعون اعظم خوفو کے مقبرے کے سامنے کھڑا ہوں جو شاید آج بھی دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے اور اپنے وقت کی دنیا کے سب سے بڑے اور ظالم بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ ابھی میں نے اس کے ایک پتھر پر ٹھوکر ماری اور دل کھول کر قہقہہ لگایا جس میں ایک لمحے کے لیے میرے سارے احساسات کمتری، سارے عزائم اور ساری محرومیاں اور سارے دکھ سمٹ کر آ گئے تھے۔ ایک لحاظ سے میں نے فرعون خوفو کے منہ پر طمانچہ مارا اور اس کے مقبرے کی بے حرمتی کی مگر یہ اتنا بڑا اہرام یونہی بے بس کھڑا رہا۔ یہ اہرام جس میں تقریباً تیئس (۲۳) لاکھ

> پتھر جڑے ہوئے ہیں جن کا اوسط وزن ڈھائی ٹن فی پتھر ہوتا ہے اور جن میں سولہ ٹن وزنی پتھر بھی شامل ہیں، یہ اہرام جس کا قد آج بھی یعنی چوٹی ساڑھے چار ہزار برس ہے، میری ٹھوکر سہہ کر رہ گیا بلکہ لحہ بھر کو خود میرے مزاج میں فرعونیت بھر دی۔" (۲۸)

ابو لہوال کے مجسمے کے سامنے روشنی اور آواز کو گونجتی تھی۔ اس میں نئے فرعون کی تاج پوشی کی محفلیں سجائی جاتی تھیں باجے بجائے جاتے ہیں پھر اس کے بعد ماتمی لباس میں ملبوس میت کو تابوت میں ڈال کر اہرام کی طرف لے جاتے ہیں کاہن کی صدائیں ہر سو گونجتی ہیں۔ ابن انشاء قاہرہ کے سفر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

> "روشنی اور آواز کا یہ پروگرام قریب قریب ہر شام کو ابوالہول کے مجسمے کے سامنے ہوتا ہے۔ چھپی ہوئی روشنیاں ایک ایک کر کے اہرام اور ابوالہول کے پہلوؤں کو اُجالتی ہیں اور پس منظر سے کمنٹری ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ایک آواز۔۔۔ پھر دوسری آواز۔ پتھر گھسیٹ کر لانے والے ہزار بے نام بے گاری مزدوروں کا شور سنائی دیتا ہے۔ سامنے مصری دیوتاؤں کے مندروں میں آرتی اُترتی ہے۔ نئے فرعون کی تاج پوشی کا جشن ہوتا ہے۔ باجے گاجے بجتے ہیں اور اس کے بعد اس کی میت اُٹھتی ہے اور ماتمی نغمہ فضا میں پھیل جاتا ہے۔ ملکہ نفرتیتی کا نقرئی قہقہہ گونجتا ہے۔ کاہن کی بھاری بھر کم آواز سنائی دیتی ہے۔ صدیاں جاگتی ہیں اور ہماری گھڑیوں کے دقیقوں اور ساعتوں کی طرح گزر جاتی ہیں۔ تاریخ کے پردے اُٹھتے ہیں، گرتے ہیں، شہر بستے ہیں، اُجڑتے ہیں۔ دریائے نیل بپھرتا ہے، سمٹتا ہے۔ کونپلیں پھوٹتی ہیں اور فصلیں کٹتی ہیں۔ باپ اپنا ہرم بناتا ہے۔ بیٹا دوسرا ہرم بناتا ہے اور پھر غضب ناک ہجوم ان کے تابوت کھول کر ان کی لاشوں اور ممیوں کو گھسیٹ لے جاتے ہیں۔"(۲۹)

غرض زندگی کی تمام لطافتوں، رعنائیوں اور رنگینیوں کی مجسم تصویر ان سفرناموں میں نظر آتی ہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین روس کے شہر لینن گراڈ کی سیر کے دوران وہاں کے مشہور ان کی نظر سینٹ آئزک پر پڑی سینٹ آئزک جو عیسائیوں کا گرجا گھر ہے۔ لوگ اس میں اتوار کے دن عبادت کے لیے جاتے

ہیں اس گرجا گھر کی پُر شکوہ عمارت سیاحوں کے باعث کشش ہے بیگم اختر ریاض الدین اس جگہ جا کر اپنے جذبات کی مرقع نگاری یوں کرتی ہیں۔

> " سینٹ آئزک کا شاندار گرجا دیکھنے گے (Cathedral st Issacs) اس کے کلس سنہری اور گنبد بہت اونچا ہے۔ ہم ہانپتے کانپتے مینار پر چڑھ گئے۔ یہاں سے تمام شہر اپنے گوناگوں رنگوں میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اندر کی سجاوٹ بہت قیمتی اور نایاب ہے۔ دیواروں پر مصوروں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی قد آدم تصاویر میں رنگ آمیزی کی ہے۔ چھتوں پر بائبل کے قصوں اور حکایات کو فنکار نے نقاشی کے پیرائے میں ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ گرجا چالیس سال کے عرصہ دراز میں تیار ہوا تھا۔ (۳۰)

اسی طرح لندن کے سفر کے دوران بیگم ریاض الدین کلیسا اور پادریوں کی وعظ و تبلیغ کے حوالے سے لکھتی ہیں یہ بات حقیقت ہے کہ دین کی سربلندی اور وسعت کے لیے ان کے پیروکاروں کا کردار سب سے اہم ہے ہر مذہب کے اپنے اپنے پیروکار ہوتے ہیں عیسائی مذہب میں پادری کو دعوت و تبلیغ کا یہ کام سونپا گیا ہے۔ پادری اپنے مذہب کی سربلندی اور ترقی و ترویج کے لیے مختلف علاقوں میں جا کر تگ و دو کرتے ہیں لوگوں کو وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ہر مشکل کام کا مقابلہ کرنے کا بھی درس دیتے ہیں اسی حوالے سے بیگم اختر ریاض الدین یوں اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔

> " یہاں ننھے ننھے کلیسا بھی نظر آئے۔ یہ پادری بھی ہر مشکل جگہ مذہبی سرنگ لگا کر پہنچ جاتے ہیں اور سادہ لوح دیہاتیوں، پہاڑیوں کو اتواری وعظ دیتے ہیں۔ میری رائے میں تو یہاں رہنے والوں کو اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ جو جگہ یزدانِ کُل کا عیاں عکس ہو جس کے ہر رخ سے خداداد حُسن کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں وہاں اندھیرے گرجے میں لا کر لوگوں کو کیا بتانا کہ خدا بھی ہے؟ "(۳۱)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفرنامے میں مختلف ممالک کے مذہبی عناصر نمایاں نظر آتے ہیں میکسیکو کے سفر کے دوران کیتھولک چرچ کے منظر نگاری کرتے ہوئے بیگم اختر ریاض الدین یوں رقمطراز ہیں۔

> " ان ” میورلز " نے میکسیکو سٹی کو دنیا کا سب سے اچھوتا شہر بنا دیا ہے۔ ان کو دیکھ کر عوام جمالیاتی فن سے آشنا اور قومی افتخار سے لبریز ہوتے ہیں۔ تعلیمی وزارت اور

> مرکزی سیکر ٹیریٹ کے میورل کیتھولک چرچ کا علانیہ ہجو ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح مذہبی منادوں نے مزدوروں کی ہڈیوں کو پیس کر اپنے اہرام انا ساخت کئے تھے اور پھر اس سونے کا ملّمع کرتے تھے۔ کس طرح وہ عوام کے حقوق بادشاہوں کے ہاتھ نیلام کرکے ان کی قربت اور خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ زیادہ تر میول انڈین قبائل ابتدائی تاریخِ ثقافت ہیں۔ بعض میں ازٹک دور کی رسومات اور فصلی جشن۔ بعض میں سامراجی عہدہ کے مظالم۔ چند میں آزادی کی جدوجہد اور زندہ جاوید میکسیکو کی تازہ اُمنگیں۔"(۳۲)

بنگال کی سیر کے دوران ابراہیم جلیس ڈھاکہ کی مساجد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ڈھاکہ کو مسجدوں کا شہر کہا جاتا ہے ڈھاکہ میں بہت سی مساجد ہیں اور اذان کی آوازیں گونجتی ہیں مسجد کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسجد میں مسلمان روزانہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں مسجد کی بنیاد و تقوی اور خوف خدا یہ ہے چونکہ مساجد اللہ کی پسندیدہ ترین مقامات ہیں۔ مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب گھر میں نماز ادا کرنے سے زیادہ ہے مسجد کو مسلمانوں کی طرز زندگی میں مرکزی حیثیت کے حاصل ہے۔ جب ان اذان کی صدا گونجتی ہیں جو ایک خوبصورت اور دلکش منظر پیش کرتی ہیں۔

بقول ابراہیم جلیس:

> "ازہ دم ہوکر صدر گھاٹ سے لوٹے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ چاروں طرف سے مغرب کی اذانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ڈھاکہ مسجدوں کا شہر ہے۔ ابھی تو نگاہوں کے سامنے ٹپاٹولی کی صرف ایک مسجد ہے۔ لیکن تصوّر کی نگاہوں کے سامنے لال باغ قلعے کی رہ تاریخی مسجد بھی ہے، جسے اورنگ زیب کے بیٹے شہزادہ محمد اعظم نے بنادیا تھا اور جس کے دامن میں نواب شائشتہ خان کی بیٹی، ایران وصفت عرف بی بی پاری کا مقبرہ ہے۔ نگاہوں کے سامنے نواب شائشتہ خان کی چوک مسجد بیگم بازار کی کرتلاب خان مسجد اور شہزادہ اعظم ست گنبد مسجد کے خوبصورت مینار بھی بلند ہیں۔"(۳۳)

لال قلعہ کے سامنے ایک بڑی خوبصورت مسجد ہے اس کے بڑے بڑے مینار ہیں اس مسجد کو شاہ محمد اعظم نے تعمیر کروایا۔ شاہ محمد اعظم اورنگ زیب کا بیٹا تھا۔ چٹاگانگ کی شاہی مسجد کے اونچے اونچے میناروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابراہیم جلیس اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> "چٹاگانگ کی شاہی جامع مسجد کے اُونچے مینار کسی نرم ونازک حسینہ کے مخروطن انگلیوں کی طرح نظر آرہے ہیں۔ ۱۶۷۰ء سے اب تک اسلام کے نام کو فضاؤں میں بلند کرنے والے اس مسجد کو بنگالکے حاکم شائشتہ خان نے تعمیر کیا تھا۔ اس مسجد سے نو میل ورے مشہور بزرگ پیر سلطان بایزد بسطامی کا چلّہ بھی نظر آرہا ہے۔ اب مسجدوں۔ درگاہوں اور مکانوں وال چٹاگانگ تو نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ اور وہ کھیتوں، دریاؤں، تالابوں اور جھیلوں والا چٹاگانگ نگاہوں کے نیچے ہے۔"(۴۴)

ابن انشاء مسلمانوں کی آبادی کے حوالے سے لکھتے ہیں ہانگ چو میں مسلمانوں کی آبادی کی تعداد زیادہ ہے وہاں پر مساجد کی شاندار تعمیر کی گئی ہے وہاں کی مساجد کے حسن وجمال کے حوالے ابن انشاء یوں رقمطراز ہیں:

> "پیکنگ کی شاندار مساجد کا جلال وجمال دیکھنے والے کو مبہوت ومتحیّر کرتا ہے۔ ہانگ چو میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد ہے۔ یاد رہے اس وقت ہم خالص چینی الاصل علاقوں اور آبادیوں کی بات کررہے ہیں ورنہ سنگیانگ کے ایغور ترک اور تاجکستانی اور قزاق تو ہیں ہی مسلمان جو وسط ایشیا کا حصّہ ہیں اور قوقند دختن سے ہم تہذیبی اور تاریخی طور آشنا ہیں۔
>
> کینٹن کی مسجد میں ابن انشاء اپنے ساتھیوں سے ملاقات کے دور لکھتے ہیں اس مسجد میں ایک مینار ہے وہ حضرت ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضے مبارک پر جانا چاہتے ہیں وہاں پہنچے رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے ان کا مقبرہ کینٹن کے پاس ہے روضہ مظہر کے اندر ایک مسجد ہے وہاں پر فاتحہ خوانی ہے۔
>
> کینٹین کی جس مسجد میں ابراہیم صاحب اور دوسرے بزرگ ہمیں ملے، پُرانے زمانے کی ہے اور اس کی احاطے میں ایک مینار ہے جسے ہم نے ماذنہ خیال کیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ لائٹ ہاؤس کا کام دیتا رہا ہے۔ ہماری منزل حضرت ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روضہ تھی۔ یہ شہر سے چار پانچ میل باہر ہے۔ راستے میں مسلمانوں کا سا پُرانا قبرستان آیا۔ بڑی ہری بھری جگہ ہے اور قبروں کے درمیان گزرتے ہوئے دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ اس روضۂ مطہر کا اثر دل پر گہرا اور پائیدار ثابت ہوا۔ بزرگ دفن تو یہاں ہیں لیکن ان کے قدم ہانگ چو اور مشرقی چین کے دوسرے

> شہروں میں بھی پہنچے اور یوں کہنا چاہیے کہ اسلام کا پودا چین کی سرزمین میں انھی بزرگ نے کاشت کیا۔ روضے کے اندر بھی ایک مسجد ہے۔ ایک تنگ دروازے کے روضے کی گنبدی عمارت میں داخل ہو کر ہم سب نے فاتحہ پڑھی اور دل کو گداز کیا۔"(۳۵)

کوثر نیازی نے ۱۹۷۳ء میں بطور سیاسی رہنما چین کا دورہ کیا آپ نے ایک سفر نامہ تحریر کیا جس کا عنوان ہے "ایک ہفتہ چین میں" اگرچہ یہ سفر نامہ سیاسی نوعیت کا ہے۔ لیکن اس میں مذہبی عناصر نمایاں ہیں چین میں مکمل طور پر مذہبی آزادی ہے۔ تمام لوگ اپنے اپنے عقائد اور مذہب کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں کو مکمل آزادی ہے وہاں پر ہزاروں مسجدیں اور دینی مراکز بھی ہیں انھی الفاظ کی روشنی میں کوثر نیازی یوں رقمطراز ہیں:

> "عوامی جمہوریہ چین میں مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے اور وہ اپنے عقائد اور معتقدات کے مطابق مذہب حقّہ پر پختگی سے قائم ہیں۔ چین میں سینکڑوں مسجدیں ہیں جو نمازیوں سے بھری رہتی ہیں اور چین کے مسلمان دن میں پانچ وقت اپنے دینی مرکز کی طرف منہ کر کے اِس پیغام کو دیا کرتے ہیں۔ جس پر دنیا کی تقریباً نوّے کروڑ آبادی کا ایمان ہے اور جو اس نوّے کروڑ آبادی کا ایسا فقطء اتصال ہے جس کو مغرب کی خربی، سیاسی، علمی اور نفسیاتی سازشیں کمزور نہ کر سکیں اور جو آج بھی اپنے پورے جلال و کمال کے ساتھ دنیا کی اس بہت بڑی اقلیت کو زندگی کا پیغام دیتا ہے۔"(۳۶)

ترکی کی سیر کے دوران عطاء الحق قاسمی مسجد سلطان احمد کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مساجد اللہ کا گھر ہیں ان کا احترام اور تقدس ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مسجد سلطان احمد چھ میناروالی مسجد بھی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس مسجد کو سونے کے میناروں جیسی تعمیر کیا جائے۔ ملکہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس پر بے انتہا خرچہ آجائے گا اسے ایک تدبیر سوجھی اور چھ میناروں والی مسجد تعمیر کر دی۔ جب بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے غصہ کا اظہار کیا تو اس وقت ملکہ نے جواب دیا کہ میں سمجھی آپ نے "آلتی" کہا ہے اور ہم نے اسے آلتی سمجھ کر اس کی تعمیر کر دی۔ انھی الفاظ کی وضاحت میں عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں کہ:

> "یہاں سے چھ میناروں والی مشہور زمانہ مسجد "مسجد سلطان احمد" نظر آتی رہی ہے!
>
> "تم جانتے ہو"، "ان چھ میناروں کے بارے میں کیا روایت بیان کی جاتی ہے؟"

> "کیا؟" میں رد گرد پھیلے ہوئے کتابی چہرے پڑھتے ہوئے کہتا ہوں!
>
> "سلطان محمد فاتح نے ایک بار حکم دیا کہ فوری طور پر ایک مسجد بنائی جائے جس کے مینار سونے کے ہوں۔ سلطان کے الفاظ تھے اوٹو جامع نن مینارے لری آلتن اولسن (Bu Caminin Menareleri Altin Olsun) ترکی میں "آلتی" چھ کو اور "آلتن" سونے کو کہتے ہیں چونکہ سونے کے میناروں کے لیے بے انتہا رقم درکار تھی، اس لیے ملکہ نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے معماروں کو حکم دیا کہ سونے کے میناروں کی بجائے چھ میناروں والی مسجد تعمیر کر دیں۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی اور سلطان محمد فاتح نے دیکھا کہ سونے کے میناروں والی مسجد سامنے کھڑی ہے تو وہ ناراض ہوا۔ ملکہ نے سلطان کو برہم دیکھا تو ادائے دلبری سے کہا "اچھا تو آپ نے "آلتن" کہا تھا، ہم سمجھے کہ "آلتی" کہا ہے!" اور یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا!"(۳۷)

ترکی کی سیر کے دوران عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں کہ ترکی کی مساجد بھی پاکستان کی مساجد جیسی ہیں مسجد کی دیواروں پر اللہ اور محمد ﷺ کے علاوہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک بھی درج ہیں اس کے قرآن مجید الماریوں میں رکھے ہوئے۔ ترکی کی مسجد میں سبھی افراد نماز کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں۔ بوڑھوں کی تعداد نوجوانوں سے زیادہ ہے۔ مسجد میں ہر طرح کے لوگ خدا کی عبادت میں مصروف ہیں۔ اگر ترکی اور پاکستان کی مسجد کے طرزِ عمل کا موازنہ کیا جائے تو بہت سے اقدار مشترک نظر آتے ہیں ان میں اشتراکی کا یہ نظریہ کسی الگ اور نسل کی وجہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی بنیادی وجہ مذہب اسلام ہے چونکہ ترکی میں اسلامی تعلیمات کو فروغ حاصل ہے یہ مساویانہ اصول اسلام مذہب کی بدولت ہے۔ اسی حوالے عطاء الحق قاسمی یوں رقمطراز ہیں:

> "مسجد کا اندرونی حصہ بالکل پاکستان کی مسجدوں جیسا تھا، یہاں اللہ اور محمد ﷺ کے علاوہ ابو بکرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے اسمائے مبارک سامنے والی دیوار پر جلی حروف میں درج تھے۔ دیوار پر آویزاں ایک کیلنڈر پر نماز کے اوقات درج تھے، جتنی ہماری الماری میں قرآن مجید کے نسخے رکھے ہوئے تھے۔ نمازیوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی، جتنی ہماری مسجدوں میں نظر آتی ہے، ان میں بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی اور جوانوں کی تعداد نسبتاً کم تھی، جب ہم مسجد میں پہنچے نماز کے لیے صفیں درست

> ہو رہی تھیں، کوٹ پتلون میں ملبوس ترک خدا کے حضور سجدہ ریز ہو رہے تھے۔ ہم میں اور ترکی میں ایک قدر مشترک ہے۔"(۳۸)

بیگم اختر ریاض الدین سان فرانسکو کی سیر کے دوران ”اُدھی بدھا“ کی منظر نگاری کرتی ہیں۔ جاپان کانسی ادھی بدھا کی سجاوٹ ایسی کی ہے کہ چہرے پر نروان اور سکونت کے عناصر ہیں۔

> "یہاں پر دسویں صدی کا جاپانی کانسی میں ”ادھی بدھا“ سجا ہوا ہے۔ جس کے کشادہ چہرے پر نروان کھلا ہوا ہے۔ بہت سے بدھا دیکھے لیکن اتنا سکون کہیں نہیں دیکھا۔ یونیورسٹی کے چاروں طرف پروفیسروں کی حسین کوٹھیاں، باغ، ہمارے ہوائی کے دوست "پول حنّا" بھی یہیں مقیم تھے۔"(۳۹)

ابراہیم جلیس بنگال کی سیر کے دوران لکھتے ہیں۔ بنگال کے ایک شہر کومیلا میں ہرے بھرے کھیت اور پہاڑ ہیں۔ راجہ پتر جو پندرھویں صدی میں یہاں حکومت کرتا تھا وہ سیر کے لیے گئے تو وہاں اس کو ماہی گیر کی لڑکی تالاب میں نظر آئی اور بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی اور وہ مہارانی بن گئی۔ اس نے محبت کی یاد میں ایک پل تعمیر کروایا۔ جو آج کل دھرم ساگر کے نام سے مشہور ہے اور بدھ مت کے ہزاروں بھکشو اس میں غسل کرتے ہیں۔ مہارانی کے بجائے منیامتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بقول ابراہیم جلیس۔

> "اس تالاب سے پانچ میل دور مہارانی چندرا کا بابل نگر ہے۔۔۔ منیامتی لال اٹی ۔۔۔ اب ہزاروں کی تعداد میں گوتم بدھ کے چیلے بدھ بھکشو مینامتی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے سر گھٹے ہوئے ہیں پاوں ننگے ہیں اور سارا جسم ایک دھوتی میں چھپا ہوا ہے۔
>
> مینامتی کا نام چندرا خاندان کی رانی مینامتی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ لیکن اب مینامتی کا گائوں بدھ بھکشوؤں اور بدھ مت کے پگوڈاوں کے لیے مشہور ہے راجہ پترا اور رانی مینامتی۔۔۔ اور ہوٹل شاہ باغ کی شہناز لالہ رخ!"(۴۰)

بدھ مت منیامتی کا گاوں بہت مشہور ہے ۔ بدھ مت اس کو مقدس خیال کرتے ہیں اور وہ جا کر سارے جسم پر اس تالاب کا پانی بہانا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

ستیاکنڈی۔ مشرقی پاکستان کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اس میں چندرناتھ اور شمبوناتھ کے مندر بھی ہیں۔ اس کے علاوہ بت کے پاوں کے نشانات بھی ہیں۔

> "میری نظریں کی چوٹیوں پر چندر ناتھ اور شمبوناتھ کے مندروں کو تلاش کر رہی ہیں۔ کتابوں میں پڑھا ہے کہ سیتا کنڈ کے نواح میں مشرقی پاکستان کی سب سے اونچی پہاڑی ہے یعنی مغربی پہاڑیوں ۱۵ فٹ اونچی پہاڑی۔ انہیں پہاڑوں میں کہیں وہ مندر بھی ضرور ہو گا جس میں گوتم بدھ کے ایک پاؤں کے نشان کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔"(۴۱)

اس اقتباس میں ابراہیم جلیس نے بتایا ہے کہ مشرقی پاکستانی کی پہاڑیوں میں گوتم بدھ مذہب کے بہت سے مندر ہیں اوران پر اس کے پاؤں کے نشان بھی ہیں۔

ر: مذہبی تہوار ورسومات

"دھنک پر قدم" بیگم اختر ریاض الدین کا سفر نامہ اُردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں مختلف علاقوں کے سفر کی روداد قلمبند کی گئی ہے ان کے سفر نامے مختلف مذاہب کے عقائد رسم ورواج اور مقدس مقامات کی تعمیر عمدہ منظر نگاری کی ہے اسی طرح ہوائی کے سفر کے دوران ہوائی کے لباس پر عیسائی مبلغ نے گہرے غم وغصے کا اظہار کیا انھوں نے ایک نیا چولا ایجاد کیا جو پورے جسم کو ڈھانپتا ہے۔ اس کو دوسرے ممالک میں اپنایا گیا چونکہ اس کی پسندیدگی کی بنیادی وجہ پردہ اور مختلف رنگ ہیں عیسائی معاشرے میں نئی ایجاد چولا کے بغیر کسی کاٹ کے ہوتا ہے، یہ چولا آج موجود ہے اور سیاح بڑی خوشی سے اس کی خرید وفروخت کرتے ہیں انہی الفاظ کی تائید میں بیگم اختر ریاض لکھتی ہیں۔

> "تو اُنہوں نے گھاس کی گھگھریاں کمر پر لٹکالیں اور سینے پر پھولوں کے ہار ڈال لیے۔ جب عیسائی مبلّغ امریکہ سے آئے تو ان کی شائستہ خواتین یہ برہنگی دیکھ کر بہت برہم ہوئیں اور پچکار کر ان آزاد ہرینوں کو معاشرت کے لبادوں میں دھکیلنے لگیں۔۔ یہ لباس بغیر کسی کاٹ کے ایک چولا ہوتا تھا MOTHER HUBBARD اس چولے نے بتدریج ترقی پائی۔ کہیں پھندنا لگا۔ کہیں پٹی۔ کہیں آستین کہیں چُنّٹ۔ کہیں کاٹ۔ لیکن پھر بھی آج چولا کا چولا ہے۔ اور صرف سیاحوں کی خوشی کے لیے ہزاروں کی تعداد میں بِکتا ہے اور مُومو(MUU MUU) کہلاتا ہے۔ مرد اس لباس کو اس لیے پسند نہیں کرتے کہ اس میں "جنسیت" عنقا ہے۔ عورت کا جسم بہت

> کم نظر آتا ہے۔ لیکن لحاظ سے یہ ہمارے لیے شرعی لباس ہو سکتا ہے۔ عورتوں کو اس لیے پسند ہے کہ اوّل تو حسین رنگوں میں ملتا ہے۔" (۴۲)

مذہب انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے چاہے کوئی بھی مذہب ہو۔ اس میں مقدس مقامات کی اپنی اہمیت و افادیت ہے عیسائیت میں چرچ کو مقدس مقام کا درجہ حاصل ہے۔ ایک امریکی نے نیا مذہب متعارف کرایا۔ اس مذہب کی تقدیس مورمن نامی چرچ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس مذہب میں سگریٹ نوشی، شراب، سود خوری اور قبر پرستی سے منع کیا گیا ہے یہ مذہب سادگی کا پرتو ہے۔ بقول اختر ریاض:

> "ایک امریکی شخص پر "وحی" اُتری کہ وہ مذہب کی اصلاح کرے۔ ایک نیا دین "کتاب" بغیر کسی طرح مکمل نہیں ہو سکتا تو غریب نے کتاب لکھی اور تبلیغ بھی کی۔ دیکھتے دیکھتے ہزاروں نے بیعت کرلی۔ آج مورمن چرچ بہت امیر اور وافر وسائل کا مالک ہے۔ اس کی شرع سے سگریٹ، شراب نوشی، اور سود خوری منع ہے۔ سادگی پر زور ہے۔ رسومات کو نہیں مانتے۔ قبر پرستی سے پرہیز کرتے ہیں۔" (۴۳)

میکسیکو میں کیتھولک مذہب کے اثرات نمایاں ہیں اس مذہب کی بدولت وہاں پر اتنی بے حیائی نہیں ہے جتنی کہ یورپ اور امریکہ میں ہے انہی الفاظ کی روشنی میں بیگم اختر ریاض الدین یوں لکھتی ہیں۔

> "معاشرے اور کیتھولک مذہب کا اثر کہئے یا "انڈین" حجاب!! یہاں جوانی کو عریاں اور عشق کے بے حیا نہیں پایا۔ جو منظر یورپ اور امریکہ کی سڑکوں اور باغوں میں دکھائی دیتے ہیں یہاں نہیں کمسن لڑکیاں "فلے منکو" (FLAMENCO) رقاصہ کا لباس پہنے۔ کان میں پالے ڈالے اور بالوں میں بھڑکیلی کنگھی لگائے اپنے سُرخی غازے کے مکمل احساس کے ساتھ مورتیوں کی طرح ٹھمک رہی ہیں۔ کہیں مائیں ایک بغل میں بچہ، دوسری میں پکنگ لنچ، اُٹھائے چلی جا رہی ہیں۔ کچھ مرد دہرے۔ گلابی شربت پی کر ٹھٹھے مار رہے ہے ہیں۔ ایک طرف بساطی اپنے بازار لگائے بیٹھے ہیں۔ غرضیکہ سیّاحوں کو پھانسنے کے اس شہر میں ہزار دام ہیں۔" (۴۴)

ایسٹر عیسائیت کا مذہبی تہوار ہے یہ تہوار عیسائی ۲۱ مارچ کے بعد آنے والے اتوار کو بڑے جوش و خروش سے بناتے ہیں بیگم اختر ریاض میکسیکو کے قیام کے دوران عیسائی کے مذہبی تہوار ایسٹر کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتی ہیں۔

> "یہ مخصوص مذہبی دنوں یا موسمی تہواروں پر منعقد ہوتے ہیں اور ان میں ساری آبادی ٹوٹ پڑتی ہے۔ ان "فی ایستا" علاقائی، لباسوں، کھیلوں اور آتش بازیوں کا مقابلہ بھی ہوتا ہے۔ ایسٹر کی چھٹی میں یہ بالکل راون کی طرح جوڈا (JUDAS) کا آتشی پتلا بنا کر فلیتے لگاتے ہیں اور جب وہ پھٹتا ہے تو اس طرح خوش ہوتے ہیں۔ گویا مسیح فروش کا آج ہی انتقام لیا جا رہا ہے اور "یلالوب گرجا کی کنواری" حضرت مریم کا جشن کئی دن چلتا ہے۔ اگر تم نے یلالوپ کی زیارت نہ کی تو اس ملک سے ناواقف رہ جاؤں گی۔"(۴۵)

تہران اور مشہد کی سیر کے دوران عطاء الحق لکھتے ہیں کہ اسلام اس شہر کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے یہاں کی فضا پاکیزگی کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہاں پر پردہ کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ خواتین سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں۔ صرف ان کے منہ پر کپڑا نہیں ہے۔ ہاتھ اور چہرے کے علاوہ باقی سارے جسم پر پردہ کرتی ہیں۔ اسی حوالے سے عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں:

> "یہاں عورتیں سر سے لے کر پاؤں تک چادر میں ملبوس تھیں، البتہ ان کے چہرے کھلے تھے۔ سرخ و سفید رنگ، خوبصورت خدوخال اور سیاہ آنکھیں۔

تم ناحق ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانے کا پتہ
ہم نے ہر اُس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

> مگر یہ شہر اس قسم کے رستے پوچھنے کے لیے مناسب شہر نہیں تھا۔ یہاں فضا میں ایک پاکیزگی کا احساس ہوتا تھا مجھے احساس ہوا کہ اسلام اس شہر کے مکینوں کی روحوں میں رچا بسا ہے۔ اس شہر پر رضا شاہ پہلوی کے ایران کی کوئی پرچھائیں موجود نہیں تھی بلکہ یہاں ایک اور شہنشاہ کی حکمرانی تھی، جن کا نام حضرت امام رضاؑ تھا۔ اس کے روضے پر حاضری دی تو یوں محسوس ہوا جیسے روشنی کا ہالہ ہے، میں جس کی پناہ میں ہوں۔"(۴۶)

ٹوکیو کی میر کے دوران بیگم اختر ریاض الدین ہندومت کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ ہندوؤں میں چائے پینے کے اصول رگ وید کے منتر یاد کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہیں وہ چائے کو یوگا سے تشبیہ دیتے ہیں جاپان میں چائے پینے کی رسم یوگا کی مانند ہے چائے کو دیوی کی طرح سجا کر مہمان کے سامنے پیش کرتے ہیں

پھر مہمان اس خوبصورت پیالی کو نہایت ادب سے لیتے ہیں اس کے لیے باقاعدہ ہے اس میں کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے ہندو اس کو شانتی قرار دیتے ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین کے بقول۔

> "رگ دیدا کے منتر دہرانے آسان ہیں، لیکن اس رسم چائے کے اصول یاد رکھنے مشکل، خیر آپ ڈریے نہیں، ہم کب یہ رسم ادا کرنے لگے ہیں؟ بہر حال ان سب حکایات کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے جسمانی روحانی اور ذہنی سکون اور توازن کا قیام یعنی چائے ایک قسم کا یوگا ہے جو آسن جما کر آنکھیں بند کر کے آہستہ آہستہ بوند بوند پورا ہوتا ہے۔"(۴۷)

چائے کی رسم ہر گھر میں، دکانوں میں اور باغات میں کی جاتی ہے اس کے لیے ہر نئے مہمان کے لیے اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے بیگم اختر ریاض اس پر یوں تنقیدی نقطہ نظر سے لکھتی ہیں۔

> "ہندو رشی منی اس کو شانتی کہتے ہیں۔ یہ رسم ہر نئے مہمان کے لئے ادا کی جاتی ہے، ہر گھر میں ہوتی ہے، ہر باغ میں ہوتی ہے، بڑی بڑی دکانوں میں ہوتی ہے، اس سے کہیں فرار نہیں اور اسے مذہبی وقار دیا گیا ہے اور اس کے لئے اک فضا قائم کی جاتی ہے۔ اگر چائے باغ کے پاس نہ جاسکتی تو باغ چائے کے پاس آجاتا ہے۔ جاپانی باغ کا چل کر آجانا مشکل بھی نہیں ایک چٹائی مٹی کا ایک ڈلا تھوڑا سا پانی ننھا سا فرن اور پھول، اگر باغ نہ بھی ہو کم سے کم گلدان سامنے ہو اور ایک خوبصورت سا نوشتہ ہو جس کے رنگین منظر پر ٹکٹکیاں جمی ہوں۔ سب اس سے محظوظ ہو رہے ہوں اور چائے نوش فرما رہے ہوں۔ یہ سب تو ہوا، لیکن خود یہ چائے کس قماش کی ہے کس مزے کی ہے؟ دیکھنے میں پسی ہوئی مہندی اور پینے میں کونین، جاپان میں جس رفتار سے یہ پی جاتی ہے ملیریا کا نام و نشان مٹ جانا چاہیے، کسی مچھر کی شامت ہی آئے جو جاپانی خون چوسے، کم بخت باری کے لرزے میں چل بسے گا۔"(۴۸)

لندن کی سیر کے مستنصر حسین تارڑ ہندوؤں کے مندروں کی منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مندروں میں بھجن اور گانوں کی سریلی آوازیں، ہری اوم اور ہری کرشنا اور پائل کی جھنکار کے حوالے سے تارڑ یوں رقمطراز ہیں۔

> "مندروں کی سریلی گھنٹیوں اور ڈھولکیوں کی تھاپ کے سنگ بھجن گانے کی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔"ہری اوم" ایک آواز آئی۔ مندر میں ہزاروں

> سندر اور کومل من موہنی داسیاں محو رقص تھیں۔ "ہری کرشنا" ایک اور آواز آئی۔ پائل کی جھنکار نے میرے نیم خوابیدہ ذہن کے دروازوں پر چھن چھن دستک دی۔ یا وحشت! میں نے لیٹے لیٹے سوچا یہ لنڈن کی بجائے کہیں بنارس میں ورود تو نہیں ہو گیا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو کسی کائیاں ہندو پجاری کی بجائے میرے بنچ کے سرے پر ایک بوڑھا انگریز ہاتھ میں صبح کا اخبار تھامنے اپنا پوپلا منہ نیم وا کیے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرائے جا رہا تھا۔"
>
> "صبح بخیر" اس نے اپنا بوسیدہ ہیٹ سر سے اٹھا کر کہا "ہری اوم۔ ہری کرشنا تمہارے ہم وطن ہیں شاید، اور نیشنل گیلری کے سامنے والی سڑک کی طرف اشارہ کیا جہاں سے موسیقی اور بھجن الاپنے کی صدائیں آ رہی تھیں۔ پانچ انگریز لڑکے اور دو لڑکیاں ہندو براہمنوں اور مندروں میں رقص کرنے والی داسیوں کا روپ دھارے فٹ پاتھ پر ناچ رہے تھے۔ (۴۹)

اس باب میں ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۸۰ء کے دوران شائع ہونے والے سفر ناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عقائد، مذہبی اقدار، مذہبی کتب، مذہبی مقامات اور مذہبی تہوار و رسومات کے حوالے سے سفر نامے میں خصوصی تذکروں کو زیر بحث لاتے ہوئے مذہبی عناصر کی کوشش کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۱۶۹۔۱۶۸

۲۔ جمیل الدین عالی، مصر، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۳۸۔۳۹

۳۔ ایضاً، ص۵۴۔۵۳

۴۔ ایضاً، ص۵۴

۵۔ کوثر نیازی، ایک ہفتہ چین میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۸۹۔۸۸

۶۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بک ڈپو کچہری روڑ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۱۴۶

۷۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء،، ص۴۲

۸۔ جمیل الدین عالی، مصر، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۵۶

۹۔ ایضاً، ص۵۶-۵۷

۱۰۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بک ڈپو کچہری روڑ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۶۴

۱۱۔ ایضاً، ص۱۰۸

۱۲۔ ایضاًص۱۴۵

۱۳۔ عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، مشمولہ سفر نامے، نیشنل فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۱۳۱-۱۳۲

۱۴۔ ابراہیم جلیس، بنگال میں اجنبی، لارک پبلیشرز، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۱۰۳۔۱۰۲

۱۵۔ کوثر نیازی، ایک ہفتہ چین میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۴۶

۱۶۔ ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیئے، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۱۱۹

۱۷۔ عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، مشمولہ سفر نامے، نیشنل فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۱۴۸

۱۸۔ ایضاً، ص۲۵۱-۲۵۲

۱۹۔ مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۲۱۸

۲۰۔ ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیے، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۶۸

۲۱۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڈ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۱۲۰

۲۲۔ ایضاً، ص۱۰۶

۲۳۔ ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیے، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۱۱۹۔۱۲۰

۲۴۔ کوثر نیازی، ایک ہفتہ چین میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۹۱۔۹۲

۲۵۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۱۶۹۔۱۶۸

۲۶۔ جمیل الدین عالی، مصر، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۵۴۔۵۳

۲۷۔ ایضاً، ص۵۴

۲۸۔ ایضاً، ص۴۲

۲۹۔ ابن انشاء، قاہرہ، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۷۵۔۷۴

۳۰۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۱۳۴

۳۱۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۶۶

۳۲۔ ایضاً، ص۸۲

۳۳۔ ابراہیم جلیس، بنگال میں اجنبی، لارک پبلیشرز، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۴۶۔۴۵

۳۴۔ ایضاً، ص۸۷-۸۸

۳۵۔ ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیے، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۱۲۲-۱۲۳

۳۶۔ کوثر نیازی، ایک ہفتہ چین میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۴۱-۴۲

۳۷۔ عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، مشمولہ سفر نامے، نیشنل فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۲۲۸۔۲۲۷

۳۸۔ ایضاً، ص۲۴۲

۳۹۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۱۱۸-۱۱۹

۴۰۔ ابراہیم جلیس، بنگال میں اجنبی، لارک پبلیشرز، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۶۵

۴۱- ایضاً، ص۶۸

۴۲۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڑ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۳۸-۳۹

۴۳۔ ایضاً، ص۴۳-۴۴

۴۴۔ اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڑ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص۹۳

۴۵۔ ایضاً، ص۱۰۰

۴۶۔ عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، مشمولہ سفر نامے، نیشنل فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۲۵۷

۴۷۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۲۸

۴۸۔ اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کو اپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۲۹

۴۹۔ مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۲۸۸-۲۸۹

باب چہارم:

اردو سفرناموں میں مذہبی عناصر (۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء)

اس باب میں مختلف سفر نامہ نگاروں کے تحریر کردہ سفرناموں کے تفصیلی مطالعہ سے بحوالہ (۱۹۴۷ء تا ۲۰۰۰ء تک) کے اردو سفرناموں بھی مذہبی عناصر سے واضح ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار جس ملک میں بھی گیا وہاں کے مذاہب کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس ملک کا مذہب چاہے جو بھی ہو۔ وہاں کے مذہبی مقامات مذہبی عقائد، مذہبی احکامات اور مذہبی رسومات سے قارئین کا آگاہ کیا ہے۔ المختصر ۱۹۸۰ء تا ۲۰۰۰ء تک لکھے گئے سفرناموں جذبات، احساسات، مشاہدات اور تجربات کے ساتھ ساتھ مذہبی مقامات و معلومات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ مختلف مذاہب، اسلام، عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، ہندومت، سکھ مت اور جین مت کے مذہبی عناصر کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے۔ سفرنامہ نگاروں نے تھائی لینڈ، سنگاپور، جاپان، دجلہ، نیل، روم، امریکہ، بھارت، سعودی عرب اور دیگر ممالک اسفار شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قارئین نئی دنیا سے بھی متعارف کروایا۔

الف۔ عقائد

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق جوزف سمتھ کو ایک مقدس روح خیال کہا جاتا ہے عیسائی جوزف کو حضرت عیسیٰؑ کے برابر یا اس بھی بلند پیغمبر کا درجہ دیتے ہیں جوزف سمتھ ایک مذہبی رہنما ہے۔ زندگی کے آخری ایّام میں وہ دو تحریکوں حورمنیت اور مقدسین کا بانی بھی رہا اس نے چھوٹی عمر میں ایک کتاب رومن لکھی جو رومیوں کی ترقی کا باعث بنی لیکن اس کے بعد جوزف اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ غیر رومنوں نے دشمنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ رومن کے انتقال کے بعد چرچ کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جس میں ایک حصّے میں جوزف کی تعلیمات دی جاتی تھی اور دوسرے حصّے میں رومن کی تعلیمات۔ لیکن جوزف کی تعلیمات میں سیاست اور سائنس کا علم بھی تھا اس طرح رومن کے افراد نے اسکا اپنا پیغمبر تسلیم کر لیا۔ اس کی کتاب کو مقدس قرار دیا۔ بائبل کے ساتھ وہ ”بک آف مورعون“ پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا اپنی عبادت گاہوں ”ٹمپل“ کے نام سے موسوم کیا ان ٹمپل کے اندر بڑے تالاب بنائے گئے جس کو وہ اپنے عبادت کا حصّہ قرار

دیتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ جو ان تالاب میں ڈبوتا ہے وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے اسی حوالے سے مستنصر حسین تارڑ یوں لکھتے ہیں۔

> "جوزف سمتھ ایک مقدس رُوح تھا۔ ایک روز عبادت کے دوران پیغمبر مورونی نے اُسے بشارت دی کہ مانچسٹر نیویارک کے قریب ایک پہاڑی کموراہ میں ایک صندوق دفن ہے جس میں دھات کی چند قدیم پلیٹیں موجود ہیں، اُنہیں تلاش کرو اور اُن پر کندہ قدیم عبارت کو انگریزی میں ترجمہ کر کے خلق خدا کے سامنے لاؤ۔ جوزف نے ایسا ہی کیا اور یوں ہماری "بک آف مارمون" وجود میں آئی جو بیت المقدس میں مقیم ایک ایسے خاندان کی تاریخ ہے جو قبل از مسیح ہجرت کر کے جنوبی امریکہ میں آباد ہو گیا۔۔۔ ہمارے عقیدے کے مطابق مصلوب ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کا نزول جنوبی امریکہ میں ہوا۔۔۔
>
> "کمال ہے حضرت عیسیٰ امریکہ۔۔۔ "میں حیرت زدہ ہو گیا۔ "وہاں کیا کرنے گئے تھے؟"
>
> "اُن کا نزول ہوا تھا۔" وہ سختی سے بولا۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ بائبل کے ساتھ "بک آف مارمون" پر ایمان لانے سے ہی انسان ایک مکمل عیسائی ہو سکتا ہے ورنہ وہ کافر ہے۔۔۔ پوری دُنیا میں ہمارے لاکھوں ہم مذہب ہیں اور ہم اپنی عبادت گاہوں کو "ٹمپل" کا نام دیتے ہیں جن میں بڑے بڑے تالاب ہوتے ہیں اور ہم ان میں اپنے آپ کو ڈبوتے ہیں۔۔۔"
>
> "اچھا۔" میرا منہ کھل گیا۔ "یعنی آپ زندگی کے آخری ایام میں اپنے آپ کو ڈبو لیتے ہیں اور سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں۔؟"
>
> "نہیں۔ ایسا نہیں۔" ڈینئل ایک پہنچے ہوئے پیر کی مانند میری کم علمی پر مسکرایا۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص بپتسمہ نہیں ہوتا، اُس کی بخشش ناممکن ہے۔۔۔ بپتسمہ سمجھتے ہو؟ جان دی بپٹسٹ مسیح کی ولادت سے پیشتر عوام کو دریائے اردن میں غسل دے کر آنے والے پیغمبر کے لیے پاک کرتے تھے۔۔۔ چنانچہ بپتسمہ کے بغیر کوئی شخص بخشا نہیں جا سکتا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب بپتسمہ کے بغیر کسی کے گناہ معاف نہیں ہوتے معافی اصل ذریعہ بپتسمہ ہے۔

قمر علی عباسی عمان کی سیر کے دوران اسلام کے حوالے سے لکھتے ہی کہ عرب دنیا میں دن کا آغاز سورج کی کرن سے نہیں ہوتا بلکہ فجر کی اذان اور نماز سے دن کا آغاز ہوتا ہے۔ نماز کی برکت اور فضائل کے سامنے کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ انہی الفاظ کی روشنی میں قمر علی عباسی اپنے سفر نامہ بغداد زندہ باد میں لکھتے ہیں۔

> "عرب دنیا کا آغاز اذان اور نماز سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔"(۲)

ہندوؤں کے مقدس شہر متھرا میں ہندو اپنے بتوں اور بھگوان کے مجسمے کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ دام بتوں کے یا بھگوان کے اس کے سائز پر ہوتے ہیں اس کے علاوہ دیگر مصنوعات جو بھگوان پر چڑھانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ متھرا کے شہر میں پیڑوں کی بہت سی دکانیں ہیں۔ انہی الفاظ کی روشنی میں قمر علی عباسی یوں لکھتے ہیں۔

> ”بھگوان کے چرنوں میں چڑھانے کیلئے مٹھائی، پھول، ناریل سب ملتے تھے۔ ابھی ہم دکانوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ زیدی واپس آ گیا۔ بائیں طرف ایک دکان میں شیشے کے خوبصورت ننھے منے رنگین جانور بکتے دیکھے۔ انہیں خریدنے کیلئے ہم دونوں مچل گئے قیمت زیادہ نہ تھی۔ دکاندار نے کرشن بھگوان کی سوگند کھائی تو قیمت اور کم محسوس ہوئی۔ پچیس روپے کے پندرہ چھوٹے اور پینتیس روپے کے بڑے سائز کے جانور خریدے اس میں سب طرح کے جانور تھے گائے کے علاوہ۔ ہندو قوم بھی عجیب ہے بھگوان کا مجسمہ بیچ دیتی ہے لیکن گئوماتا کو نہیں بیچتی۔ متھرا کے مشہور پیڑوں کی دکانیں کئی جگہ تھیں لیکن خریدنے کو جی نہیں چاہا۔“(۳)

ہندو (چڑھاوا) کو بنیادی خیال کرتے ہیں۔ ہندو میں گائے کے علاوہ ہر قسم کے چڑھاوا بھگوان پر چڑھاتے ہیں۔ چونکہ ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ اس کو مقدس خیال کرتے ہیں اور پیشاب کو بطور تبرک استعمال کرتے ہیں۔

انہی الفاظ کی روشنی میں محمد اختر ممونکا یوں لکھتے ہیں۔

> "تھائی لینڈ کا عقیدہ ہے کہ جب تک یہ بت سلامت ہے ملک آزاد آباد رہے گا۔ مندروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ سرخ اور سنہرے رنگ کا کام اس خوش اسلوبی

> سے کیا گیا ہے۔ کہ کاریگروں کی مذہبی عقیدت ایک ایک نقش سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس مندر میں ہم نے بھی اگر بتیاں جلائیں اور باہر رکھے ٹین کے بکس میں نذرانے کے پیسے ڈالے۔ کچھ اور عقیدت مند مجسّمے کے سامنے سجدے بھی کر رہے تھے اور دعائیں بھی مانگ رہے تھے۔ مندروں کے سامنے ثواب کے لئے لوگ قیدی پرندوں کو خرید کر آزاد بھی کرتے ہیں۔ ایک رسم نرالی تھی۔ وہ یہ کہ لوگ بتوں پر سونے کے ورق لگاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کے تمام بت سنہرے ہوتے ہیں۔ واٹ پو مندر میں ١٦٠ فٹ لمبا اور ٤٠ فٹ اونچا بت سونے کے ورقوں میں اس طرح چھپا ہوا ہے کہ دیکھنے والا اسے سونے کا مجسمہ ہی سمجھتا ہے۔ مگر ایک مجسمہ اندرلاویران مندر میں ایسا بھی ہے جس میں سونے کے ورق نہیں بلکہ وہ اصلی سونے کا ہے اور اس کا وزن ساڑھے پانچ ٹن ہے۔ شاہی محل کے جس احاطے میں اس ایمرلڈ بدھ کا مندر ہے وہیں شاہی ہتھیاروں اور سکوں کا عجائب گھر بھی ہے موجودہ بادشاہ نے اپنی رہائش کے لئے شاہی محل کی بجائے چترالا محل کو ترجیح دیا اور اس طرح یہ محل اب صرف سرکاری تقریبات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ہر شاہی محل کی طرح یہاں بھی شاہی حرم موجود ہے۔" (٤)

بدھ مت کو عقیدہ ہے کہ عورت مرد کی آسائش کے لیے تخلیق کی گئی بدھ مت مذہب میں عورتوں کی باقاعدگی خاوندوں کی خدمت اور مالش کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بدھ مذہب میں عورت مرد کا سکون اور جسمانی آرام کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بدھ مت میں گوتم بدھ کی تعلیمات کی بدولت بدھوں میں لڑائی جھگڑا، فتنہ وفساد، بغض وعناد جیسی برائیاں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بدھوں میں صبر و تحمل، مستقل مزاجی اور صلہ رحمی جیسی صفات پائی جاتی ہیں چونکہ گوتم بدھ کی تعلیمات میں ان صفات پر بہت زور دیا ہے۔ ہر شخص کا چہرہ تبسم سے کھکھلا رہا ہے۔ وہ غصہ کرنے والا کو انتہائی بدتمیز خیال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بدھ مذاہب کے پیروکار حادثات سے بچنے اور دشمن سے حفاظت کے لیے آنکھ والی دیوی کا چھوٹا سا مجسمہ کو گلے میں ہار بنا کر پہناتے ہیں، تعویزات اور گنڈوں پر بھی مکمل یقین رکھتے ہیں منتیں مناتے ہیں اور منتیں پوری ہونے کی صورت میں چڑھاوے چڑھاتے ہیں اگر نہیں ہوئی پھر بھی مزید مانتے ہیں انہی الفاظ کی وضاحت میں محمد اختر مونکا یوں رقمطراز ہیں۔

> " تھائی لینڈ میں چند مذہبی رسمیں ایسی ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور لوگ ان رسومات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نیا گھر بنائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ روحوں سے اپنے گھر کو پاک کرنے کے لیے گھر کے کسی کونے میں روحوں کے لیے بھی چھوٹا سا گھر تعمیر کرے۔ روحوں کے لیے فٹ یا دو فٹ کے بنے بنائے گھروندے مل جاتے ہیں جو کئی لوگ بیچنے کی خاطر فٹ پاتھوں پر لیے پھرتے ہیں۔ صرف یہ گھروندے بنانا ہی کافی نہیں بلکہ ان میں روحوں کے لئے خوراک رکھی جاتی ہے، پھول چڑھائے جاتے ہیں اور اگربتیاں جلائی جاتی ہیں۔ تھائی لوگوں کی زندگی میں نیک روحوں اور بد روحوں، دونوں کا بڑا دخل ہے۔ وہ تعویذ، گنڈوں پر پورا یقین اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ گوتم بدھ کی شبیہیں اور دس آنکھ والی دیوی کے چھوٹے چھوٹے مجسّمے گلے میں لٹکانے سے ہر بلا دور ہو جاتی ہے۔ گاڑیوں کے حادثے نہیں ہوتے۔ دشمن کو کامیابی نہیں ہوتی۔ محبوب کو رام کرنا ہو تو منّتیں مانی جاتی ہیں۔ کسی چڑیل نما سے پیچھا چھڑانا ہو تو منّتیں مانی جاتی ہیں۔ منّتیں پوری ہوں تو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ نہ پوری ہوں تو مزید منّتیں مانی جاتی ہیں۔ اپنا کاروبار جاری رکھنے کے لئے یہ تعویذ دینے والے بھی بڑی استادیاں دکھاتے ہیں۔ تعویذوں کے ساتھ ایسی ایسی کڑی شرطیں رکھتے ہیں کہ جن کو پورا کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔"(۵)

بدھ مذہب کے پیروکار نذرانہ حاصل کرنے کے لیے گوتم بدھ کو مجسمہ بنا کر سڑک پر رکھ کر گلی گلی کے چکر لگاتے ہیں اور پروہت کے ساز بجاتے ہیں جن لوگ نے منّتیں مانی ہوتی ہیں وہ نذرانے ان کی خدمت میں پیش کرتے انہی لفاظ کی روشنی میں محمد اختر ممونکا اپنے دائرے کار اظہار یوں کرتے ہیں

> " مگر اس ٹرک پر گوتم بدھ کا بہت بڑا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ پروہت ارد گرد ساز بجا رہے تھے۔ مجسّمے کے قدموں میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ پجاری منّتیں مان رہے تھے پروہت معبود کو گلی گلی لئے پھرتے تا کہ جو لوگ نذرانے دینے کے لئے مندروں تک نہیں پہنچ سکتے لارڈ بدھا کو لے کر ان کے گھروں تک نذرانہ وصول کرنے لئے پہنچا دیا جائے۔ درویش اول نے اپنا مودی کیمرہ سنبھالا اور تصویریں اتارنے لگا۔ یہ لارڈ بدھا کا معجزہ تھا یا درویش اول کی نااہلی کہ کیمرہ خراب ہو گیا اور کوئی تصویر نہ اتر سکی۔"(۶)

جاپان کا سفر کرتے ہوئے محمد اختر ممونکا بدھ مت مذہب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بدھ مذہب اس شانتی کا مذہب ہے اس کے پیروکار کسی پر بھی ظلم نہیں خواہ وہ انسان ہو، چرند پرند ہو، یا نباتات ہو، مہاراجہ اشوک نے جب اس مذہب کو اختیار کیا تو اس نے بدھ مذہب کی دعوت و تبلیغ کے مختلف علاقوں کا سفر کیا بقول اختر ممونکا:

> "بدھ مذہب امن کا مذہب ہے۔ بدھ مت کے پیرو چرند پرند کسی پر بھی ظلم نہیں کر سکتے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ صدیوں پہلے ہمارا خطہ بدھ مت کا گہوارہ تھا۔ مہاراجہ اشوک ۲۶۲ ق م کالنگا (موجودہ اڑیسہ) کی جنگ میں خونریزی دیکھنے کے بعد امن کا مذہب یعنی بدھ مت اختیار کیا اور اس مذہب کے پرچار کا بیڑا اٹھالیا۔ قدیم گزر گاہوں پر کتبے نصب کئے گئے اور دور دراز ممالک میں بدھ مت پھیلانے کو تبلیغی جماعتیں روانہ کیں۔ کچھ تو جنوبی ہندوستان سے نکل کر برما اور سر لنکا جا پہنچیں اور وہاں بدھ مذہب پھیلایا اور کچھ تبلیغی جماعتیں قدیم شاہراہ ریشم سے چین، کوریا اور جاپان جا پہنچیں۔ اور وہاں سے آنے جانے کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔"(۷)

محمد اختر ممونکا نے اپنے اسفار میں بدھ مت کے مذہبی عناصر کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ وہ اپنے اسفار میں بدھ مت کے مذہبی عقائد، تہوار اور رسومات منظر عام پر لائے۔ بدھ مت میں ذات پات، ادنیٰ و اعلیٰ اور طبقہ تقسیم کو کوئی تصور نہیں ہے۔

”سفر نصیب“ کا سفر نامہ ہے اس میں واقعات کا مختلف رنگ ہیں یہ سفر نامہ وادی سوات، وادی ناران اور وادی چترال پر مشتمل ہے۔ مختار مسعود بدھ مذہب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پتیل کا زرد رنگ کا پتہ جو ایک لفظ میں بند تھا۔ اس پتہ کو انورادھاپورہ سے لایا تھا یہ پتہ تاریخی درخت جس میں گوتم بدھ کو نروان ملا یا اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے مختار مسعود نے یوں کی ہے۔

> "یہ پتہ ایک ایسے درخت کی شاخ سے گرا تھا جس کی تاریخی عمر دو ہزار برس بتائی جاتی ہے۔ اور یہ درخت جس شاخ سے پھوٹا تھا وہ گیا کے اس درخت کی تھی جس کے نیچے کپل وستو کے شہزادے کو نروان ملا تھا جنم بھومی میں بدھ مت اور گیا کے پوتر درخت دونوں کی بیخ کنی ہو گئی مگر اس مذہب اور اس درخت کی جو قلمیں دوسرے ملکوں میں لگائی گئیں وہ اب تک ہری بھری ہیں۔ سری لنکا کے وسط میں انورادھاپورہ کے کھنڈرات میں ایک جانب دیواریں، سیڑھیاں، حجرے اور عبادت

> گاہیں بنی ہوئی ہیں جن کے بیچوں بیچ ایک چبوترے پر جنگلہ کے اندر یہ درخت لگا ہوا ہے۔ اُس کا ایک خشک پتہ مسافر کو تحفہ میں ملا جسے اس نے اس لئے قبول کیا کہ دینے والے کی دل شکنی نہ ہو اور اس لئے سنبھال کر رکھا کہ وہ گوتم بدھ کا ایک قول یاد دلاتا رہے۔ گوتم بدھ نے کہا تھا تم ایک زرد پتہ کی مانند ہو۔ موت کے کارندے تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تم ایک سفر کا آغاز کر رہے ہو۔ کوئی اور تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم جلد ایک شمع بن جاؤ جو تمہاری خامیوں کو جلائے اور خوبیوں کو روشن کرے تاکہ تمہیں وہ جوان زندگی میسر آئے جو بڑھاپے اور موت کی زد سے باہر ہے۔"(۸)

اس میں انسان کی زندگی اور موت تصور کے تصور کے بارے میں بتایا گیا بدھ مت کے عظیم لیڈر گوتم بدھ کے نزدیک زندگی اس زرد پتہ کی مانند ہے موت کو ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی تم کو موت کے گھاٹ اترانا ہے اور برے افعال کو ترک کر دو تاکہ اخروی زندگی میں سکون حاصل ہو۔ بدھوں کے بارے میں مزید معلومات دیتے ہوئے شوکت علی شاہ لکھتے ہیں

> "آج راما اول نہیں ہے۔ بدھ کو مندروں میں قید کر دیا گیا ہے موتی اپنی آب و تاب کھو کر بکھر گئے ہیں۔ بازاروں میں، گلیوں میں، کلبوں کے اندر، ہر محلہ ایک بازار حسن ہے، ہر قریہ ایک قحبہ خانہ، ہر تیور طوائفانہ، ہر چال معشوقانہ، ہر سوال فقیرانہ ہے، شہر چار سو پھیل گیا ہے، ڈان موانگ ایئرپورٹ سے لے کر سیلوم روڈ تک جگہ جگہ بلند و بالا عمارات، جدید پلازے اور نفیس ہوٹل بن گئے ہیں۔ سلے ہوئے کپڑوں کی غالباً سب سے بڑی مارکیٹ یہیں پر ہے۔"(۹)

اب دنیا جدید دور سے گزر رہی ہے۔ کوریا نے بھی ترقی کی منازل بڑی تیزی سے طے کی ہیں۔ وہاں کپڑے اور دیگر صنعتوں کی پیداوار خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ شوکت علی شاہ اس ترقی کا نقشہ اس طرز پر بیان کر رہے ہیں۔

> "یہ الگ بات ہے کہ اب کوریا نے بھی کان کھڑے کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ فیکٹریاں ہزار سوٹ ایک دن میں نکال دیتی ہیں۔ خوبصورت، بہترین سلائی اور مناسب قیمت۔ یہ کسب کمال ہے کہ امریکہ اور یورپ تک سوتی کپڑے تھائی لینڈ سے برآمد کئے جاتے ہیں۔ سڑکوں پر سڑکیں بچھی ہوتی ہیں جو شہر کو کسی حد تک

> جدیدیت کا رنگ بخشتی ہیں لیکن اب بھی جگہ جگہ فٹ پاتھ پر، چھابڑی والے، ریڑھی بان، خوانچہ فروش، سیپیاں، مچھلی، شکر قندی بیچتے نظر آتے ہیں۔ اکثر و بیشتر جگہ عورتیں کام کرتی ہیں مرد ہاتھ بٹاتے نظر آتے ہیں۔ پاتھ پر، چھابڑی والے، ریڑھی بان، خوانچہ فروش، سیپیاں، مچھلی، شکر قندی بیچتے نظر آتے ہیں۔ اکثر و بیشتر جگہ عورتیں کام کرتی ہیں مرد ہاتھ بٹاتے نظر آتے ہیں۔"(۱۰)

"سفر تین دریشوں کا" میں محمد اختر ممونکا انڈونیشیا کے جزیرہ بالی میں جین کے لوگ عقیدہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جینوں کے عقیدے کے مطابق کائنات میں کوئی بھی چیز فانی نہیں وہ خدا کو نہیں تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اس کائنات کی تخلیق کسی خالق کو مانتے ہیں۔ ان کے مذہب میں دیوتاؤں اور مافوق الفطرت ہستیوں پر یقین رکھتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کا تعین کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ سمندروں میں بدروحیں، پہاڑوں پر بھگوان اور زمین پر انسان رہتے ہیں یہ لوگ مذہبی تہوار بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں وہ مندروں میں مختلف قسم کے کھانے اور عمدہ سجاوٹ کے ساتھ نذرانے لے کر حاضر ہوتے ہیں اسی حوالے سے محمد اختر ممونکا یوں لکھتے ہیں۔

> "ان کے عقیدے کے مطابق سمندروں پر بدروحوں کا راج ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر بھگوان اور میدانوں میں انسان بسیرا کرتے ہیں۔ بالی کی بستیوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی مذہبی تہوار ضرور منعقد ہوتا رہتا ہے، کیونکہ ایک تو ان کا سال صرف ۲۱۰ دن کا ہوتا ہے۔ پھر ہر مندر میں ہر سال کم از کم ایک تہوار ضرور منایا جاتا ہے۔ اور ہر گاؤں میں مندر بھی تو کئی کئی ہوتے ہیں۔ اسی لئے عام سال کے دوران بالی میں مذہبی تہوار چلتے ہی رہتے ہیں۔ ان تہواروں پر لڑکیاں زرق برق لباس پہن کر، خوراک، پھلوں اور پھولوں کے خوبصورت سجاوٹ والے نذرانے لیکر مندروں میں قطار اندر قطار آتی ہیں۔ اکثر اوقات ان سجے ہوئے منزل در منزل نذرانوں کی اونچائی نذرانے لانے والی لڑکیوں کے قدو قامت سے تجاوز کر جاتی ہے۔ مگر چھوٹے قدوں اور بھر پور جسموں والی یہ پجارنیں اور در حقیقت دیویاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان سنہری بدن پجارنوں کی پوجا کرنے کو بار بار جی چاہا اور اگر ہمیں گاؤں کے، ڈشکروں، کے ڈنڈوں کا ڈر نہ ہوتا تو ہم بے خطر اس آتش نمرود میں کود جاتے اور ان آتش فشاں پہاڑوں

> اور آتش فشاں جوانیوں کے جزیرے میں راکھ ہو جاتے، مگر ہماری بزدلی نے ہمیں باز رکھا۔ "(۱۱)

جزیرہ بالی میں جینوں کی مذہبی رسومات اور عقائد اور بدروحوں سے نجات کا واحد ذریعہ بھگوان بوما کے مجسمے بنائے جائیں۔ اس جزیرہ میں لوگوں نے گھر کے سامنے بھگوان بوما کے دیوتا بنائے ہیں تاکہ اس کے گھر کی حفاظت ہو۔ اس کے اس مذہب میں شادی کے عورت اغواء کیا جاتا ہے۔ سود بازی کے مقابلے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح اور بھی بہت رسومات ہیں۔ مثلاً مرغے لڑانا، جیب راشی اور پلنگ بازی وغیرہ انہی الفاظ کی روشنی میں محمد اختر ممونکا یوں لکھتے ہیں۔

> "جزیرہ بالی میں تقریباً ہر گھر کے سامنے بھگوان بوما کا مجسمہ موجود ہوتا ہے۔ زمین کے دیوتا کا یہ بیٹا ہاتھ میں گرز لئے گھروں کی حفاظت کرتا ہے تاکہ دنیاوی آفتیں اور بدروحیں گھر میں داخل نہ ہو سکیں۔ شاید بھگوان بوما کا خوف تھا جس کے سبب درویش دوم نے ہمیشہ ان کے گھروں میں جانے سے انکار کیا، حالانکہ وہاں کے لوگ بڑے ہی مہمان نواز ہیں اور اکثر گھر ان کے بنائے ہوئے مجسّموں اور تصویروں کی آرٹ گیلریاں معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں باقاعدہ سودے بازی کے اہتمام کے ساتھ تصویروں اور مجسّموں کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ وہاں مردوں اور عورتوں کی کاموں بڑی اچھوتی تقسیم ہے۔ مثلاً خرید وفروخت، کھیتی باڑی، ناچ گانا، بچے پیدا کرنا، پالنا اور گھر چلانا عورت کی ذمہ داری ہے۔ باقی سارے کام بیچارے مردوں کے سر ہیں۔ سب سے پہلا کام تو شادی کے لئے لڑکی کو اغوا کرنے کا ہے۔ اور شادی کا یہ طریقہ بڑا مقبول ہوتا جارہا ہے۔ کیونکہ یہ سب سے کم خرچ طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ مرغے لڑانا، پتنگ اڑانا، سیاحوں کو الّو بنا کر ان کی جیب تراشی بھی مردوں ہی کی ذمہ داری ہے۔ "(۱۲)

اس کے علاوہ اگر کوئی شخص نیا مکان تعمیر کرتا ہے۔ تو وہ روحوں کے لیے ایک چھوٹا سا الگ گھر بناتا ہے۔ اس گھر کی سجاوٹ پھول سے کی جاتی ہے۔

یہ ظاہر سکھ ایک غیرت مند، جفاکش اور باشعور قوم ہے۔ اگرچہ یہ اقلیت میں بھی ہے لیکن پھر بھی ہندو قوم ۱۹۴۷ء میں علیحدگی اختیار کرلی لیکن پھر بھی گاؤ ماتا اور اکھنڈ بھارت نے ان کے امن و سکون تباہ و برباد کررکھا ہے۔ سکھوں کے قتل عام اور ندامنی کے بارے میں عطاء الحق قاسمی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

> "اسے گاؤ ماتا کی تقسیم قرار دینا اور اکھنڈ بھارت کے نعرے لگانا امن کے خرمن کو آگ لگانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ بات کچھ سنجیدہ ہو گئی حالانکہ اندرا کے قتل کے رد عمل میں سکھوں کے قتل عام کے حوالے سے ایک دلچسپ بات سننے میں آئی جو میں اپنے قارئین کو سنانا چاہتا تھا، ایک کینیڈین سکھ اس قتل عام کے بعد دہلی آیا تو دہلی کے کافی ہاؤس گیا، وہاں اس نے سکھ ادیبوں کی خیر و عافیت دریافت کی۔"
>
> "داھگرو کی کرپا سے وہ ٹھیک ٹھاک ہیں اور حسب معمولی مشاعرے لوٹ رہے ہیں۔"
>
> "اوتار سنگھ جج؟"
>
> "وہ بھی خیریت سے ہیں۔"
>
> "اپنے دلیپ سنگھ لاہوری؟"
>
> "وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہیں اور مزاح نگاری میں مشغول ہیں!"
>
> اس کے بعد کینیڈین سکھ نے بعض دوسرے سکھ ادیبوں کے بارے میں پوچھا اور جب اسے سب کے بخیریت ہونے کی اطلاع دی گئی تو اس نے کہا "اگر یہ سب خیریت سے ہیں تو پھر ہندکن سکھوں کو مارتے ہیں؟"(۱۳)

اس پتہ چلتا ہے کہ سکھ اپنے مذہب میں جس چیز کو ممنوعات قرار دیں وہ کسی اور مذہب کے آدمی کو بھی اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

ثریا حفیظ الرحمٰن امرتسر کی سیر کے دوران سکھ مت کے حوالے سے لکھتی ہیں۔ امرتسر کے قریب ایک تالاب ہے جس میں سکھوں کے بانی گورونانک نے غسل کیا اس کے خیال میں یہ تالاب بہت گہرا ہے۔ اس کے غسل کرنے کی بدولت سکھ مت اس کو مقدس سمجھتے ہیں۔ اس کے مرکز میں ایک مندر بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ بقول ثریا حفیظ الرحمٰن:

> "اس مقام کے قریب ایک چھوٹا سا جوہڑ تھا۔ جس میں بابا گورونانک نے غسل کیا تھا اور ان کے حکم سے اس جوہڑ کو زیادہ گہرا کیا گیا اور اس میں توسیع بھی کی گئی۔ اس کام کو چار برس لگے۔ بعد میں اس جوہڑ کو امرت (آب حیات) کا سروور (تالاب) کہا جانے لگا۔ آگے چل کر گورو وارجن نے اس تالاب کی پاکیزہ کرنے والی خوبیوں کا ذکر اپنے ایک اشلوک میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "رام داس کے اس سروور میں غسل

> کرنے سے زندگی کے سبھی پاپ دھل جاتے ہیں۔ "گوروار جن نے ہی اس تالاب کے مرکز میں ایک مندر تعمیر کروایا تھا۔ "(۱۴)

بیری کے پتوں کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ سکھ مت کا عقیدہ ہے کہ بیری کے پتے سے دُکھ دور ہو جاتے ہیں۔ بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ کوڑھ کا مرض۔ ایک یا دو ٹہنیوں کو ہاتھ میں لیا جائے تو یہ مرض بھی جاتا جائے گا۔ بقول ثریا حفیظ الرحمٰن:

> "سکھوں کا عقیدہ ہے کہ اس بیری کے پھل، پتے اور چھال میں سے کسی کچھ بھی کھانے سے ہر مرض دور ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ کوڑھ کا مرض بھی۔ دو ایک ٹہنیوں کے ساتھ درخت بالکل خشک تھا۔ لیکن لوگ مارے عقیدت کے ہاتھ لگا لگا کر چوم رہے تھے۔ "(۱۵)

دنیا کے تمام مذاہب کے اپنے اپنے عقائد ہیں۔ سکھ کے عقائد اور اقدار دیگر مذاہب سے مختلف ہیں۔ ان خاصیتوں میں بیری کے درخت کو خصوصی عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے

ب۔ مذہبی اقدار

شفیق الرحمن اپنے سفر نامہ دجلہ میں عیسائیت کے حوالے سے لکھتے ہیں عیسائیت کی عبادت گاہوں کی تباہی اور بچوں اور خواتین کے چیخ وپکار کے سنائی دیتی تھی گرجا گھر میں لوگوں کا ہجوم اگر زیادہ ہو تو حالات ساز گار نہیں ہیں جنگ، قحط اور سیلاب وغیرہ کا خطرہ لاحق ہوتا۔ شفیق ڈٹیبوب کے گرجا گھر کی تصویر کشی کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

> "نازیوں نے تو ہمارے گرجے تک جلا دیئے۔ جس گرجے کی چوٹی پر ہم کھڑے ہیں، پسپا ہوتے وقت اسے پٹرول میں بھگو کر گولے مار مار کر آگ لگا دی۔ پہلے زمانے میں کم از کم عبادت گاہوں کا تو احترام کرتے تھے۔ ہمارے پڑوس میں ایک شہر کا محاصرہ اتنا طویل ہوا کہ محصورین بالکل مایوس ہو گئے۔ آخر حاکم کو گرجے کا خیال آیا۔ شہر کی سب عورتوں اور بچوں کو گرجے میں جمع کیا گیا۔ آدھی رات ہوئی تو ان سے کہا کہ زور زور سے روؤ۔ محاصرین نے جو ایسے وقت گرجے سے چیخیں سنیں تو ڈر گئے کہ آسمانی قہر نازل ہونے والا ہے، فوراً واپس چلے گئے۔"
>
> دلبر نے گھڑی دیکھی۔ "پون گھنٹے میں سٹیمر روانہ ہو گا۔"

ہم سیڑھیاں اترنے لگے۔ دلبر آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔

> "بلندی تک پہنچنا کافی مشکل ہوتا ہے لیکن بلندی سے پھر نیچے آنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔۔۔" پانچ سو پینتیس سیڑھیاں گنتا ہوا دلبر ایک منجھا ہوا تجربہ کار فلسفی معلوم ہو رہا تھا۔
>
> "دشمن تو پھر دشمن ہے، اپنوں کو گرجوں کی پروا نہیں۔ ملک کے صحیح حالات کا اندازہ لگانا ہو تو گرجے میں چلے جاؤ۔ اگر گنے گنائے آدمی نظر آئیں تو سمجھ لو کہ خیریت ہے۔ اگر ہجوم دکھائی دے تو پھر یا تو جنگ قریب ہے۔ 'سیلاب یا قحط آنے والا ہے یا وبا پھیلی ہوئی ہوگی۔ عام طور پر جو پہلے وہاں پہنچتا ہے' وہ پچھلی سیٹ چنتا ہے تاکہ وعظ میں اونگھ سکے۔ دیر سے آنے والوں کو سب سے آگے بیٹھ کر سب کچھ سننا پڑتا ہے۔ شاید یہ اس لیے ہے کہ نت نئی دریافتوں، ایجادوں نے ہمیں مذہب سے دور کر دیا یا اس لیے کہ مذہبی پیشوا ہمیشہ مفکروں اور فلاسفروں کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔"(۱۶)

"شوق میرا ہمسفر" دؤاد طاہر کو تحریر کردہ سفر نامہ ہے امریکہ، جرمنی، میکسکو اور اکینڈا کے اسفار پر مبنی ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے مختلف مذاہب کے ساتھ ساتھ اسلام کو کیا مقام حاصل ہے زمانہ جاہلیت میں عورت کو کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اسلام نے ان کو زندگی کے ہر شعبے میں ایک منفرد حیثیت دی۔ اسلام میں عورت کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اس پر مختلف قسم کے اعتراضات کہ اسلام مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے انہی الفاظ کی تائید میں داؤد طاہر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> "جب میں نے ان کے اس اعلان کی حکمت معلوم کرنا چاہی تو انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیا جس میں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ التصفیق اللنساء والتسبیح للرجال یعنی کسی خوشی کے موقع پر تالی بجانا عورتوں کے لئے اور سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ مسلمان مردوں کے لئے تالی بجانا سراسر ناجائز ہے۔ مجھے ڈاکٹر احسان کی بے باکی پر رشک آ رہا تھا جنہوں نے امریکہ میں رہتے ہوئے بھی تعلیمات اسلامی کی ان باریکیوں کا خیال رکھا تھا۔ انہوں نے سرعام ایک ایسی بات کہہ دی تھی جسے شاید کوئی اور کہنے کی جرات نہ کر سکے۔"(۱۷)

امریکہ میں سفر کے دوران داؤد طاہر لکھتے ہیں کہ

عورتوں کو اسلامی معاشرے کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن مجید میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے چونکہ زمانہ جاہلیت میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی اسلام نے عورت کوعزت دی اور زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں کو مقام دیا۔

باہمی لین دین کے معاملات کے عورت کی گواہی کہاں تک قابل قبول ہے دو عورتوں کے مقابلے ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے تو اس وجہ سے یہ ہے کہ اگرایک عورت بھول جائے تودوسری عورت اس کویاددہانی کرواسکے انہی الفاظ کی وضاحت میں دؤاد طاہر یوں رقمطراز ہیں۔

> "اسلام میں دو عورتوں کی گواہی کوایک مرد کی گواہی کے برابر قراردیاگیاہے۔
>
> میں نے انہیں بتایا کہ قرآن حکیم میں باہمی لین دین کو چند اصولوں کے تابع کردیاگیاہے چنانچہ معاملات کو صاف رکھنے کے لئے قرض لیتےیادیتے وقت اس کی واپسی کی شرائط تحریراً طے کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ دو فرد اس پر بطور گواہ دستخط کریں اور اگر دو مرد اور دوعورتیں مل کر اس تحریر کی شہادت دے سکتی ہیں۔
>
> اس امتیاز کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک اگر بھول جائے تودوسری اسے یہ بات یاد دلاسکے۔"(۱۸)

اسلام میں بھائی چارہ پر بہت زوردیاہے مسلمان میں سے کسی ایک کے اوپر کوئی پریشانی توسارے مسلمان اس کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔

؎ اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
ہندوستان کا ہر پیر وجوان بے تاب ہو جائے

مسلمان ایک جسم کی مانند ہے جس طرح جسم کے کسی بھی حصّے کو تکلیف ہو جائے تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے انہی الفاظ کی روشنی میں داؤد طاہر یوں لکھتے ہیں۔

> "اسلام نے تو آج سے کئی سو سال پہلے ان کی نشاندہی کردی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ میں یہ اصول بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومنِ کامل نہیں کہلاسکتا جب تک وہ

> اپنے بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں کہ جماعتِ مومنین ایک جسم کی مانند ہے۔ جس طرح کسی ایک حصے کی تکلیف سے باقی جسم بھی بے چین ہو جاتا ہے اسی طرح کسی ایک مومن کی تکلیف اسکے سارے بھائیوں کو پریشان کر دیتی ہے اوروہ اسوقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے جب تک کہ اسکی یہ تکلیف رفع نہ ہوجائے۔"(۱۹)

"گوروں کے دیس میں" عطاء الحق قاسمی کا سفر نامہ ہے یہ سفر نامہ فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، جرمنی، سویڈن اور برطانیہ کے حالات وواقعات پر محیط ہے۔ سفر نامہ نگار کے وہاں کے مذہبی حالات کا بخوبی جائزہ لیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں پر عریانی، بے راہ روی اور اخلاقی پامالی کے باوجود بھی مذہب کو مکمل آزادی حاصل ہے دریائے ٹیمز کی سیر کے دوران انھوں دوطرح کے ناظرین نظر آتے ہیں ایک وہ جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اوراطاعت زندگی بسر کرتے ہیں وہ دین حق کے احکام کو بجالاتے ہیں اس میں مسلمان شامل ہیں دوسری جانب وہ جو فسق وفجور میں معروف ہیں، جن کاموں کو اللہ نے کرنے سے روکا یعنی اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس میں زیادہ تر انگریز اور غیر مذہب کے افراد شامل ہیں۔ یورپ میں ضلالت اور فسق وفجور عام تھا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ اسلام کی دوری کی وجہ سے ان کے دلوں میں رنگ لگ چکے ہیں اور ان کی بیماری کو اللہ تعالیٰ نے بڑھادیا ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے دل اللہ کے فیوض وبرکات کے طفیل منور ہیں مسلمان جہاں کئی بھی ہوں دین اسلام کے ارکان کو بجالاتے ہیں ایسے ہی قاسمی صاحب دریائے ٹیمز کی سیر کے دوران لکھتے ہیں ایک طرف مسلمان نماز کی ادائیگی کے اپنی جائے نماز بچھارہے ہیں باجماعت نماز کی تیاری میں محو ہیں اس میں مختلف ممالک سے آئے ہوئے مسلمان اکھٹے ہیں زیادہ تر پاکستان اور ایران اور بھارت کے مسلمان شامل ہیں نماز سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، "نماز مومن کی معراج ہے" تمام اسلام کے اہم رکن کی ادائیگی بجالاتے ہیں جبکہ دریائے ٹیمز دوسری طرف انگریز فحاشی، عریانی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہیں۔ انھی حالات کی تصویر کشی کرتے ہوئے عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں۔

> "دریائے ٹیمز کے جس کنارے کو ہم نے اپنا پکنک سپاٹ بنایا، وہاں اس روز بہت سے باریش مسلمان جمع تھے۔ ان میں کئی زمین پر مصلے بچھائے نماز ادا کرنے میں مصروف

> تھے۔ حسن رضوی سے پتہ چلا کہ آج سلمان رشدی کی خرافات کے خلاف برطانیہ میں مقیم دُنیا بھر کے مسلمانوں نے ایک زبردست مظاہرہ کیا تھا، جس میں غالب تعداد پاکستان، بھارت اور ایران کے مسلمانوں کی تھی۔ پرجوش مسلمان برطانیہ کے مختلف شہروں سے یہاں جمع ہوئے تھے۔ اور کامیاب مظاہرے کے بعد واپس اپنے اپنے شہروں سے پہلے خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ بجالارہے تھے۔ دوسری طرف نوجوان انگریز لڑکے اور لڑکیاں دریا کے کنارے ایک مشکل سے لفظ یعنی فسق وفجور کے مظاہرے میں مشغول تھے۔"(۲۰)

اس پیراگراف میں عطاء الحق قاسمی اقبال کی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یورپ میں انگریز کو حور و قصور کی فروانی دنیاوی اور اخروی شکل میں ملی ہے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو دنیاوی عذاب ایڈز کی صورت میں ان کی زندگی ویران کر دی اور اُخروی عذاب میں جہنم کا عذاب ان پر مسلط کر دیا جائے گا۔ برطانیہ میں ایک اور بدترین برائی جو کہ فرینڈ شپ کی صورت میں ہے اس کا رواج زیادہ سکولوں اور کالجوں میں ہے مسلمان، ہندو، انگریزوں اور سکھ کے بچے سکولوں اور کالجوں میں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہاں پر ان کی آپس میں دوستی ہو جاتی ہے جو شادی تک جا کر پہنچتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ اسلام میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کرنے حرام ہے تو وہ کیسے کر سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے مسلمان مرد یا عورت کی شادی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ شادی سے پہلے اسلام لانا شرط ہے ورنہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ برطانیہ میں اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کے ساتھ شادی کرتا ہے تو اس کا باقاعدہ طور پر مسجد میں باقاعدہ طور پر اعلان کروایا جاتا ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں۔

> "یہاں کئی پاکستانی لڑکیوں نے انگریزوں سے بھی شادیاں کر رکھی ہیں" ابرار نے اعجاز کی تصدیق کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی!" اور اس ضمن میں وہ جو تکنیک استعمال کرتی ہیں، وہ بہت لاجواب ہے۔ وہ اپنے انگریز بوائے فرینڈ سے کہتی ہیں کہ وہ ان کے علاقے کی مسجد میں چند روز کے لیے جانا شروع کر دے اور پھر ایک دن اعلان کرے کہ وہ امام صاحب کی تبلیغ سے اتنا متاثر ہوا کہ کہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مبارک سلامت کے شور میں وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اور کچھ عرصے بعد اپنی پاکستانی گرل فرینڈ سے شادی کر لیتا ہے۔ پاکستان میں جو علمائے کرام اور

> مشائع عظام یہ اعلان کرتے ہیں کہ برطانیہ میں اتنے انگریز ان کے دست حق پر اسلام کر چلے ہیں ان میں بیشتر وہ انگریز اسی قسم کے مسلمان ہوتے ہیں۔!"(۲۱)

ذکیہ ارشد کی نظر صفاو مروہ پر پڑی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے حکم ربی کی خاطر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بیوی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس ویران علاقے میں اکیلے چھوڑ کر گئے نہ خوردونوش کی اشیا تھیں اور پینے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صبر وعزم کو دیکھیں کہ ایک بار بھی ان کے منہ سے کوئی شکوہ یا شکایت نہیں نکلی صرف اتنا پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو حضرت ابراھیم علیہ السلام بولا جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم بجالائے ان کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک دنیا کے مسلمان طواف وسعی کرتے ہیں بلکہ اس کو ایمان کو جزبنا دیا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا کہ جب ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے نڈھال ہوگئے تو وہ بہت پریشان ہوگئیں اور اللہ سے مدد مانگتی ہوئی صفاو مروہ کے درمیان چکر لگاتی رہی کہ کئی پانی مل جائے انہی الفاظ کو مدد نظر رکھتے ہوئے ذکیہ ارشد یوں لکھتی ہیں۔

> "حضرت ہاجرہ علیہ السلام چلچلاتی دھوپ میں ان سنگ ریزوں پر کیسی پریشانی میں بچے کے لئے ایک گھونٹ پانی کے لئے بھاگتی رہی ہوں گی۔ اور اللہ کو یوں بے تاب ہو کر بھاگنا اور مدد کے لیے صرف اللہ کو پکارنا۔ یہ ادا اتنی بھاگئی کہ قیامت تک اپنے بندوں کو یونہی صفاو مروہ کے درمیان دوڑنے کا حکم دے دیا۔"(۲۲)

اس بے آب وگیاہ وادی میں اللہ نے ان کی پکار سن لی پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ جب پانی دیکھا تو فوراً بول اٹھی زم زم آج دنیا بھر کے مسلمان بطور تبرک کے مختلف ممالک میں لے جاتے ہیں۔ اللہ نے اس شہر کو اپنی بندگی کے لیے چن لیا۔ اس میں حرم بنادیا دور جاہلیت میں سارا ملک بدامنی کا شکار تھا لیکن کعبہ اور اس کے اطراف میں امن وامان تھا۔ نہ کوئی خوف تھا اور نہ ڈر حج دین اسلام کا ایک رکن ہے۔ اس کی ادائیگی پر صاحب استطاعت پر فرض ہے اس کے ساتھ ساتھ حج عرب کی زندگی ترقی وخوشحالی کا ذریعہ بھی ہے۔ مکہ کی معاشی ترقی ابرہمہ کو برداشت نہ وہوئی تو اس نے بھی عالیشان عبادت گاہ بنائی کہ لوگ یہاں حج کرنے آئیں ایک آدمی نے اس کے گھر کو ناپاک کر دیا جس کی وجہ سے اس نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنا چاہا اللہ کو اپنے گھر کی تباہی منظور نہیں تھی ابرہمہ اور اس کی فوج پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کنکریاں گرتے تو وہ ہلاک ہو جائے یہ واقعہ حضرت محمد ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں سورہ الفیل میں بھی آتا ہے اس شہر میں

حضور ﷺ کو نبوت سے سر فراز کیا نبوت غار حرا میں جو مکہ سے دو ہزار فٹ بلند چوٹی پر ایک غار ہے اس میں حضور ﷺ عبادت کیا کرتے تھے۔ مکے کے انہی مقامات کی وضاحت میں ذکیہ ارشد حمید یوں رقمطراز ہیں۔

> "شوق اڑائے لئے پھرتا تھا۔ کبھی مسجد بلال پر۔ کبھی جنت معلّٰی کے دروازے پر۔ پھر مکّہ کے شمال کی طرف ڈیڑھ میل دُور جَبل نور کے دامن میں قدم جا رُکے۔ اس کی دو ہزار فٹ بلند چوٹی اور دشوار گزار راہ پر غارِ حرا ہے۔ اتنے اونچے نوکیلے پتھروں والے پہاڑ پر آپ بغرض عبادت نبوّت سے پہلے بھی آتے تھے۔ اور کئی کئی دن یہاں گزارتے تھے۔ یہ پہاڑ بہت خوش نصیب ہے۔ کتنے قسمت والے ہیں۔ اس کے پتھر جن پر آپ اپنے قدم رکھتے تھے۔ آپ کے پسینے کی بوندیں یہاں کی مٹی میں جذب ہوئی ہیں حضرت جبرائیل یہاں آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جب پہلی مرتبہ آئے تو یہ خوف تھرا اُٹھے ہوں گے۔"(۲۳)

اسلام میں سچ بولنے کی بہت بڑی فضلیت بیان کی گئی ہے بلکہ سچائی کو معاشرے کی بنیاد وصف قرار دیا۔ سچ بولنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے معاشرے کی تعمیر و ترقی، امن و سکون اور استحکام کی بنیاد سچائی پر ہے سچ بولنے سے انسان کے اندر ہمت، حوصلہ بلند و عزم اور جرات کے عناصر کو تقویت بولنے سے انسانی دل میں عاجزی، انکساری اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں سچے انسان کی ہر کوئی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ انسان خدا سے ڈرتا ہے۔ اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے وہ ہر کام کو اللہ کی مقرر حدود میں رہ کر سرانجام دیتا ہے۔ ایسے شخص کو متقی کہتے ہیں۔ اسی حوالے سے قمر علی عباسی عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بچپن کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

> "ایک ڈاکو اپنے سردار کے پاس اٹھارہ سالہ نوجوان کو لے کر آیا اور بولا "یہ۔۔۔ کہتا ہے میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں لیکن تلاش کیا تو ایک بھی نہ ملی۔" سردار نے پوچھا تو لڑکے نے وہی جواب دیا۔ پھر تلاشی لی گئی اشرفیاں نہیں ملیں۔ آخر ایک ڈاکو نے کہا "وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟" لڑکے نے اپنی صدری کی طرف اشارہ کیا۔ "چالیس اشرفیاں اس میں سلی ہیں" سب ڈاکو حیران رہ گئے۔ اشرفیاں صدری سے نکل آئیں۔ سردار نے پوچھا "تمہیں معلوم ہے مال لوٹا جا رہا ہے اس کے باوجود چھپی ہوئی اشرفیاں کی صحیح صحیح نشاندہی کی۔ اس کا کیا سبب ہے۔۔؟" لڑکے نے کہا۔

"مجھ سے پوچھا گیا تھا۔ تمہارے پاس کچھ ہے۔ میری والدہ نے حکم دیا تھا۔ جھوٹ نہ بولنا۔ میں نے سچ بتادیا۔" سردار یہ سن کر لرز گیا۔ خدا کے خوف سے ڈر گیا اور پورے گروہ نے ڈاکہ زنی سے توبہ کرلی۔"(۲۴)

سچ بولنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی ملتی ہے اوراور سرخرُو ہوتا ہے اس سے دوسرے انسان کے لیے باعث رحمت ہے اور بدکاروں کو راہ حق پر لانے کے لیے سچائی معاون ثابت ہوئی ہے۔ فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کی اسلام میں مذمت کی گئی ہے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی تمام اصول وضوابط موجود ہیں۔ یہ اعتدال پسندی اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ فضول خرچی بے جا اسراف کرنے سے اور نمود نمائش سے گریز کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں فضول خرچی کی بار بار مذمت کی گئی ہے۔ کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو خلیفہ ہارون رشید کے ایک دفعہ کھانا کھانے کی فرمائش کی جس پر چار درہم تک خرچہ آیا تو اس پر خلیفہ نے کھانا کھانے سے انکار کریا۔ ایک لقمہ بھی نہیں کھایا یہ سوچ کر بہت پریشان ہوگئے کہ یہ کھانا فضول خرچی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس فضول خرچی کی تلافی میں انھوں نے بہت سے صدقات و خیرات بھی کیے اور اپنے آپ کو بھوکا بھی رکھا۔ انہی الفاظ کی روشنی میں قمر علی عباسی یوں لکھتے ہیں۔

> "میرے غم والم کا سبب ایک لقمہ ہے جس کی خاطر چار لاکھ درہم بیت المال سے خرچ ہوگئے۔"(۲۵)

امام یوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ جعفر برمکی سے کہا۔ ”مطبخ خانے کے مہتمم کو بلایا جائے۔“ ذرا دیر میں وہ حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا ”یہ جو تم ہر روز جانور ذبح کرتے اور خلیفہ طلب نہ کرتے تو اس کا کیا کرتے تھے۔ ضائع کرتے یا دوسرے لوگوں کو کھلا دیتے تھے۔ ہم جانور ذبح کرتے شام تک انتظار کرتے۔ جب امیر المومنین طلب نہ فرماتے تو رات کے کھانے کے بعد دوسرے اہل محل کو پیش کر دیتے۔“ امام صاحب نے یہ سنا تو مہتمم مطبخ کو واپس بھیج دیا اور رشید سے مخاطب ہوئے۔ بقول قمر علی عباسی:

> "یا امیر المومنین مبارک ہو۔ آپ نے فضول خرچی کا ارتکاب نہیں کیا۔ بلکہ کار ثواب انجام دیا۔ یہ گوشت مسلمانوں نے کھایا رقم ضائع نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی۔ آپ نے رقم صرف کی وہ صدقے میں خرچ ہوئی۔ اور آپ اللہ سے ڈرے۔ خوف کھایا۔ یہ بڑا اعزاز ہے۔"(۲۶)

اس کے بعد خلیفہ کم قیمت کا کھانا بڑی خوشی سے کھاتے۔ فضول خرچی یہی نہیں کہ مال و دولت کو ضائع نہ کرو بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال سے کام لیں۔ کھانے میں ضیاع، پھلوں کو ضائع کرنا ضرورت کی

اشیاء کی حفاظت نہ کرنا سب کے سب فضول خرچی میں آتا ہے اگر مال زیادہ ہو تو اس کو ضائع نہیں کرنا بلکہ جو چیز بھی اپنی ضرورت سے زیادہ اس بطور صدقہ غریب میں تقسیم کیا جائے اس آپ کے مال میں بھی اضافہ ہو گا۔ واقعہ کربلا دراصل حق و باطل کی جنگ کا آخری مرحلہ تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے حضرت امام حسین نے جام شہادت نوش فرمائی ۱۰ محرم الحرام کو یہ واقعہ پیش آیا۔ اس میں امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے قمر علی عباسی یوں لکھتے ہیں۔

> " امام عالی مقام لشکر یزید کے سامنے کھڑے ہیں۔ پیاس سے نڈھال۔ غم سے بے حال ہیں۔ پیارے دلارے، آنکھوں کے تارے، سب سرخرو ہو چکے ہیں۔ صحرا کی تپتی ریت پر خون میں نہائے پڑے ہیں۔ شیر خدا کا جیالا۔ علی کا لخت جگر خطاب کرتا ہے۔
>
> "اے ظالموں میرے قتل سے باز آؤ۔ میں نبی ﷺ کے دل کا سکون، علی رضی تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کا نور اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کلیجے کی ٹھنڈک ہوں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ کسی کا مال نہیں چھینا۔ پھر تم میرے قتل پر کیوں درپے ہو۔ آل رسولؐ کا خون کیوں بہاتے ہو۔ تم نے مجھے ہدایت کے لئے بلایا تھا۔ نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا۔ نہ خدا کے گھر رہنے دیا۔ سنو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے موقع دو میں نانا کی قبر پر جا بیٹھوں۔ خانہ خدا میں پناہ لوں۔"(۲۷)

ہندو مت کا ایک المیہ یہ ہے کہ اس میں بعض مذاہب ایسے ہیں جو صرف نام کے طور پر زندہ ہیں۔ دیو ملا کے ادب و احترام جو بھی کمی فاصلہ کے باعث ہوئی۔ ہندوستان کے گھروں اور دکانوں میں دیومالا کی تصاویر اور مورتیوں کے مجسمے نصب کیے ہیں اور ان کے بھجن گا جاتے ہیں برلا مندر کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ صنعت کار ہے اس میں ایک شش محل بھی ہے جہاں بہت سی مورتیاں بھی ہیں جو صنعت کاری واضح جھلک ہے اس کے علاوہ برہمن خاندان میں گوشت گھر میں پکنے کی ممانعت ہے وہ گھر میں گوشت نہیں کھا سکتے البتہ ہوٹل میں جا کر گوشت کھا سکتے ہیں۔ اسی حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں۔

> "سرلا کائستھ گھرانے کی بیٹی تھی۔ برہمن کے گھر آکر اسے گوشت سے پرہیز کرنا پڑا۔ اب بیٹے ماں کے نقصان کی تلافی کررہے ہیں۔ گھر میں گوشت نہیں پک سکتا مگر باہر جاکر کھایا جاسکتا ہے۔"(۲۸)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوشت صرف برہمن ہی نہیں کھاتے باقی ہندو میں اس قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ گھر میں گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ ہوٹلوں یا باہر جاکر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عطاء الحق قاسمی امرتسر کی سیر کے دوران ہندومت کے حوالے سے لکھتے ہیں ہندومذہب گائے کو ''گاؤ ماتا'' کا درجہ دیا گیا ہے۔ ہندؤ اس کے گوبر اور پیشاپ کو تبرک خیال کرتے ہیں۔ وہ جس جگہ پوجا پاٹ کرتے ہیں اس کو پاک کرنے کے لیے گوبر کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن گائے کے گوشت کو کھانے کو باعث توہین خیال کرتے ہیں۔ ان کو تصور یہ ہے کہ گوشت کھانے سے ''گاؤ ماتا'' کی شان میں گستاخی ہوگی بھارت میں مسلمان پر بھی یہ پابندی عائد ہے کہ وہ گائے کیوں ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کو جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہی حالات کے پیش نظر عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں۔

> "ایک گائے دکان کے باہر دھر بنولوں کی بوری میں منہ ماررہی تھی۔ ہندو دکاندار کے چہرے سے بے چینی نمایاں تھی۔ مگر وہ ''گاؤ ماتا'' کی شان میں کوئی واضح گستاخی نہیں کرنا چاہتا تھا خصوصاً چلتے بازار میں کہ اسصورت میں دھرم کے علاوہ جان بھی خطرے میں پڑسکتی تھی۔ انسان بھی کیسی عجیب مخلوق ہے، توہین کرنے پر اتر آئے تو اشرف المخلوقات انسان کی توہین کرنے سے باز نہیں آتا اور عزت کرنے پر تل جائے تو گائے، بھینسوں اور بندروں کی عزت بھی کرنے لگتا ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کو سال میں کئی دفعہ ذبح کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ تو اس لئے ذبح کیا جاتا ہے کہ انہوں نے گائے کیوں ذبح کی تھی؟۔"(۲۹)

ہندوؤں دھرم کو گائے کو مذہب کا حصہ قرار دیا جاتا ہے۔ وہ "گاؤ ماتا" کی عزت و توقیر کے ساتھ ساتھ اس کی پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں۔ انڈیا میں سبزی خور اور گوشت خور یہ سوال ہوٹل میں سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ میز لگائی جاتی ہیں چونکہ ہندو گوشت نہیں کھاتے اسی بناء پر دعوتوں کے اہتمام بھی الگ کیے جاتے ہیں۔ کسی دوسرے علاقے میں ہندو بطور مہمان بھی جاتے ہیں تو وہ بھی انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ گوشت سے پرہیز ہی کیا جائے۔ عطاء الحق قاسمی بھی نقل کرتے ہیں۔

> "انڈیامیں ہر جگہ کھانے سے پہلے یہ سوال پوچھا جاتا ہے۔ یعنی آپ سبزی خور ہیں یا گوشت خور ہیں؟ حالانکہ سبزی خور اور گوشت خور کے ساتھ آدم خور بھی پوچھا جانا چاہیے کہ مذہب کے نام پر انسانوں کا خون پینے والے بھی بہت ہیں۔ یہاں دعوتوں میں بھی الگ الگ میزیں لگ جاتی ہیں۔ ایک سبزی خوروں کے لئے، ایک گوشت خوروں کے لئے۔۔۔ حالانکہ رش گوشت والی میز پر ہی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ہندو دوست کیول لاہور میں میرے ہاں مہمان ہوا۔ کھانے کی میز پر شامی کباب بھی تھے میں نے اسے باری باری ہر چیز چکھنے پر اصرار کیا مگر اس کے مذہبی معتقدات کے پیش نظر ان کبابوں کی دعوت نہیں دی، جبکہ وہ کھانا کھاتے ہوئے بار بار، ”ٹیڑھی“ آنکھوں سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس سے نہ رہا گیا اور اس نے مجھ سے پوچھا ”یہ کباب کس چیز کے بنے ہوئے ہیں؟“ پیشتر اس کے کہ میں اسے بتاتا کہ گائے کے گوشت کے ہیں اس نے ایک کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا اور کہا ”دیکھا جائے گا جو ہوئے گا۔"(۳۰)

ہندومت میں مذہبی روایات کی پابندی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ جرمنی کی سیر کے دوران عطاء الحق قاسمی سکھ مت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سکھ مذہب میں سگریٹ پینا حرام سمجھا جاتا ہے قاسمی جرمنی ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے ٹھہرا تو وہاں پر ایک سکھ آیا جو ایک متقی شخص معلوم ہوتا تو اس نے آکر قاسمی سے درخواست کی کہ وہ سگریٹ نوشی یہاں پر نہ کریں اسی حوالے سے عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں۔

> "برنچ" کے بعد میں نے حسب معمول سگریٹ سلگایا تو سردار جی کاؤنٹر کے پیچھے سے چل کر میرے پاس آئے اور کہا "سگریٹ نوشی" ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ آپ نے اگر پینا ہے براہ کرم دکان سے باہر جا کر پیئں" اندازہ ہوا کہ یہ کوئی "فاسق وفاجر" سکھ نہیں ہیں، بلکہ بڑے "متقی" قسم کے سکھ ہیں۔ سردار جی سے گپ شپ کے دوران یہ بھی پتہ چلا کہ ان کا خاندان صدیوں سے افغانستان میں آباد ہے اور انہیں جرمنی میں آباد ہوئے ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا ہے نیز یہ کہ سردار جی اور ان کے اہل خانہ فارسی، پنجابی اور اردو روانی سے بولتے ہیں۔"(۳۱)

بنارس کی سیر کے دوران ثریا حفیظ الرحمٰن بدھ مت کے بانی کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ سدھارتھ دنیا کے غموں اور دُکھوں سے اتنا پریشان تھا کہ اُس نے خوشیوں سے ہر طرح کے تعلق کو ختم کر دیا تاکہ

آخرت میں اُس کو نروان حاصل ہو سکے یعنی نجات مل سکے۔ اس کے نزدیک دنیا دکھوں اور مصائب کا گھر ہے۔ انہی الفاظ کی تائید میں ثریا حفیظ الرحمٰن یوں لکھتی ہیں:

> "سالوں کی کٹھن تپسیا کے بعد اسے وہ روشنی نظر آگئی جس سے اسے نروان حاصل ہو گیا (نروان یعنی نجات۔ آوار گون سے رہائی) ہندو مائتھولوجی میں روح بار بار قالب بدل کر جنم لیتی ہے۔ بار بار کے جنم سے وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتی ہے اور جب دنیا کی آلائشوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتی ہے تب اسے مکتی یا نجات حاصل ہو ہے۔ سدھارتھ کو جب نروان حاصل ہو گیا تو گوتم شاکیہ منی سدھارتھ کہلایا۔"(۳۲)

بدھ مذہب میں نروان حاصل کرنا کا ایک خاص طریقہ ہے کہ روح بار بار قلب بدل کر جنم لیتی ہے جس سے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور روح پاک وصاف ہو جاتی ہے۔

ج۔ مقدس کتب

"سفر تین دریشوں کا" اختر مومنکا کا تحریر کردہ سفر ہے اس میں مختلف ممالک کے سفر کے حالات وواقعات قلمبند کیے ہیں۔ تھائی لینڈ کے سفر کے دوران محمد اختر مومنکا نے ہندوں کی مقدس کتب رامائن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رامائن جو ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے اس میں پرانی کہانیاں پائی جاتی ہیں اوران کہانیوں کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ ان کے مذہب مختلف قسم کے رقص نمایاں نظر آتے ہیں لیکن ان میں دوطرح کے رقص زیادہ اہم ہیں۔ ۱۔ ماسک رقص کو کھون رقص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۲۔ کلاسیکی رقص کولا کون رقص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں اختر مومنکا یوں لکھتے ہیں۔

> "سیام کے قدیمی رقصوں میں دو رقص بہت مشہور ہیں ایک کھون رقص Masked Dance اور دوسرا لاکون رقص Classical Dance ہے۔ آج کے پروگرام میں سب سے پہلے کھون رقص پیش کیا گیا۔ خانصاجب بھی کئی بار یہاں کے روائتی رقص دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ان کے بارے میں کچھ تفصیل بتائی۔ کھون رقص میں کردار چہروں پر ماسک پہنتے ہیں۔ اس رقص میں تین ہزار سال پرانی رامائن کی کہانیوں کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اس رقص کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مکالمے کے بغیر پوری کہانی کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ کرداروں کی پہچان ان کے کپڑوں کے رنگ سے کی جاتی ہے۔ مثلاً راما کا لباس سبز، لکشمن کا سنہرا اور ہنومان کا سفید ہوتا ہے"(۳۳)

کھون رقص میں رامائن کی کہانیوں جو ہزاروں سال پرانی ہیں ان پر روایتی انداز سے رقص کیا جاتا ہے۔ جبکہ لاکون میں رقص کی کہانیاں رومانی طرز پر مبنی ہے۔ یہ رقص پہلے زمانے میں شہزادیوں کی خوشی اور دل بہلانے کے لیے عورتیں کرتی تھی اس رقص کا ایکشن اتنا زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ مگر اس کے کرداروں کے لباس وزیب وزینت میں اچھے طریقے کی ہوتی ہے۔ کھون رقص ماسک رقص اس سے مختلف ہے چونکہ اس اس رقص کے دوران چہرے پر ماسک لگائے ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے رنگوں کے لباس زیب تن کیے ہوتے ہیں۔

د۔ مقدس مقامات:

دجلہ شفیق الرحمن کا ایک منفرد سفرنامہ ہے اس سفرنامہ میں جذبات واحساسات کے لیے واحد متکلم کے صیغہ سے زیادہ کرداروں کا سہارا لیا گیا ہے۔ شفیق الرحمن کے اس سفر نامہ میں یہودی مذہب کے عناصر نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ نیل کی سیر کے دوران اہرام مصر کا جائزہ لیتے ہوئے وہ اہرام کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں اہرام مصر بہت زیادہ خوبصورت اور خوش نما نہیں ہیں یہ سادہ پتھروں کی ایک مثلث کی طرح بنائے ہوئے ہیں ایسا لگتا ہے کہ چند خطوں کا مجموعہ ہے مگر اس کی عظمت اور کشش کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مصر کے لوگوں کی ایک خاصیت یہ تھی کہ وہ پتھر کی تراش وخراش بہت عمدہ طریقے سے کرتے تھے۔ لوگ جب غاروں میں رہتے تھے تو اس وقت بعض بادشاہوں کو لافانی بنانے کا شوق بیدار ہوا۔ فرعون نے پتھروں کے مقبرے بنائے انکو اہرام کہتے ہیں۔ اسی حوالے سے شفیق الرحمن یوں رقمطراز ہیں۔

> " "یونان کے عہد زریں سے صدیوں پہلے جب دنیا کے باشندے غاروں اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے تب مصر کے بادشاہوں کے دل میں لافانی بننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کسی قسم کی مشینوں کی مدد کے بغیر انسان نے سینکڑوں میل دور پہاڑوں سے پتھر کاٹے۔ نیل میں کشتیاں چلیں۔ پتھر آئے تو انہیں تراش کر محض بازوؤں کی قوت سے ایک دوسرے کے اوپر تہوں میں بڑی نفاست سے چنا گیا۔ بیس برس لگے، لیکن انتظار کیا گیا اور چٹیل میدان میں پہاڑ کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد پانچ ہزار سال تک انسان نے اتنا زبردست تعمیری کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ پوری پچاس صدیاں گزرنے پر امریکہ میں جدید ترین مشینوں سے بولڈ سے بولڈر ڈیم بنا، جسے خوفو کے ہرم سے بڑا ہونے کا فخر نصیب ہوا۔"(۳۴)

قدیم مصریوں پر خوفو اور خفرے بادشاہ گزرے یہ فرعون بہت ظالم تھے لیکن خفرے کا رحم دل اور شریف تھا اس کی شرافت کو لوگ نہیں مانتے اور کہتے تھے کہ فرعون کا بیٹا اتنا شریف ہو یہ ممکن نہیں ہو سکتا اس کا کوئی ہرم نہیں بنایا گیا اس زمانے میں یہ رواج بھی تھا کہ فرعون اپنے ہاتھ میں سے اپنے لیے اہرام بنا لیتے تھے فرعون کا ایک بہت بڑا مجسمہ ریلوے اسٹیشن پر بھی نصیب ہے انہی الفاظ کی روشنی میں شفیق الرحمن یوں لکھتے ہیں ۔

> " قدیم مصری باشندے خوفو اور خفرے سے بے حد خفا تھے کہ ان سے زبردستی اہرام بنوائے اور سب کو مدتوں عذاب میں گرفتار رکھا۔ ان دونوں کا نام لینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ خفرے کا لڑکا منکرے ذرا رحم دل نکلا اور رعایا کی بہبودگی کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔۔ چنانچہ اس کا ہرم اپنے باپ کے ہرم سے نصف رہا۔ منکرے کا بیٹا اور بھی زیادہ شریف تھا۔ لوگوں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ فرعون ہو کر اتنی اچھی طرح پیش آتا ہے۔ اس غریب کا کوئی ہرم نہ بن سکا۔ ویسے مضبوط اور بڑھیا کوالٹی کے اہرام ہی ہیں جو شروع شروع کے فرعونوں نے اپنی ذاتی نگرانی میں بنوائے۔ بعد میں معیار گرتا گیا۔ یہاں تک کہ کئی اہرام ایسے بھی بنے جن میں باہر ذرا سا پتھر لگایا ہے، ورنہ اندر ریت اور مٹی ہے۔ یہ ضرور ٹھیکیداروں سے بنوائے گئے ہوں گے اور عرض یہ ہے کہ فرعون نہ میرے کچھ لگتے تھے، نہ آپ کے بھلا آپ خفا کیوں ہو رہی ہیں؟"
>
> "شاید کسی کے کچھ لگتے ہوں۔" میرے دوست نے کہا۔ "ان دنوں فرعونوں کو بڑی لفٹ مل رہی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ ایک فرعون کا بڑا سا مجسمہ ریگستان سے لا کر قاہرہ کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے نصب کیا جا رہا ہے ۔"(۳۵)

حسین احمد پراچہ کنارِ نیل میں یہودیوں کے اہرام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہرام مصر میں سب سے بڑا اور بلند و بالا ہرم خوفو کا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اہرام ہیں۔ یہ اہرام بغیر کسی مسالے اور سیمنٹ کے وزنی پتھروں سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ اہرام کے اندر ایک سرنگ ہے جس میں خوفو کا مقبرہ ہے ان اہرام کی منظر نگاری کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین پراچہ یوں لکھتے ہیں:

> " قاہرہ میں اہرامِ مصر واقعی دیکھنے کی چیز ہیں یہ اہرام فراعنہ کی قبریں ہیں۔ بادشاہ خوفو کا مقبرہ سب سے بلند ہے اس کی بلندی ایک سو چھہتر میٹر ہے۔ یہ اہرام اڑھائی ٹن وزنی مستطیل چکل میں تراشے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ یہ پتھر بغیر کسی مسالے اور

> سیمنٹ کے ایک کے دوسرے کے اوپر چنے گئے ہیں جو چیز انسان کو حیرت میں گم کر دیتی ہے۔ وہ یہ کہ آج سے ہزاروں برس قبل کس طرح اتنے وزنی پتھروں کو اتنی مہارت کے ساتھ بلندی تک پہنچایا اور حسن ترتیب سے چنا گیا تھا۔ سیاحوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اہرام کے اوپر چڑھتے ہوئے بلندی تک پہنچ سکیں مگر حکومت نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے۔ البتہ اہرام کے اندر خوفو کے مقبرے تک ایک سرنگ جاتی ہے اس سرنگ میں سرنگوں ہو کر جانا پڑتا ہے۔ گویا فرعونوں کے مقابر میں بھی اسی طرح سر جھکا کر حاضر ہونا پڑتا ہے جس طرح ان کے سامنے درباری سر جھکا کر آداب بجالاتے ہیں۔ دس پندرہ برس قبل ایک مصری بازی گر فید بھاگتا ہوا پانچ منٹ تیس سیکنڈ میں خوفو کے مقبرے کی انتہائی بلندی تک جا پہنچا تھا فید اہرام کے قریب ہی ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا اور بچپن سے اہرام کے ارد گرد کھیلتا کودتا رہتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب وہ برق رفتاری سے اہرام کی بلندی تک جا پہنچا اس وقت اس کی عمر چھبیس برس تھی پھر تو اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور ایک زمانے میں وہ غیر ملکی سربراہوں کی آمد پر کرتب دکھایا کرتا تھا۔"(۳۶)

ڈاکٹر اے۔ بی اشرف سفینۃ النیل فرعون میں اہرام مصر کے حوالے سے لکھتے ہیں جو قاہرہ سے تقریباً سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر صحرائی علاقے میں واقع ہیں۔ ان میں سے تین اہرام بڑے ہیں باقی چھوٹے ہیں۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اے۔ بی اشرف یوں لکھتے ہیں:

> "آج یہ اہرام عبرت کا نمونہ ہے۔ کئی ایک چھوٹے چھوٹے اہرام تو اب مٹی کے تودے بن کر رہ گئے ہیں البتہ فرعون خوفو، خافری اور منکاؤراع کے تین اہرام آج بھی سیاحوں کے لیے دل کشی اور دلچسپی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ خوفو کا حرم تینوں میں بڑا ہے۔ اس قوی الجثہ حرم کی اصل بلندی تو ۱۴۶ میٹر تھی لیکن اب ۱۳۷ میٹر رہ گئی ہے۔ اس حرم کا بیرونی حصہ اب اپنا حسن کھو چکا ہے کیوں کہ اس کا رنگ روغن اکھڑ چکا ہے۔ دوسرا حرم یعنی حرم الثانی خوفو کے بیٹے فرعون خافری کا ہے جو ۲۶۴۰ء ق م میں تعمیر ہوا۔ اس میں اندر جانے کے لیے ایک سرنگ بنائی گئی ہے جس میں سر جھکا کر بلکہ دوتہہ ہو کر جانا پڑتا ہے۔"(۳۷)

“ اہرام ” PYRAMID قاہرہ کے جس علاقہ میں واقع ہیں اسے “الجیزہ” کہتے ہیں، اہرام کے بعد ہی وہ لق ودق بیابان شروع ہوتا ہے جسے “صحاری” کہا جاتا ہے! “اہرام” کے ساتھ “برابی” بھی تاریخ وجغرافیہ کی کتابوں میں ملتا ہے، قبطی زبان میں “بربا” ہیکل کو کہتے ہیں، ان ہیکلوں میں جو فیل پیکر پتھر ہیں، اُن میں مختلف قسم کے حیوانات کے بت کھدے ہوئے ہیں!

> “اہرام” کی شہرت عالمگیر ہے، جس نے اہرام مصر کی صرف تصویریں دیکھی ہیں “اہرام” کو نہیں دیکھا وہ “اہرام” کی شان و شکوہ کا تصور نہیں کر سکتا، صاعد اُندلسی نے “طبقات الامم” میں لکھا ہے اور ٹھیک لکھا ہے کہ:
>
> “ہفت اقلیم میں کہیں ان (اہرام) کی نظیر نہیں ہے۔”
>
> عربی میں “ہرم” بہت بوڑھے اور سال خوردہ کو کہتے ہیں۔ “ہرام” کے معنی میں قدامت شامل ہے۔
>
> یہ عجائبات عالم سطح مرتفع (بلند ٹیلے یا اونچی پہاڑی) پر واقع ہیں، ان کا محل وقوع (SITE) ہی دہشت انگیز حد تک پر شکوہ ہے، سینکڑوں فٹ کی بلندی پر جر ثقیل کے بغیر اتنے بھاری اور وزنی پتھروں کا لے جانا انسانوں کا نہیں جنوں، دیووں اور بھوتوں کا کام ہے! کمال یہ ہے کہ ان پتھروں میں مسالہ نہیں لگایا گیا، پتھروں کی اس تناسب کے ساتھ رکھا گیا ہے کہ پتھر ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے اور بلند وہوتے چلے گئے ہیں! ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی شکست وریخت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا! دنیا کے پردے پر اتنی بلند وبالا، حجم اور گھیر کے لحاظ سے چوڑی چکلی ہیبت انگیز دوسری کوئی قدیم مخروطی عمارت ہی نہیں ہے! اہرام کا نظارہ آدمی کو حیرت میں غرق کر دیتا ہے!” (۳۸)

اہرام مصر ہزاروں سال گزرے جانے کے باجود اپنی شان وشوکت کو برقرارر کھا ہوا ہے اتنی پرانی عمارت میں بوسیدگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے نہ ہی بارشوں کے باعث ان پر کوئی اثر نہیں ہوا چونکہ جب کوئی عمارت پرانی ہو جائے تو وہ گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ اہرام کا یہ منظر دیکھ کر انسان حیران ہو جاتے ہیں اوراہرام مصر کے بارے میں بہت رواشیں ہیں ان مشہور روشیں کے حوالے سے ماہر القادری یوں بیان کرتے ہیں

> " اہرامِ مصر کے بارے میں بہت سے روایتیں مشہور ہیں جو بے سروپا ہیں مثلاً یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے طوفان نوح علیہ السلام سے محفوظ رہنے کے لیے ان کو تعمیر کرایا تھا، یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں اس روایت کو خواب وخیال قرار دیا ہے کہ جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ "اہرام" دراصل مصر کے قدیم ترین بادشوں کے مقبرے اہیں! تاریخ ٹھیک طور پر یہ نہیں بتاتی کہ اہرام مصر کتنی مدت میں تعمیر ہوئے،؟ راقم الحروف اہرام کے اندر جس دروازے سے داخل ہوا، وہاں دوچوکیدار بیٹھے تھے، کچھ دور تک میں زینہ پر چڑھا مگر پھر اوپر جانے کی ہمت نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ دوسو، سوادوسوفٹ پر جاکر یہ زینہ ختم ہوتا ہے! ایسا لگتا تھا جیسے پہاڑ کو تراش کر اوپر جانے کے لیے راستہ بنایا گیا ہے مگر اہرام کی تعمیر میں پہاڑ نہیں تراشا گیا یہ عمارت پتھروں سے بنائی گئی ہے تہہ خانوں میں بھی بندہ نہیں گیا! اہرام کا نظارہ قدرے نزدیک اور ذرادور ہی سے عجیب وغریب لگتا ہے ۔"(۳۹)

مصر میں جو اہرام تعمیر کئے گئے وہ قدیم بادشاہوں کے مقبرے تصور کیے جاتے ہیں تاریخ میں ان کی مدت معلوم نہیں ان میں اہرام میں صرف دوچوکیدار ہے جو ان کی حفاظت پر مامور ہیں اہرام عمارتوں کو پتھر سے تراشا بنایا گیا فرعون دراصل دو الفاظ کا مرکب ہے فارا اور اوہ۔ فارا محل کو کہتے ہیں اور اوہ کے معنٰی بلند وبالا کے ہیں اس سے مراد بادشاہ مصر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون رعمسیں کے گھر میں ہوئی اللہ نے اس کو غرق اور اس کی لاش کو آنے والی نسلوں کے باعث عبرت رکھا اس کی لاش آج بھی قاہرہ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے مصر میں فرعون کی لاشیں ایک بڑے ہال میں ادویات کا استعمال کر کے رکھی ہوئی ہیں ان کو دیکھنے کے باقاعدہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ فرعون کا یہ سلسلہ ہزاروں سال کے بعد بالاخر ختم ہوا۔ اتنی بڑی طاقت اور قوم جو اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے وہ ہی فنا ہوگئے اللہ تعالیٰ کے سوائے ہر شے فانی ہے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا ۔

ذکیہ ارشد نے فرانس کی سیر کے دوران عیسائیوں کی بہت سی عبادت گاہیں دیکھیں۔ فرانس میں ایک نوترے ڈیم چرچ ہے جس میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ نصابی تعلیم پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اس میں چرچ کی تعمیر ۱۱۶۳ء میں شروع اور ۱۲۶۰ء میں جاکر مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں پانچ سو پچاس ٹن لکڑی اور دوسو پچاس ٹن سیسہ لگایا گیا رومن کے لوگ نے اس کی طرز تعمیر پر انے انداز میں کی ہے اس کی بڑی بڑی

دیواریں محراب نما کھڑکیاں جن میں خوبصورتی کے لیے تصاویر اور شیشے کی مہارت سے سجاوٹ کی گئی ہے لمبے لمبے ستونوں پر نقش کاری کی گئی جس کی وجہ اسکی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے۔ نوترے ڈیم میں دینی تعلیمات اور دینوی تعلیمات دینے کے لیے سب سے پہلے سکول بنایا گیا پھر بعد میں کالج بن گیا تھوڑے عرصے کے بعد اس کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ اس گرجاگھر کی منظر کشی کرتے ہوئے ذکیہ ارشد یوں رقمطراز ہیں۔

> "یہ گرجاگھر گیارھویں صدی کے طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس کی بنیاد ۱۱۶۳ء میں رکھی گئی تھی۔ اور اسے مکمل ہونے میں پوری ایک صدی لگی۔ یہ رومن طرز کے منقش ستونوں بڑی بڑی دیواریں جن پر گوئتھک آرٹ اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے پرانی طرز کی محراب دار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں جن میں شیشے خوبصورتی سے جڑے ہیں یہ صرف نوترے ڈیم چرچ کے ہیں۔ یہ واحد عبادت گاہ ہے جس میں سب سے پہلے مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ نصابی تعلیم بھی شروع ہوئی۔ ان کی کامیابی دیکھ کر فرانس اور پھر یورپ میں گرجاگھروں کے ساتھ سکول شروع ہوئے جو ابھی تک ہمارے پاکستان میں بھی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ نوترے ڈیم چرچ میں سکول، کالج اور پھر یونیورسٹی بھی بن گئی۔ اسی چرچ کی بدولت پیرس، یورپ میں تعلیم کا مرکز رہا ہے۔ مذہبی تعلیم سے لے کر موجودہ علوم تک سب کا ماخذ یہی ادارہ ہے۔ یہ فرانسیسیوں کا بہت ہی مقدس گرجا ہے۔"(۴۰)

ذکیہ نے تاثراتی انداز میں گرجاگھر کی عظمت رفتہ کو بھی اجاگر کیا ہے نیز تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں کی بھی نشاندہی کی تاکہ قارئین کو دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ذکیہ ارشد اسپین کے سفر کے دوران عیسائیوں کے گرجاگھر کے حوالے سے لکھتی ہیں گرجاگھر عیسائیوں کی عبادت گاہ ہے جہاں آکر وہ اپنی حاجات اور مناجات کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک میں گرجاگھر موجود ہیں جو کہ عیسائیوں کے مقامات مقدسہ ہے۔

فرانس کے شہر ہم لیون کی سیر کے دوران ذکیہ ارشد عیسائیوں کے گرجاگھر قلعہ نما کے بارے میں لکھتی ہیں کہ قلعہ نما گرجاگھر کے ارد گرد خوبصورت باغات اور سرسبز و شاداب درخت ہیں ان درختوں کے بیچ میں ایک خوبصورت سنگ مرمر کا محراب بنا ہوا ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی نصب کیا گیا ہے اس قلعہ کے دورازے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب اور دوسرے بزرگوں کی تصاویر اور مجسمے نصب کیا ہوئے ہیں گرجاگھر کے اندرونی حصّے پر دیواروں کی عمدہ نقاشی کی گئی ہے اس میں خوبصورت

پتھروں سے تراشے ہوئے محراب ہیں اس گرجاگھر کی عمارت کی لمبائی تقریباً سوفٹ اور چوڑائی تقریباً دوسوفٹ ہے۔ اس کی چھت بہت اونچی ہیں یہاں پر عیسائیوں اپنی عبادت میں مصروف تھے یہ گرجاگھر اور یہ باغات اپنی خوبصورتی میں بے مثال ہیں ذکیہ راشد تحریر کرتی ہیں۔

> "ہماری خوش قسمتی تھی کہ آج موسم کھلا تھا اور دھوپ خوب چمک کر نکلی تھی۔ سب کو خاصی گرمی محسوس ہوئی۔ اور ٹھنڈے مشروب کی تلاش میں بازار کی طرف چلے۔ راستے میں اور چھوٹی موٹی یادگاریں دیکھتے ایک بہت قلعہ نما گرجاگھر جا پہنچے۔ ہر طرف سرسبز درخت تھے۔ اور اس دھوپ میں چنار کے درختوں کی چھاؤں بہت اچھی لگی۔ درختوں کی چھاؤں میں ایک سنگ مرمر کی محراب میں حضرت مریم کا بہت بڑا مجسمہ نصب تھا۔ ان کے قدموں کے قریب سے ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ یہ گرجاگھر آٹھویں صدی میں اپنی خوبصورتی میں بے مثال رہے ہوں گے۔ یہ اپنے زمانے کی عظمت وجلال کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس کی دیواروں کو ہر طرف سے سدابہار نے ڈھانک رکھا ہے۔ اونچی اونچی قریباً پچاس سیڑھیاں چڑھتے اچھی خاصی سانس پھول گی۔ دروازے کے باہر بہت سے بزرگوں کے مجسمے رکھے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بہت بڑی صلیب اپنے کندھوں پر اٹھائے صدر دروازے کے اوپر کھڑے تھے۔"(۴۱)

اس سفر میں تاریخی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنفہ نے پہاڑی پر واقع ایک قلعہ نما گرجا کی کہانی بیان کی ہے۔ اس کی حدود و قیود پر ظاہرانہ نظر ڈالنے کے بعد اس گرجاگھر کی تاریخیت کا جائزہ بھی لیا۔

مستنصر حسین تارڑ روم کی سیر کے دوران عیسائیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ روم میں سینٹ پیٹرز کے گنبد کے نیچے "پائتا" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوگواری ایک مجسمہ تعمیر کیا گیا۔ اس مجسمہ کے ساتھ حضرت مریم علیہ السلام کا مجسمہ بھی بنایا گیا اور اس میں اطالوی زبان میں چند الفاظ کندہ ہیں اس مجسمہ کی وضاحت میں مستنصر حسین تارڑ یوں لکھتے ہیں۔

> "میں نے "پائتا" دیکھا تھا۔ روم میں، سینٹ پیٹرز کے آسمانی گنبد تلے چھاتی نیم تاریکی میں ایک ماں۔۔۔ بی بی مریم، اپنے بیٹے۔۔۔ عیسیٰ کی لاش گھٹنوں پر بچھائے سر جھکائے سوگوار، بے جان بازو لٹکے ہوئے اور عالم فنا کی تمام آخرت رگوں اور جسم میں ٹھہری ہوئی۔ بی بی مریم کے سینے پر اطالوی زبان میں ایک عبارت کندہ تھی۔

> پیٹر لئوجی نے بتایا کے مائیکل انجلو نے ایک گمنام تخلیق کار کی حیثیت میں "پائتا" کو دو برس کے عرصے میں تراشا اور پھر ایک رات چپکے سے سینٹ پیٹرز کے ہال میں رکھ دیا۔ اگلی صبح اس شاہکار کی سوگواری نے زائرین کو اپنی طرف بلایا۔ وہ کہتے، ہاں یہ تو روم کے فلاں مجسمہ ساز کی تخلیق لگتا ہے۔ یہ تو وینس کے فلاں بت تراش کا ہاتھ ہے۔ ایک ستون کے پیچھے پوشیدہ مائیکل انجلو پیچ و تاب کھاتا رہا اور سارا دن لوگ اُس کے مجسّے کو معروف بت تراشوں کی تخلیق قرار دیتے رہے۔"(۴۲)

تارڑ کو پیٹر لئوجی نے اس مجسمے کے بارے میں بتایا پھر اس کو سینٹ پیٹرز کے ہال میں رکھ دیا مائیکل نے اور سوگواری مجسمے بنائے ہیں روم کی تخلیق کاری میں یہ مجسمہ بہت اہمیت کے حامل ہے۔ روم میں ایک مجسمہ میری میگڈالن کا ہے جس میں حضرت عیسیٰ گناہوں کی توبہ کرنے اور اپنے پیغمبر سولی سے اُتارنا اس کی وضاحت کرتے ہوئے مستنصر حسین تارڑ یوں لکھتے ہیں۔

> " آخری عمر میں وہ ایک اور "پائتا" بنانا چاہتا تھا۔۔۔ ایک مجسمہ میری میگڈالن کا ہے جس نے حضرت عیسیٰ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کر کے معصومیت اختیار کی۔ وہ اپنے پیغمبر کو سولی سے اُتار رہی ہے۔ یوسف پاس کھڑا ہے اور مائیکل انجلو نے یوسف کے رُوپ میں اپنی شباہت تراشی ہے۔ عمر رسیدہ اور اندھا۔ اُس کا آخری مجسمہ "قیدی" بھی یہیں رکھا ہوا ہے۔ ایک زور آور جسم پتھر میں سے نکلنے کی کوشش میں۔ کوشش اس لیے کہ اس سے پیشتر کہ مجسمہ پتھر کی گرفت سے آزاد ہوتا، مائیکل انجلو نوے برس کی عمر میں خود زندگی سے آزاد ہو گیا۔۔۔ "قیدی" اُسی طرح اُدھورا پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی سے اُتارنے والے مجسمے کو ایک روز مائیکل انجلو نے ٹٹولا تو اُس کی کھردری تراش پر آبدیدہ ہو کر ہتھوڑا ہاتھ میں پکڑ لیا کہ میں اسے توڑ ڈالوں گا مگر ان فلارنس نے اُس کے بازو تھام لیے۔۔۔۔ یہ مجسمے اُس کی اندھی بے بسی کا آخری نقش ہیں۔"(۴۳)

"سفر تین دریشوں کا" محمد اختر ممونکا کا سفر نامہ ہے اس میں مختلف ممالک کے اسفار شامل ہیں وہ یہ ہیں تھائی لینڈ، جاپان، انڈونیشیا اور آسٹریلیا۔ محمد اختر ممونکا اور ان کے ساتھیوں نے یہ سفر ماہ رمضان میں کیا رمضان کی آمد کی وجہ سے مساجد کی رونقیں دوبالا ہو گئیں تھیں۔ سنگاپور کی سب سے بڑی مسجد سلطان ہے۔ اس کے گنبد پیاز نما ہیں جس کی وجہ سے یہ پیاز نما گنبدوں والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد ارد گرد مسلمان

کافی تعداد میں آباد ہیں قدیم زمانے میں عرب کے تاجر یہاں آکر اپنے ڈیرے ڈالے اس کی وجہ سے مسلمان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ انہی الفاظ کی روشنی میں محمد اختر مونکا یوں رقمطراز ہیں۔

> "پیاز نما گبندوں والی یہ مسجد سنگاپور کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ سنگاپور کے تین چارلاکھ مسلمان اسی مسجد کے گرد ونواح میں صدیوں سے قیام پذیر ہیں۔ پرانے زمانے میں عرب تاجر اس علاقے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ پھر سلطان خمس نے اپنا قلعہ بھی اسی علاقے میں بنوایا جس کا سلطان گیٹ کے علاوہ کچھ نشان باقی نہیں وہاں قدیم عرب تاجروں کی جو نشانیاں باقی ہیں وہ اس علاقے میں پھیلے ہوئے بازار ہیں۔"(۴۴)

ریشم ریشم یہ امجد اسلام امجد کا سفر نامہ ہے جو انھوں نے چین کی سیر کے دوران لکھا ہے امجد اسلام امجد نہ صرف ایک اچھے شاعر ہیں بلکہ ایک اچھے سفر نامہ نگار بھی ہیں۔ ان کے سفر نامے میں مذہبی عناصر کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ اسلام امن وسلامتی کا پیکر ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو خاص انعام سے نوازا ہے دین اسلام اور قرآن مجید کی بدولت مسلمانوں کو سرخرو کیا ہے۔

سفر نامہ نگار بیجنگ کے سفر کے دوران مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں تو وہاں پر مسجد کی حالت ناگفتہ بہ تھی اس مسجد کی منظر نگاری کرتے ہوئے امجد اسلام امجد یوں لکھتے ہیں۔

> "نماز کے بعد مسجد سے کار تک جاتے ہوئے کچھ ایسے منظر دیکھے کہ طبیعت پر بوجھ سا پڑ گیا مسجد کی حالت بھی کوئی خاص اچھی نہیں تھی لیکن اس سے ملحقہ مسلمانوں کا محلہ تو چیخ چیخ کر اپنی بدحالی کی داستان سنا رہا تھا۔"(۴۵)

یہ بات قابل غور ہے کہ جو مسلمان برطانیہ میں وہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق بسر کرنے چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جو پاکستانی مسلمان اپنے بچوں کی شادی کرنے کے پاکستان آتے ہیں پھر شادیاں ہوتیں ہیں لیکن ان کی زندگیاں وہاں معاشرے میں رچ بس جاتی ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات وہ برائیاں ان پر زیادہ اثرانداز نہیں ہوئی۔ برطانیہ میں بعض مقامات پر صرف اسلامی تعلیم کے لیے باقاعدہ اسلامک سنٹر بنائے جاتے ہیں جیسا کہ برمنگھم جامع مسجد کے ساتھ اسلامک سنٹر ہے جہاں پر بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کروایا جاتا ہے۔ عطاء الحق قاسمی جامع مسجد منگھم کی سیر کے دوران یوں لکھتے ہیں۔

> "برمنگھم کی جامع مسجد۔۔۔۔۔ میں اور صفی حسن جوتے اتار کر داخل ہوتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد نمازیوں کے علاوہ اور بہت سے پاکستانی مرد، خواتین اور بچے بھی جمع ہیں۔ خواتین کے لیے ایک علیحدہ گوشہ مخصوص ہے۔ ایک پاکستانی کی اہلیہ انتقال کر گئی ہے۔ ان کے لیے قران خوانی کی جارہی ہے۔ فضامیں ایک گہری اداسی ہے قرآن خوانی کے بعد میں اور صفی حسن اس پاکستانی دوست سے تعزیت کرتے ہیں۔ اس وقت میں برمنگھم کی جامع مسجد میں نہیں ایک چھوٹے سے پاکستان میں ہوں۔ شلوار کرُتے میں ملبوس بچے، سروں پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے خواتین رومال سے سروں کو ڈھانپے ہوئے مرد، درودوسلام، قرآنی آیات کی تلاوت، میں اس وقت مغربی تہذیب میں واقع ایک جزیرے میں ہوں مگر تھوڑی دیر بعد جب یہ محفل ختم ہو گی اس کے شرکاء کو دوبارہ اس سمندر کے تھپڑوں سے بچاؤ کی تدابیر سوچنا ہوں گی۔ مسجد سے ملحق ایک اسلامک سنٹر بھی ہے۔ جس میں بچوں کے لیے دینی تعلیم کے اہتمام کے علاوہ تفریحی سرگرمیوں کا انتظام بھی موجود ہے۔"(۴۶)

برمنگھم جامع مسجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد ان کی ملاقات پاکستانی مسلمان سے ہوئی جو پاکستانی لباس میں ملبوس تھے۔ ذکر و اذکار، درودوسلام اور قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے، اس خطہ کو سفر نامہ نگار چھوٹے سے پاکستان تشبیہ دیتا ہے۔ اسلام اور قرآن تعلیمات کی بدولت مسلمان کو منفرد مقام حاصل ہے۔

ذکیہ ارشد حمید سعودی عرب کی سیر کے دوران لکھتی ہیں کہ مکہ و مدینہ وہ واحد شہر ہیں جن کو جتنا دیکھا جائے اتنی ہی دل میں تڑپ بڑھتی ہے ایسا سرور محسوس ہوتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی رہیں وہ عمرہ کرنے کے لیے جاتی رہیں۔ مکہ میں خانہ کعبہ میں داخل ہوئی تو ان کی نظر بیت اللہ پر پڑتی ہے۔ وہ خوشی سے جھوم اُٹھتی ہیں ساتھ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ عاجزی سے اللہ کے گھر میں داخل ہوتی اور وہ سوچتی ہیں کہ مجھ جیسی گہنگار کو اللہ کے گھر کا دیدار نصیب ہو گیا اور اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں۔ دو رکعت نماز نوافل ادا کرتی ہیں پھر طواف کرتی ہیں، سعی کرنے کے بعد آب زمزم پیتی ہیں عمرہ ادا کرنے کے بعد وہ حجرہ اسود کو دیکھتی ہیں خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی کیا دیکھتی ہیں کچھ لوگ غلاف کو پکڑ کر اور کچھ سہنری دورازے کو پکڑ کر روتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور کچھ اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہیں اور کچھ

حجر اسود کو بوسے دے رہے ہیں۔ مقام ابراہیم کے سامنے دو رکعت ادا کرتی ہیں۔ لبیک کی صدائیں چاروں طرف گونج رہی ہیں انہی الفاظ کی روشنی میں ذکیہ ارشد حمید یوں لکھتی ہیں۔

> "نمازِ عشاء کے بعد مقامی لوگ گھروں کو چلے گئے۔ حرم میں اللہ کے عبادت گزار بندے رہ گئے۔ اللہ کے گھر کے گرد یوں گھوم رہے تھے۔ جیسے شمع کے گرد پروانے اور پھر لرزتے کانپتے ہاتھوں سے غلاف کعبہ کو تھام لیا اور اس وقت کیا دل کی کیفیت تھی۔ آدھی رات کا سماں۔ خاموشی اور صرف اللہ، اللہ، لبیک اللہ ھُمہ لبیک کی صدائیں فضا میں گردش کر رہی تھیں۔ یہ دنیا ہی اور ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں شیطان انسان سے دُور ہو جاتا ہے، بندہ اللہ کے قریب تر ہے۔ اللہ نے جو فرمایا کہ میں انسان کی شہِ رگ سے بھی قریب ہوں۔ تو یہاں وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صرف محسوس کرنے والے دل چاہیے۔
>
> تہجّد کی آذان یوں گونجتی ہے۔ جیسے روحوں کو بیدار کرنے کے لئے، جھنجھوڑنے کے لئے ایک ایسی آواز جس پر روحیں جھومتی لہرائی طلسم زدہ کھنچی چلی آئیں۔ صحن اللہ کے حضور جھکنے والوں سے بھر گیا۔ ہزاروں جبینیں سجدہ ریز تھیں۔ ان کے آنسو فرش پر بہہ رہے تھے۔ روحوں کی گندگی آنکھوں کے ذریعے بہہ نکلی۔"(۴۷)

مکہ کے ان حسین گلیوں میں جن میں ہمارے پیارے آقا نبی آخر زمان حضرت محمد ﷺ کو بہت سے مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ یہ خوش نصیب پتھر جس پر حضرت محمد ﷺ کے پاؤں مبارک کے نشان ہیں وہ پہاڑ جس پر مکہ کے ان حسین گلیوں میں جن میں ہمارے پیارے آقا نبی آخر زمان حضرت محمد ﷺ کو بہت سے مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ یہ خوش نصیب پتھر جس پر حضرت محمد ﷺ کے پاؤں مبارک کے نشان ہیں وہ پہاڑ جس پر بیٹھ کر آپ ﷺ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اس کے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر جو کہ قیمتی اثاثہ ہے۔ حضور ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے مسجد قبا کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ہزار گنا زیادہ ہے۔ اس میں روضہ مبارک بھی ہے۔ اس مسجد میں ریاض الجنتہ بھی ہے جو کہ جنت کے باغات میں ایک باغ ہے یہ روضہ مبارک سے میز تک ہے اس کی لمبائی تقریباً بائیس میٹر اور چوڑائی تقریباً پندرہ میٹر ہے اس کے اندر

سات ستون ہیں جن کو مسجد نبوی کے باقی ستونوں سے برتری حاصل ہے۔ ان سارے منظر کو دیکھنے کے بعد ذکیہ ارشد مسجد نبوی ﷺ کی طرف رُخ کرتی ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں پہنچ کر ریاض الجنہ روضہ مبارک کے سامنے عاجزی کی دعا کرتی ہیں۔ ہر سال لاکھوں مسلمان حج و عمرے کے لیے یہاں آتے ہیں مسجد کے صحن خواتین سے بھرے ہوئے ان کی نظر ریاض الجنتہ سفید ستون پر ہے بقول ذکیہ ارشد:

> "میں دل کو تھامتی دُرود پڑھتی اپنی قسمت پر ناز کرتی باب نساء سے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئی۔ نگاہوں میں تاب کہاں تھی کہ اٹھا کر دیکھتی کہ میں کہاں ہوں۔ جہاں جگہ ملی دوزانوں بیٹھ گئی، مسجد کے دالان عورتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ڈرتے ڈرتے جو نگاہ اٹھائی تو ریاض الجنتہ کے سفید ستون روشنیوں میں سامنے چمک رہے تھے۔ روضہ کی سنہری جالی بھی سامنے تھی۔ نورُ کی کرنیں ہر ہر کونے سے پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے اپنی جھولی پھیلا دی۔ اللہ کی رحمتیں شاید اس میں بھی بھر جائیں۔ یہ اللہ کا کرم ہی تو تھا، یہ رحمتیں ہی تو تھیں کہ میں بھی اس صحن میں بیٹھی نبی اکرم ﷺ کی محراب دیکھ رہی ہوں۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ مقام۔ اللہ اللہ۔ "(۴۸)

""زمین اور فلک اور انتظار حسین" کا تحریر کردہ سفر نامہ ہے یہ سفر نامہ ہندوستان کے مختلف اسفار پر مبنی ہے ہندوستان کا انتظار حسین کا آبائی وطن ہے اس ملک کے ساتھ ان کی ماضی کی یادیں وابستہ ہیں ہجرت کے بعد وہ ہندوستان گئے تو انھوں نے ملک میں بہت سی تبدیلیاں دیکھی بعض مقامات کو دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا اور کچھ مقامات کی خستہ حالی پر گہرے رنج و دکھ ہوا۔ خصوصاً لکھنو اور بنارس کی حالت دیکھ کر وہ بہت پریشان ہوئے کیونکہ ان علاقوں میں تقسیم سے پہلے خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ان مقامات میں مسجدیں، لال قلعہ، قطب مینار شامل ہیں۔ اسلام کی عظیم درس گاہ مسجد ہے اس میں مسلمان کی روحانی تربیت بھی کی جاتی ہے مسلمان پانچ وقت کی باجماعت نماز مسجد میں ادا کرتے ہیں جو اخوت، مساوات اور رواداری کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں اس میں امیر و غریب، کالے اور گورے کا فرق نہیں رہتا۔

؎ ایک صف میں کھڑے ہوئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ بندہ نواز

انتظار حسین سیر کے دوران دہلی کی مسجد کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دہلی میں حکیم شریف کی مسجد کی حالت بہت ہی خستہ حال تھی۔ اس کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی اس میں نہیں آتا

اس ایک منزل میں لکڑیاں پڑی ہوئی تھی اس کے بعد لال قلعہ کے ساتھ ایک مسجد ہے جو موتی مسجد کے نام سے مشہور ہے اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۵۹ء میں اس مسجد کی بنیاد رکھی تقریباً دو سال کے عرصے میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس مسجد کے گبندوں پر سنگ مرمر سے تراشا گیا اس کی حالت دیکھ کر افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے انتظار حسین یوں لکھتے ہیں۔

> "دلی میں افسوس کے مقامات بہت ہیں۔ اس شہر پر کتنے زمانے آئے اور ہر زمانہ جاتے ہوئے افسوس کے کتنے مقامات پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ لال قلعہ ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ دلی کا کوئی یار نہیں ہے اور جن ہمسفروں کے ساتھ ہم شہر کے مقامات افسوس دیکھنے کیلئے نکلے تھے انہیں جامع مسجد کے آس پاس چھوڑ کر ہم دونوں یہاں قلعہ میں آگئے ہیں اور بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ دور سے تو قلعہ کی فصیل مجھے بہت زندہ اور متکلم دکھائی دے رہی تھی مگر اب جبکہ میں قلعہ کے اندر گھوم پھر رہا ہوں تو کیا سبب ہے کہ اس کے درودیوار سے میری گفتگو نہیں ہو پا رہی۔ اور ایک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ سنگِ مرمر کے یہ درودیوار میلے ہوگئے ہیں یا مجھے میلے میلے نظر آرہے ہیں۔ ایوان میں گھومتے پھرتے ہم جھروکے کی سمت رہتے ہیں اور باہر جھانک کر دیکھتے ہیں۔ سامنے جمنا ندی آرام میں ہے اور جھروکے تلے ایک بندر والا ڈگڈگی بجا کر اپنے بندر بندریا کو نچا رہا ہے۔ مگر اس کے اردگرد تماشائیوں کا حلقہ نہیں ہے۔"(۴۹)

دہلی کی مشہور و معروف مسجد جامع مسجد ہے یہ مسجد شاہ جہاں نے ۶۵۶۱ء میں تعمیر کی اس میں ۵۲ ہزار سے زائد افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ جامع مسجد دہلی کی سیر کے دوران انتظار حسین لکھتے ہیں کہ اس مسجد کی سیڑھیوں میں بازار ہوتا تھا۔ جامع مسجد کے گرد رونق ہی رونق ہوتی تھی انتظار حسین اس کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں۔

> "جامع مسجد۔ نمازی اسی طرح چڑھتے اترتے ہوئے۔ ہاں جن سیڑھیوں پر کبھی بازار آباد تھا وہ اب صاف ہیں۔ بازار سیڑھیوں سے اتر کر زمین دوز نئی دکانوں میں جا بسا ہے۔ سیڑھیوں کے برابر ایک ہاتھی کھڑا ہے جس پر ایک بڑا سا اشتہار جُھول رہا ہے۔ لکھنؤ کے کڑے ہوئے کڑے ہم سے خریدیئے۔ اے زمانے تیرا بُرا ہو۔ تُو نے بیچ دلی میں لال قلعہ کے روبرو ہاتھی کو گرا کر کہاں سے کہاں

> پہنچادیا۔ باقی رہااس بازار کا معاملہ تومت پوچھو کہ دلی کے روایتی بازاروں نے مجھے کتنامایوس کیا۔ میں شمیم حنفی کو رہنمابنا کر بازار بازار پھرا۔ جامع مسجد کے بازار سے چاندنی چوک۔ پوراچاندنی چھان مارا۔ پھر بیماروں کی گلی کو چھانا۔ بووالا پمپ کہیں نہیں ملا۔ تب میں نے جانا کہ ہر عہد اپنی جُوتیاں ساتھ لاتا ہے اور ہر عہد جاتے ہوئے اپنی جوتیاں ساتھ لے جاتا ہے۔ پھر میں نے اس شہر میں شیروانی پہننے کاارادہ ترک کیا اور پتلون بشرٹ کے ساتھ گزارا کیا۔ "(۵۰)

انتظار حسین اس مسجد کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئی اب اسکا نقشہ ہی تبدیل ہو گیا تھا اس مسجد کی حالت ناگفتہ یہ ہے جامع مسجد کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں ہیں اور جگہ جگہ شفاف نظر آتے ہیں اس کی تعمیر و مرمت کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ یہ قیمتی اثاثہ رفتہ رفتہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ قوت اسلام مسجد کی سیر کے دوران انتظار حسین جائزہ لیتے ہیں کہ قطب مینار سے پہلے مسجد قوۃ الاسلام ہے۔ یہ مسجد قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۰ء میں اپنی دور حکومت کے دوران بنائی التمش کے دور میں اسکی از سر نو تعمیر ہوئیں انہی الفاظ کی تائید میں انتظار حسین یوں لکھتے ہیں۔

> "باقی مسجدیں بعد میں پہلے ہم مسجد قوۃ الاسلام دیکھیں گے اور قطب مینار کی سیر کریں گے۔ قطب مینار پہلے بھی دیکھا ہے پھر دیکھیں گے۔
>
> ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ!
>
> اور مسجد قوۃ الاسلام سے پرے یہ مزار کیسا ہے۔ صاحب یہ امام ضامن کا مزار ہے۔
>
> امام ضامن کا مزار؟____ اے بدعقیدہ آدمی سوال مت اٹھا۔ خلقت کا اگر یہی عقیدہ ہے تو اس میں کلام مت کر۔
>
> مسجد قوۃ الاسلام کو دیکھا۔ اب کھڑکی مسجد کو دیکھتے ہیں۔ یہ عہدِ التمش کی سات مسجدوں میں سے ایک مسجد ہے۔ ایک در، دودر، تین چار پانچ چھ سات۔ گنتے جاؤ نہیں گن پاؤ گے۔ یہی تو اس مسجد کا کمال ہے در اندر در پھیلتی چلی گئی ہے۔ "(۵۱)

اس کے علاوہ ہندوستان میں بہت سی مساجد ہیں مکہ مسجد حیدرآباد (دکن) میں واقع ہے اس کے چاروں طرف مینار ہیں اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والی اینٹ مکہ سے منگوائی گئی تھی۔ اس مسجد کی وضاحت کرتے ہوئے انتظار حسین یوں لکھتے ہیں۔

> "سو میں حیدر آباد کو شاد آباد دیکھتا ہوں اور شاد ہوتا ہوں۔ چار مینار کے ارد گرد اب بھی خوب گہما گہمی ہے مکہ مسجد اب بھی نمازیوں سے خوب آباد ہے۔ محفلیں اب بھی خوب جمتی ہیں ادبی جلسوں میں اتنا مجمع ہوتا ہے۔ "(۵۲)

اس سفر نامے میں بھارت کی مساجد کی منظر نگاری کی ہے مسجد کی اسلام تعظیم اور اکرام کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے

کوفہ کی سیر کے دوران مسجد کوفہ کی سیر کے دوران قمر علی عباسی لکھتے ہیں مسجد کوفہ عالم اسلام کی چوتھی بڑی مسجد ہے بعض روایات کے مطابق اس کی تعمیر سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے کی اس کی دوبار تعمیر کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسجد میں قیام کیا اور نماز ادا کی پھر خطبہ بھی دیا۔ اس مسجد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مسجد کوفہ کو جنت کے باغات سے تشبیہ دی ہے جو اس میں داخل ہو گا اور اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بقول قمر علی عباسی:

> "اب مسجد کوفہ کو روانگی ہے۔ یہ ایک بڑی مسجد ہے۔ دروازے سے داخل ہوں تو ریت کا میدان۔ بیچ میں ایک کٹہرا۔ نائب متولی نے بتایا یہاں کشتی نوح آکر ٹھہری تھی۔ ایک طرف مقام ابراہیم۔ دوسری طرف مقام آدم۔ یہاں انبیاؤں نے عبادت کی ہے۔ اس جگہ جائے نماز بچھی تھی۔ عقیدت مند دو رکعت نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک جگہ مصلیٰ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ یہاں بھی سجدہ کرنا باعث ثواب ہے۔ اس میدان میں سب ہی پیغمبر آئے تھے۔ "(۵۳)

داؤد طاہر نے اپنے سفر نامہ "سفر زندگی ہے" میں اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مشہد کی تاریخی مسجد کا جائزہ لیتے ہیں مسجد گوہر شاد مشہود کی مشہور و معروف مسجد ہے۔ یہ مسجد تیموری دور حکومت میں شاہ رخ تیموری کی بیوی گوہر شاد نے تعمیر کروائی اس کی تعمیر کا کام ماہر تعمیرات قوام الدین شیرازی کو سونپا گیا۔ انہی الفاظ کو منظر رکھتے ہوئے داود طاہر یوں لکھتے ہیں۔

> "مسجد گوہر شاد امیر تیمور کے بیٹے‘ شاہ رخ کی بیوی‘ ملکہ گوہر شاد کی طرف سے منسوب ہے جس نے اپنی جیب خاص سے یہ عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ یہ مسجد جو تیموری دور کے فن تعمیر کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے ربع اوّل میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہ ایک وسیع مسجد ہے جو اپنی خوبصورتی، فنی

> ہم آہنگی اور عمدہ کاشی کاری کی وجہ سے بعض لوگوں کے نزدیک وسط ایشیا کی خوبصورت ترین مسجد ہے۔" (۵۴)

مسجد گوہر شاد وسط کی خوبصورت ترین مسجد ہے۔ اس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ مسجد ضعیفہ گوہر شاد کی طرح اتنی مقبولیت تو حاصل نہ کر سکی لیکن اس کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے یہ مسجد ایک بڑھیا کی یادیں بنائی گئی ملکہ نے گوہر شاد کی تعمیر کے لیے بڑھیا سے زمین طلب کی تو اس بوڑھی عورت نے زمین دینے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ یہاں پر ایک الگ مسجد ہو تو پھر میں زمین دوں گی۔ بقول داؤد طاہر:

> "مسجد ضعیفہ میں مسجد گوہر شاد والی شان و شوکت تو مفقود ہے لیکن اس کی تعمیر کا پس منظر دلچسپ ہے۔ روایت ہے کہ جب ملکہ گوہر شاد نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ایک غریب بڑھیا کی زمین اس کے بیچے آ رہی تھی لیکن ملکہ کی طرف سے ہر ممکن ترغیب و تحریص کے باوجود بڑھیا نے اپنی زمین سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا اور بالآخر صرف اس شرط پر یہ زمین حکومت کے حوالے کرنے پر تیار ہوئی کہ اس جگہ اس کے نام سے ایک الگ مسجد تعمیر کی جائے۔ یہ مسجد اسی بڑھیا کی یادگار ہے۔" (۵۵)

> مسجد گوہر شاد اور مسجد ضعیفہ تاریخی حیثیت کے حامل ہے کہیں ان مساجد کی عمدہ نقاشی کی گئی ہے۔

مصر میں مقدس مقامات میں جامعہ الازہر بہت مشہور ہے ماہر القادری سیر کے دوران لکھتے ہیں کہ جامعہ ازہر میں چھیٹوں تھی وہاں پر ان کی ملاقات اساتذہ کرام اور طلباء سے بھی ہوئی دوران گفتگو ان سے مسجد اور جامعہ الزہر کے بارے میں چند مفید معلومات فراہم ہوئی۔ ماہر القادری اس جامعہ کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں۔

> ”الازہر کا نام بچپن سے کانوں میں پڑا ہوا تھا، اس عظیم اور شہرۂ آفاق دینی درس گاہ کے دیکھنے کی بڑی تمنا تھی۔ ٹیکسی میں الازہر پہنچا مگر ماہِ صیام میں یہاں تعطیل ہوتی ہے، الازہر کے تمام کمرے مقفل تھے، دروازوں کے شیشوں سے نظارے کا موقع میسر آسکا، قالین بچھے ہوئے تھے! عمارت خاصی شان دار اور ایک ہزار برس پہلے کی یادگار مگر اس کی صفائی ستھرائی کا بندوبست ایسا نہیں ہے اور نگہداشت اُس پیمانے پر نہیں ہو رہی ہے جسے شایانِ شان کہا جاسکے۔ جامعہ کھلی ہوتی تو وہاں کے طلباء اور

> معلمین کو دیکھنے اور اُن سے گفتگو کرنے کی سعادت حاصل ہوتی مگر کیا کیا جائے یہی مقدر تھا کہ راقم الحروف نے الازہر کے دیوار و دَر کو دیکھا اس جامعہ کے ''رجال'' کو نہیں دیکھا!'' (۵۶)

جامعہ الازہر کی مسجد کو مسجد قبا کی مثل قرار دیا گیا اس کے علاوہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کاسہ مبارک دفن ہے اس میں قطع ثبوت نہیں ملتا اس مسجد کو بہت خوبصورت گنبد بیل و بوٹے سے سجا گیا ہے اس میں سینکڑوں افراد قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اس عقیدت کا منظر ماہر القادری یوں بیان کرتے ہیں ۔

> '' حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جہاں دفن ہے وہ قبہ اور اس سے متصل مسجد قابلِ وید ہے، دَر و دیوار پر گل بوٹے بنے ہوئے ضریح نہایت خوب صورت، گنبد قیمتی جھاڑ فانوس سے مزین! میں وہاں پہنچا تو سینکڑوں آدمی تلاوتِ قرآن کر رہے تھے! اُن کی عقیدت کا منظر خاصہ اثر انگیز تھا، ۴۳۹۱ء میں راقم الحروف کربلائے معلی کی زیارت کر چکا ہے، اس تصور و عقیدت کے ساتھ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں دفن ہیں، یہاں قاہرہ میں یہ صورتِ حال سامنے آئی کہ شہیدِ کربلا کا سرِ اقدس قاہرہ میں دفن ہے اور باقی جسدِ مبارک کربلا میں! یہ جو ہزاروں لاکھوں سنی اور شیعہ قاہرہ میں اس رقبہ کی زیارت کرتے ہیں تو ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ ''سرِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ''، یہاں مدفون ہے مگر شیعہ حضرات کی غالب اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت سیّدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سرِ مبارک کو قاہرہ سے کربلا لے گئے تھے اور وہاں اُسی قبر میں دفن کیا تھا جہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا لاشہ بغیر سر کے دفن تھا! ''(۵۷)

قاہرہ میں محمد علی نے ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا شمار دنیا کی حسین ترین مساجد میں کیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیر میں جو پتھر لگایا گیا وہ اٹلی سے منگوایا گیا۔ اسی حوالے سے ماہر القادری یوں لکھتے ہیں ۔

> '' قاہرہ میں محمد علی کی بنائی ہوئی مسجد فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ دنیا کی چند حسین ترین مساجد میں ''مسجد محمد علی'' کا شمار ہوتا ہے اس مسجد میں جو پتھر استعمال ہوا ہے وہ اٹلی سے حاصل کیا گیا تھا، یورپ میں گرجا بہت بلند و بالا ہوتے ہیں اسی طرز پر مسجد محمد علی کی چھت بھی بہت اونچی بنائی گئی ہے، در و بام اور محرابیں دیدہ زیب!'' (۵۸)

اس مسجد کا مینار بہت اونچا ہے اس کے علاوہ کی چھت کی بہت بلند وبالا اور محراب کو خوبصورت انداز سے سجایا گیا ہے۔ جامع احمد بن طولون قاہرہ میں ایک تاریخی مسجد ہے جس کی تعمیر احمد بن طولون نے کی۔ اسی حوالے سے ماہر القادری یوں رقمطراز ہیں

> ”احمد بن طولون سلطنتِ طولونیہ (۴۸۸ء۔۵۳۸ء) کا موسس ہے اُس نے قاہرہ میں جو مسجد تعمیر کی تھی وہ جامع ابن طولون کے نام سے مشہور ہے۔ شان دار مسجد اقامت کے لحاظ سے بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ اب سے گیارہ سو برس پہلے کی تعمیر ہے۔ پوری عمارت پتھر کی بنی ہوئی ہے! مسجد میں جاکر میں نے ایسا محسوس یا جیسے روزانہ انہیں دو چار دن کے وقفہ سے یہاں صفائی ہوتی ہے اور جھاڑو دیا جاتا ہے! مسجد کا ناہموار فرش اپنی کہنگی کا نوحہ خواں ہے اور مرمت طلب ہے! “(۵۹)

> مسلم تہذیب میں مساجد کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا۔ مسجد بطور تہذیبی گہوارہ اور روحانی بنیاد رہی ہے۔ مصری طرز تعمیر پر محیط یہ مسجد کشادگی، صفائی، ستھرائی اور روحانی بالیدگی کا مظہر ہے۔

ثریا خورشید سری نگر کی سیر کے دوران ہندومت کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ اونتی رومن کے دور میں ایک مندر تعمیر کروا جو صرف بھگوان وشنوجی کی عظمت کے لیے بنایا گیا ہے اس مندر میں تقریباً انہتر کوٹھریاں جو عبادت کے لئے مختص کی گئی ہیں۔ یہ مندر بہت بوسیدہ ہو گیا اسکی کی منظر نگاری کرتے ہوئے یوں لکھتی ہیں۔

> "اونتی ورمن جو ۸۵۵ء سے ۸۸۳ء تک کشمیر کا بادشاہ تھا، نے یہ منفر تعمیر کروایا تھا جو بھگوان وشنوجی کے لئے وقف تھا۔ اس کی تعمیر اُن کھنڈرات میں بھی اُس عظمت کی نشاندہی کرتی ہے۔ جو اس زمانے کے ساتھ وابستہ ہے، یہ اعلیٰ پایہ کے فنِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ شکستہ دیواروں پر اب بھی دیوی، دیوتاؤں، راجہ، اس کی رانیوں اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد کی تصویریں موجود ہیں۔"
>
> "مندر کے چاروں طرف انہتر (۹۶) کوٹھریاں ہیں، جو عبادت کے لئے استعمال ہوتی ہوں گی۔ بڑے بڑے پتھر ابھی بھی مضبوطی سے یوں ایستادہ ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ گیارہ سو سال پرانی عمارت کے کھنڈرات ہیں۔ اس مندر کی کھدائی ۱۹۱۳ء میں ہوئی۔ یہ زمین کے نیچے دبا ہوا تھا اور ایک بڑا سا پتھر باہر نظر آتا تھا۔ جس سے ماہرین

> نے اندازہ لگایا کہ یہاں پرانی تہذیب کے نشانات ہوں گے۔ چنانچہ اُسے کھودا گیا تو شکستہ مندر کی بڑی سی عمارت باہر نکل آئی۔ خیال کیا جاتا کہ کشمیر میں سنہ ۱۴۲۶ء میں جو شدید زلزلہ آیا اس سے یہ مندر زمین بوس ہو گیا کیونکہ اس زلزلے سے اور بھی کئی عمارتیں زمین بوس ہو گئی تھیں۔ " (٦٠)

محمد اختر ممونکا انڈونیشیا کی سیر کے دوران ہندوؤں کے مندروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہاں پر مندر بہت خوبصورت اور پرکشش ہوتے ہیں۔ یہاں پر روزانہ کوئی نہ کوئی تہوار منایا جاتا ہے۔ سفر نگار نے جس وقت انڈونیشیا کی سیر کے لیے گیا تو ان دنوں لابوہان کا تہوار جاری تھا۔ یہ تہوار ہر سال منایا جاتا ہے اور آتش فشاں پہاڑوں کو نذرانے کے طور پر دیا جاتا ہے تا کہ سارا سال آتش مادے سے نجات حاصل ہو سکے انہی تہوار کے حوالے سے اختر ممونکا یوں لکھتے ہیں ۔

> ” جوجہ انڈونیشی سطانوں کے عالیشان محلات ہیں۔ ہندوؤں کے پر شکوہ مندر ہیں۔ جہاں دن رات کوئی نہ کوئی مذہبی تہوار جاری رہتا ہے۔ ان دنوں لابوہان کا تہوار منایا جارہا تھا۔ اس تہوار میں ہر سال آتش فشاں پہاڑوں کو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ وہ سال بھر اپنے آتشیں مادے کو اپنے اندر سموئے رکھیں ۔ “(٦١)

انتظار حسین بھارت کی سیر کے دوران ہندو مت کے مندروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ برلا مندر ایک مندر ہے جو کہ حیدر آباد اور دکن سے تقریباً ۲۸۰ فٹ بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ اس کی تعمیر دس سال کے عرصے میں ہوئی۔ یہ ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہ ہے اس میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کے مجسمے ہیں۔ مثلاً شیو، برہما، سرسوتی اور لکشمی وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستان میں ٹوئرزم کے فروغ کے لیے اس مندر میں غیر مذہب کے افراد کو جانے کی اجازت ہے۔ مندر کے ہال میں مہابھارت کی تصاویر ہیں اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے انتظار حسین لکھتے ہیں۔

> "میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اس وسیع ہال میں جہاں میں ابھی ابھی داخل ہوا ہوں ارد گرد مہابھارت کی تصویریں آویزاں ہیں۔ سامنے سری کرشن جی کی قد آدم مورتی کھڑی ہے۔ ایک گوشے میں چوکی پر ایک پجاری بیٹھا بھجن گا رہا ہے۔ میں اس پجاری کی طرف بڑھتا ہوں۔ جب وہ بھجن گا چُکتا ہے تو میں دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے نمستے کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ مہاراج، میرا بائی کا کوئی بھجن سنا دیجئے۔ پجاری مجھے سر سے پیر ہوا تھا لیکن اب سوچتا ہوں کہ جو ہوا ٹھیک ہوا۔ برندا بن ساتھ بھی وہی

> ہوا ہو گا جو دلی کے ویرانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ نیا ہندوستان اپنی قدامت کا دشمن ہے اور میں کوئی ٹورسٹ تو ہوں نہیں، بھلامانس قدامت پسند ہوں۔ سو میرے تصوّر میں برندا بن کا جو نقشہ بنا ہوا ہے اسے کیوں درہم برہم کروں۔ اصل میں قدیم کی وہ بستیاں اچھی رہیں جو مٹ گئیں اور کہانی بن گئیں۔ وہ دیومالائیں اچھی رہیں جن کا اب کوئی ماننے والا دنیا کے تختہ پر موجود نہیں ہے۔"(۶۲)

قمر علی عباس کا سفر نامہ ”دلی دور ہے“ اردو ادب میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے اس سفر نامہ میں انھوں نے بھارت کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا جہاں سے وہ گزرے وہاں کے مذاہب کا بخوبی سے جائزہ لیا ہندو مت کے مندر ہرے راما ہرے کرشن کی منظر نگاری کرتے ہوئے قمر علی عباسی لکھتے ہیں کہ راما ہرے کرشن کا مندر بہت حسین ہے اس کے اندر عمدہ قسم کے شیشے رنگین الماریاں لگائی گئی ہیں۔ کرشن بھگوان کا مندر پتھر سے بنا ہوا ہے اس کے جسم کا رنگ نیلا ہے جو اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ دنیا وجہاں کے سارے کے سارے غم اور دکھ اس کے اندر ہیں۔ بقول قمر علی عباسی:

> "سامنے ایک بڑی عمارت تھی یہ ہرے راما ہرے کرشن کا مندر تھا۔ راجیوان کا چیلہ تھا۔ مندر سے باہر ایک بہت بڑا خوبصورت رتھ کھڑا تھا۔ ہمیں وہ بہت اچھا لگا۔ اندر بڑا خوبصورت منظر۔ اتنے رنگ کہ آنکھیں چکا چوند ہونے لگیں۔ بڑا سا ہال اس میں چاروں طرف شیشے کی رنگین الماریوں میں رنگین مجسمے تھے۔ شروع میں انسانی زندگی کے مختلف دور دکھائے گئے۔ مجسمے اچھے تھے۔ کرشن بھگوان اپنی گوپیوں کے ساتھ رقص فرما رہے تھے ہر گوپی سمجھ رہی تھی وہ اس کے تھے وہ کس کے ساتھ یہ مجسمہ ساز کو بھی پتہ نہیں ہم ان کی قسمت پر رشک کرنے لگے۔"(۶۳)

"ریشم ریشم" امجد اسلام امجد کا سفر نامہ ہے انھوں نے اس سفر نامہ میں مختلف علاقوں کی سیر کے بارے میں بتایا ہے۔ ہانگ چو کی سیر کے دوران بدھ مذہب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بدھ مذہب مختلف قسم کے مجسمے ہیں اور ہر ایک کا سجاوٹ کا انداز نرالا ہے۔ ان میں بعض مجسمے اتنے خوفناک ہوتے ہیں کہ ان میں غم و غصہ اور نفرت کی آگ بھڑکاتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ دیا ہوتا ہے بدھ بھکشو اور ان کے ساتھیوں کے مجسمہ سازی یہ طرز دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ بدھ مذہب امن کا مذہب نہیں ہے بلکہ ان ہیبت ناک مجسموں سے یہ ایک جابرانہ مذہب کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ہمارے تصورات اس کے برعکس ہیں ہماری

رائے کے مطابق بدھ مذہب ایک امن پسند، صلح جو، روحانیت کا علمبر دار ہے۔ مقامی علاقے میں بدھ کے مندر کی مختلف صورتیں بنائی گئیں جس کی وجہ الگ الگ نمونوں کے مجسمے بنائے گئے لیکن بدھ مت کے عظیم رہنما گوتم بدھ ہے اس کی شناخت یہ ہے کہ اس کے جسم پر ایک چادر، سر ننگا اور ماتھے پر آنکھ ہے۔

بقول امجد اسلام امجد:

> "ہانگ چو کی اس خوبصورت صبح میں ہماری پہلی منزل "بدھ کا مندر" تھا لاہور کے عجائب گھر اور ٹیکسلا میوزم میں گوتم بدھ کے جو مجسّمے اور مختلف اخبارات و رسائل میں ان کی جو تصویریں دیکھی تھیں ان کے حوالے سے یہ مندر خاصا مختلف اور حیران کن تھا کیونکہ یہاں Starving Buddah اور Laughing Buddah کے علاوہ بھی بدھ کے کئی روپ تھے یہ تو معلوم تھا کہ مختلف علاقوں میں بدھ کے جو مجسّمے بنائے گئے ہیں ان میں مقامی نقوش کا خیال اور التزام رکھا گیا ہے لیکن ایک ہی علاقے اور مندر میں اس کی اتنی شکلیں ہو سکتی ہیں یہ ایک بہت ہی غیر متوقع منظر تھا دوسری عجیب بات یہ تھی کی بدھ کے ساتھیوں اور پیروکاروں کے جو بہت بڑے بڑے اور ہیبت ناک مجسّمے بنائے گئے تھے ان کے چہروں پر زیادہ تر غصہ، خشونت، انتقام اور نفرت کے تاثرات تھے اور ان کے ہاتھوں میں مختلف طرح کے ہتھیار بھی تھے جبکہ ہمارے تصور کے مطابق بدھ مذہب انتہائی امن پسند، دھیما، صلح کل اور روحانی تسکین کا علمبر دار تھا ان جیالوں کے پاؤں میں جدید زمانے کے واہیات جاگرز جیسے بھاری بھاری جوتے تھے اور ان کی آنکھوں میں رحم اور درگزر کا شائبہ تک نہیں تھا"۔(۶۴)

بدھ مت کے مذہبی پیروکار میں گوتم بدھ عظیم رہنما ہے۔ لیکن ان میں گوتم بدھ کی شناخت یہ ہے کہ جسم پر چادر ہوتی ہے اور سر ننگا اور ماتھے پر ایک آنکھ بطور سمبل کے ہوتی ہے۔ انہی الفاظ کی روشنی میں امجد اسلام امجد یوں لکھتے ہیں ۔

> " یہاں بھی بروہی صاحب آڑے آئے انہوں نے بدھ مذہب کے بارے میں عمومی طور پر اور اس مندر کے مجسّموں پر بالخصوص ایک سیر حاصل لیکچر دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ بہت سارے مجسّمے جو بدھ کے سمجھے جاتے ہیں وہ اصل میں گوتم بدھ کے نہیں بلکہ اس کے بعد آنے والے اس کے بہت سے پیروکاروں کے ہیں گوتم کے مجسّمے کی

> پہچان یہ ہے کہ اس کے جسم پر سوائے ایک چادر کے کچھ نہیں ہوتا۔ سر ننگا ہوتا ہے اور اس کے ماتھے پر تیسری آنکھ کا ایک سمبل ہوتا ہے، جنگجو مجسّموں کی وضاحت انہوں نے یہ کی کہ اصل میں ان کے ذریعے زندگی کی ہمہ جہتی اور انسانی معاشروں میں بزم کے ساتھ رزم کی اہمیت اور موجودگی کا احساس بھی ہے اور یہ کہ اگر ہم لوگ غور سے دیکھیں تو یہ سارے کے سارے لڑاکے سورما نہیں ہیں ان میں فنکار، دین دار اور زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں یہ اور بات ہے کہ مجسمہ سازوں کی کم ہنری کی وجہ سے دھیان ان کے ایک جیسے چہروں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور وہ علامتیں واضح نہیں ہو پاتیں جو انہیں ایک دوسرے سے مختلف کرتی ہیں۔"(٦٥)

بارہ مولا کی سیر کے دوران بدھ مت کے مندر کے بارے میں لکھتی ہیں کہ ہندوکا یہ مندر بہت بوسیدہ ہو گیا ہے بدھ مت کی اشاعت میں بھکشوؤں نے دن رات کام کیا چونکہ بدھ مت کا آغاز کشمیر سے ہوا تھا لیکن اب یہ اس مندر کی بے ثباتی اور ٹوٹ پھوٹ کا منظر کشی کرتے ہوئے ثریا خورشید یوں لکھتی ہیں۔

> "بدھ مت کے زمانے کا ایک شکستہ مندر بھی ہے، اس کے ارد گرد بکھری ہوئی اینٹیں زمانے کی بے ثباتی اکا احساس دلاتی ہیں۔ مہاراجہ اشوک اور پھر مہاراجہ کنِشک نے کشمیر میں بدھ مت پھیلایا۔ یہ صوبہ ان کی مملکت میں شامل تھا۔ یہاں بدھ مت کی اشاعت کے لئے بدھ مت کے ان علمبر داروں نے بہت کچھ کیا۔ راجہ کنشک نے تو سری نگر میں بُدھ کانفرنس بھی بلائی تھی جس میں سارے شمالی ہندوستان سے زائرین شریک ہوئے تھے۔"(٦٦)

بدھ مت میں عبادت گاہوں کی آرائش وزیبائش اُن کے آرٹ اور مہارت کی نشان دہی کرتی ہے۔ قدیم مذہب اور تہذیب ہونے کے ناطے ان کی عمارات کی سجاوٹ شوکت علی شاہ کے الفاظ میں!

> "شہر میں بے شمار مندر ہیں جن کے گنبدوں پر اکثر سونے کے کلس چڑھے ہوئے ہیں، یہ مندر تھائی آرٹ اور کلچر کا بہترین شاہکار ہیں معماروں نے بڑی محنت اور مہارت سے جو نقش و نگار بنائے ہیں وہ دیدنی ہیں۔ مندروں میں جگہ جگہ مہاتما بدھ کی مورتیاں رکھی ہے وہ گیان جو کپل وستوں کے شہزادے کو ۲۲ سو سال پہلے حاصل ہوا تھا آج بھی اس کے چہرے سی ہویدا ہے۔ یہاں وقت کی طنابیں کھینچتی نظر آتی ہیں۔ ماحول میں کچھ ایسا سکون اور طمانیت ہے جیسے بدھ نے ایک لمبی تپسیا کے بعد پہلی

> بار آنکھ کھولی ہو۔ تعیش اور بے حیائی کے اس وسیع سمندر میں یہ مندر سچائی اور پارسائی کے جزیرے نظر آتے ہیں۔ ان کی حدود میں قدم رکھتے ہی آدمی اپنی ساری کثافتیں باہر چھوڑ آتا ہے بدھ کی تعلیمات کو قبول کرنے میں تھائی قوم کے مزاج کو بڑا دخل ہے۔ سیامی بنیادی طور پر بڑے نرم دل ہیں۔ دھیماپن، قوت برداشت اور صبر و تحمل ان کی سرشت میں شامل ہے۔ "(۶۷)

بدھ کے مندر میں سچائی اور پارسائی کے عمدہ نمونے نظر آئے ہیں۔ اس میں تھائی قوم کے مزاج نرم، نیک تمناؤں اور صبر و تحمل کے پیکار ہیں۔

سلیم گرویزی مقبوضہ کشمیر کے سفر کے دوران بدھ مت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بدھ مت جس فطرت کے قائل ہیں وہ جس فطرت کی خاطر شہریوں اور آبادیوں سے بہت دور جا کر نروان حاصل کرتے ہیں شادرہ کی قدیم تہذیب میں اس کے واضح اثرات نظر آتے ہیں انہی الفاظ کی روشنی میں سلیم گرویزی یوں لکھتے ہیں:

> "بدھ مت کے دور عروج میں شاردہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ بدھ مت کے بانی اور پیروکار حسن فطرت کے پرستار تھے۔ وہ شہروں اور آبادیوں سے دور فطرت کی آغوش میں نروان حاصل کرنے پہنچ جایا کرتے تھے۔ شاردہ کی یہ خوبصورت وادی ان کی نظروں سے کیسے اوجھل رہ سکتی تھی انہوں نے یہاں ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کر رکھی تھی جس میں ہندو اور سندھ سے، کابل اور زابل سے، چین اور ترکستان سے، منگولیا اور روس سے تشنگان علم و معرفت اپنی علمی پیاس بجھانے آیا کرتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب مشہور چینی سیاح فاھیان بدھ مت کے آثار تلاش کرنے برصغیر آیا تھا تو اس نے شاردہ کی سیاحت بھی کی تھی۔ شاردہ کی یہ عظیم درس گاہ اس وقت تک اجڑ چکی تھی بدھ مت اپنی امن پسندی اور رواداری کے باعث ہندو مت سے شکست کھا گیا تھا۔ ہندو مت کے علمبرداروں نے بدھ مت کو اس کی جنم بھومی سے نکال کر جلاوطن کر کے برما، چین، جاپان اور مشرق بعید کی طرف دھکیل دیا تھا۔ فاہیان اسی مٹی ہوئی بدھ مت تہذیب کے آثار تلاش کرنے آیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فاران کی چوٹیوں سے ابھی آفتابِ رسالت طلوع نہیں ہوا تھا۔ "(۶۸)

ثریا حفیظ الرحمٰن کلکتہ کی سیر کے دوران مہاتما بدھ کے مجسمے کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "پیڈسٹل پر مہاتما بدھ کا پیتل کا بہت بڑا مجسمہ گیان دھیان کی حالت میں آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اس کے چاروں طرف دائرے کی شکل میں پلیٹ فارم پر کنڈلی مارے بڑے بڑے پھن پھیلائے سیاہ ناگ، اپنی دو شاخہ سرخ زبانیں نکالے اپنے بھگتوں کو ڈرا رہے تھے۔ ناگ دیوتاؤں اور بدھا کے مجسمے کے آگے تازہ دودھ کی کٹوریاں اور کنول کے پھول چنے تھے۔ غلافی آنکھوں اور گندمی مائل زرد رنگت والی برمی شکل کی اکا دکا عورتیں ناگ دیوتاؤں اور بھگوان بدھ کو دودھ اور کنول کے پھول چڑھانے آئی ہوئی تھیں۔ معبد کے اندر ہر سو براہمن کا فسوں چھایا تھا۔ اور بدھ کا مجسمہ گم صم بیٹھا اپنی تعلیمات کا حشر ہوتے دیکھ رہا تھا۔"(۶۹)

بدھ کے مندر میں سچائی اور پارسائی کے عمدہ نمونے نظر آئے ہیں۔ اس میں تھائی قوم کے مزاج نرم، نیک تمناؤں اور صبر و تحمل کے پیکار ہیں۔

ناران و کاغان کی سیر کے دوران بدھ مت کے حوالے سے لکھتے ہیں کاغان میں بھی بدھ مت کے بہت سے مجسمے ہیں یہاں برگد کے درخت ہیں مہاتما بدھ نے برگد کے درخت کے نیچے بیٹھ کر مراقبہ حاصل کیا اس کے بعد بدھ مت کے بھکشو برگد کے درخت کے نیچے بیٹھ کر مراقبہ کرتے ہیں اشفاق احمد ایک سادھو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ” ”ایک سادھو تھا بڑی عمر نے گیروے کپڑے پہن رکھے تھے اور سر اور بھنویں منڈائی ہوئی تھیں اور اس کے پاس کا ایک تاملوٹ تھا اور وہ برگد کے تنے کے سہارے بیٹھا تھا۔ اتنے بڑے برگد کے لیے تھے بڑے برگد مہاتما بُدھ کو نروان ہُوا تھا۔ یہ برگد ہمارے قصبے کے سکول سے کوئی رنگ بھر کے فاصلے پر تھا اور اس کے نیچے اتنا اندھیرا تھا کہ ہم لڑکے کبھی اُس کی چھاؤں میں سے گزرے تھے۔ مجھے جب بھی کسی آسیب زدہ جگہ کا خیال آتا ہے اس برگد کا اندھیرا، اُس کے نہیں گرد اور اُس کی ڈاڑھیوں کے گچھے ضرور یاد آجاتے ہیں، مَیں اُس وقت چھٹی جماعت سے پڑھتا تھا اور نیکر پہن کر سکول جاتا تھا۔ جس دن پہلے پہل مَیں نے اُس سادھو کو اس برگد تلے ہیں تو مجھے یوں لگا جیسے وہ سرخ کھنکتی ہوئی مٹی کا ایک بُت ہو جس کی آنکھوں میں گہرے سبز رنگ کے

> گچھے پڑے ہوں۔ مَیں نے اُسے حرکت کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ جس مقام پر پہلے دن تھا دو تین مہینے تک اسی طرح اسی حالت میں دیکھتا رہا۔۔"(۷۰)

سادھو کی الگ دنیا تھی۔ اس کے معمولات بھی عجیب تھے۔ انہی معاملات میں ایک واقعہ اشفاق احمد نے بیان کیا ہے۔

> پھر ایک دن وہ سادھو لیٹ گیا اور اُس کا تاملوٹ بھی اُس کے قریب ہی لیٹ گیا۔ انہی کی وجہ سے ہمارے قصبے میں سُرخ آندھی آئی اور سارے گھر سُرخ مَٹّی سے اَٹ گئے۔ سادھُو کے برگد کے پتوں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا۔ پھر ایک دن بارش برسی۔ زور کی موسلا دھار بارش، مہاتمابدھ کے جسم سے سارے پتے بہا کر لے گئی۔ دو پتّے اُس کے لیے ہوئے تاملوٹ میں پڑے رہے۔ میں سکول سے آتے جاتے نظریں چُرا کر اس سادُھو کو ضرور دیکھا کرتا۔ میری برگد لے پہلو میں قدرے سست ہو جاتی اور میں خوف کے مارے تیزی سے چل نہ سکتا۔ انہیں وہ خود بھول کر اِدھر آ گیا تھا یا اُس کے گھر والے اُسے بھول گئے تھے یا شاید کسی سے بھی نہ ہوئی ہو اور نروان کی طلب اُسے یہاں لے آئی ہو۔ دراصل بھول اور طلب میں کوئی خاص نہیں ہوتا۔ طلب جب صادق ہو جاتی ہے تو بھول بن جاتی ہے۔"(۷۱)

اشفاق احمد سادھو کے عقیدے اور اس کے صبر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ اتنی تیز بارش میں بھی وہ مراقبہ میں مصروف ہے مذہب کے ساتھ اتنا عشق ہے کہ وہ جان دینے کے لیے بھی تیار ہے۔

رفیق ڈوگر جاپان کی سیر کے دوران مہاتمابدھ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مہاتمابدھ کا جسمہ بہت بڑا ہے انھوں نے اپنے سفر نامہ ”جاپان نورد“ میں ”مہاتمابدھ کے پیٹ کی سیر“ سے تذکرہ کیا ہے۔ جاپان فوجی حکمرانوں کا رجحان مذہبی تھا اسی مذہبی جذبات کا بدولت شوگیون اوّل یوری ٹومو نے حلال کمائی سے مہاتمابدھ کا ایک عظیم الشان مجسمہ بنانے کی وصیت کی اس وصیت کو پورا کرنے کی ذمہ داری جوہکو نے لی۔ یہ مجسمہ تقریباً بیالیس فٹ اونچا ہے۔ اس کی تعمیر تانبے سے کی گئی اور تقریباً اڑھائی ہزار من تانبے سے استعمال ہوا ہے۔ اس مجسمے کے اندر بہت اندھیرا ہے کندھوں میں سیڑھیاں ہیں ان سیڑھیاں تک غیر مذہب کے لوگ بھی جا سکتے ہیں لیکن اس کے پیٹ کی سیر صرف بدھ مذہب کے پیروکار ہی کر سکتے ہیں۔ جاپان میں سمندر طوفانی نے تمام

مندروں کو بہہ دیا لیکن مہاتما بدھ کا مجسمہ اپنی پر قائم رہا۔ انہی الفاظ کو مد نظر رکھتے ہوئے رفیق ڈوگر یوں رقمطراز ہیں۔

> ”نیک دل حکمران کی آخری خواہش کی تکمیل کا فرض جوہکونامی ایک بھکشو نے اپنے ذمہ لیا اور نیک کمائی کی بھیک سے یہ عجوبہ مجسمہ تیار کروادیا جسے دیکھنے کے لئے آج بھی روزانہ ہزاروں لوگ آتے ہیں۔ بیالیس فٹ بلند اور اڑھائی ہزار من سے زیادہ وزنی تانبے کا یہ مجسمہ پانچ سو سال سے کھلے آسمان کے نیچے پڑا ہے۔ آندھی طوفان برف باری ہر موسم میں اپنے بلند چبوترے پر تشریف فرما رہتا ہے۔ آلتی پالتی مارے، محوِ فکر، ہر فکر سے آزاد شروع میں یہ مجسمہ ایک عظیم الشان مندر کے اندر ہوتا تھا۔ پھر سمندری طوفان آیا اور مجسمہ کے سوا مندر کی“(۷۲)

ذکیہ ارشد جاپان کی سیر کے دوران بدھ مت کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ بدھ مذہب کے پیروکار ہمالیہ کی بلند ترین چوٹیاں سے ہوتے ہوئے چین جا پہنچے وہاں پر انھوں نے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا کچھ عرصے کے بعد وہ وہاں سے جاپان چلے گئے وہاں پر انھوں نے شنتو کے مقابل میں گوتم بدھ کا مجسمہ نصب کیا جاپانیوں ان دونوں بت کی عبادت کرنے لگے جاپان میں بدھوں کے بہت سے مقدس مقامات اور مندر دکھائی دیتے ہیں۔ ذکیہ ارشد کے بقول:

جاپان میں پھولوں کی سجاوٹ کا فن اور بدھ مت کے مخصوص فلسفانہ تصورات کو بطور علامتی انداز میں پیش کی گیا بعد میں یہ فن پورے جاپان میں مشہور ہو گیا مندر کی عمارت کی پختگی اور مضبوطی کے لیے رِکاّ کیا جاتا ہے۔ رِکاّ Rika کا مطلب سیدھے کھڑے ہوئے پھول کے ہیں۔ یہ گلدانوں سے اونچے ہوتے ہیں اور ان کی شاخ نوک دار پھولکا رُخ آسمان کی جانب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔"(۷۳)

بارھویں صدی میں رِکا Rika کی آرائش اور تصورات کا آغاز یوں ہوا کہ پھولوں کی سجاوٹ کے لیے ایسے طریقے اپنائے جائیں کہ بدھ مت کے وہ مقدس پہاڑ جن کو دنیا کی مانند قرار دیئے گئے ہیں ان کی نمائندگی کی جائے اس کے لیے اکثر گھروں میں چھوٹے چھوٹے باغات بنائے جاتے ہیں اس کے لیے مختلف طریقوں سے نمائندگی کی جاتی ہے۔ مثلاً صنوبر کی شاخیں چٹانوں اور پتھروں کی علامت کو ظاہر کرتی ہیں اسی طرح دریاؤں اور چشموں اور دھوپ اور چھاؤں کے لیے بھی مختلف رنگوں کے پودوں کو بطور علامت ظاہر کیا جاتا ہے۔ اب تو پھولوں کی آرائش وسجاوٹ ترقی اور خوشی کے موقع پر بھی کی جاتی ہے جاپان میں پھولوں کی

سجاوٹ و ہر چیز اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ مجسمہ اندر سے خالی ہے اور کندھوں تک اندر سے سیڑھیاں جاتی ہیں لوگ ٹکٹ خرید خرید اس کے اندر کی سیر کر رہتے تھے اس عظیم الیشان لازوال مجسمہ کی تعمیر حلال کمائی سے ہوئی بدھ مت کا یہ مقدس مجسمہ اپنی مثال آپ ہے بدھوں کے پیروکاروں نے اس کی تعمیر مقدس اور عظمت کے جذبے سے کی ہے چونکہ مہاتما بدھ کے ساتھ ان مذہبی اور روحانی تعلق ہے۔ رفیق ڈوگر نے اس مجسمہ کی تصویر کشی کی ہے اور یہ پہاڑی کے دامن میں اس عظیم مجسمہ کو ایک فن پارہ کی حیثیت دی ہے۔

آرائش کرتے ہوئے ذکیہ ارشد یوں لکھتی ہیں۔

> ”اس مندر میں نوزائیدہ بچوں کو لایا جاتا ہے۔ ان کی مختلف قسم کی رُسوم ادا ہوتی ہیں۔ ساتھ آنے والی خواتین اپنے قومی لباس کی نمود زیب تن کئے بالوں کے خوبصورتی سے جوڑے بنا کر آتی ہیں۔ کوئی بھی کھلے بال اور سکرٹ وغیرہ پہن کر نہیں آسکتی۔ باہر احاطے میں گوتم بدھ کو بڑا مجسّمہ الیستادہ ہے جس کے سامنے پھولوں کے خوبصورت گلدستے نفاست سے سجے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے احاطے میں جگہ جگہ عجیب عجیب شکل وصورت کے بڑے بڑے دانت نکالے سینگوں والے ہیبت ناک بُت موجود ہیں۔ لوگ مندر کے اندر آتے جاتے گوتم بدھ کے سامنے ہاتھ باندھ کر جُھک جاتے ہیں۔ مندر کے دوسرے حصّے میں سیاہ چغہ اور سیاہ ٹوپی پہنے ایک پروہت ذرا بلند جگہ پر بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے لوگ دوزانوں بڑے ادب سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کی بڑی آسامیوں پر تقرری ہوئی ہے اور وہ اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے یہاں دعائیں حاصل کرنے آئے ہیں۔“ (۷۴)

ذکیہ ارشد نے لوبان میں ایک مندر مذہبی رسومات کی ادائیگی اور نمود و نمائش کی بھرپور عکاسی کی ہے گوتم بدھ کے مجسمہ کی پھولوں کی سجاوٹ اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر جھک کر دعائیں و مناجات طلب کرنے کا ہے۔ مندر کی دوسری طرف پروہت کے سامنے لوگ سر جھکاتے ہیں بڑے باادب لہجہ سے بات کرتے ہیں یہ مناظر قابل دید ہیں۔

بدھ مت کی تعلیمات ہر ملک میں مختلف ہے بعض ممالک ان کی حقیقی تعلیمات پر زور دیا ہے۔ داؤد طاہر پروہت کی عزت و توقیر کے حوالے سے لکھتے ہیں پروہت (ان خواتین کو کہتے ہیں جو راہب بنیں) بدھ مت کو ان کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ ہر مذہب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانی معاشرے کی اصلاح کی

جائے اس لیے کسی مذہب کو کم تر نہیں سمجھا جاتا۔ داؤد طاہر کی ملاقات ایک پروہت سے ہوئی عمومی بات کرتے ہوئے ان سے کچھ سوال کیے جس کے جواب میں یوں لکھتے ہیں۔

> ”بدھ مت کے بارے میں پروہت سے عمومی باتیں شروع ہوئیں تو انہوں نے برملا یہ اعتراف کیا کہ چونکہ ہر مذہب کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کی اصلاح ہے اس لئے وہ کسی مذہب کو بدھ مت سے کم تر نہیں سمجھتے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کا مطالعہ کر چکے ہیں اور ااس سے بہت متاثر ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر مذہب کی حقیقی روح کو سامنے رکھا جائے اور اس کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہا جائے تو عقائد کا اختلاف اپنی جگہ، ہر آدمی اس معاشرے کے لئے ایک مفید وجود ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے کسی جگہ پڑھا تھا کہ فاقہ کش گوتم بدھ (Starving Buddha) کا وہ مجسمہ جو کہ لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے دنیا کے ان معدودے چند فن پاروں میں سے ایک ہے جن کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ حکومت جاپان کی خصوصی درخواست پر یہ مجسمہ خاص انتظامات کے تحت جاپان بھجوایا گیا جہاں لاکھوں جاپانی اپنے روحانی پیشوا کے اس مجسّمے کی زیارت سے فیضیاب ہوئے۔“(۷۵)

روح کو منظر عام پر لانے اور اس مذہب کے اصول وضوابط پر سختی سے کاربند ہونا بہت ضروری ہے عقائد چاہیے جس مذہب کے بھی ہوں لیکن معاشرے میں امن وسلامتی کے لیے ہر فرد کوشاں رہے۔ بدھ مت میں باقاعدہ طور پر مذہبی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے پروہت کی آواز عقیدت مندوں تک پہنچائی جاتی تھی تاکہ اس مذہب کو ماننے والے کو وعظ و نصیحت کیا جائے انہی الفاظ کی روشنی میں داؤد طاہر یوں رقمطراز ہیں۔

> ”ہم اس بڑے ہال میں بھی گئے جہاں مذہبی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ اس کے ایک کونے میں فائبر گلاس کا بنا ہوا گوتم بدھ کا ایک سفید مجسمہ پڑا تھا۔ عقیدت مندوں تک پروہت کی آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کا انتظام بھی موجود تھا تاہم چونکہ اس وقت وہاں کوئی مذہبی اجتماع جاری نہیں تھا اس لئے تھوڑی دیر وہاں رک کر ہم صحن میں جا نکلے جہاں ایک درخت کے نیچے شیشے کے ایک بکس میں گوتم بدھ کا ایک اور مجسمہ پڑا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ تمثیلاً یہ وہ درخت تھا جس کے نیچے بیٹھ کر مہاتما بدھ نے گیان دھیان کی ساری منزلیں طے کی تھیں۔“(۷۶)

مندرجہ بالا پیراگراف سے بدھ مت کے مذہبی اجتماعات اور گوتم بدھ مجسمہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اس کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ گوتم بدھ کا مجسمہ ایک درخت کے نیچے شیشے کے صندوق میں بند کیا ہوا یہ وہ درخت ہے جس میں گوتم بدھ بیٹھ کر مراقبہ کرتا تھا۔

تہران کے سفر کے دوران مستنصر حسین تارڑ سکھوں کے گوردوارے کا جائزہ لیتے ہوئی لکھتے ہیں کہ گوردوارے کی عمارتیں بہت خوبصورت ہیں گرنتھ صاحب کے لیے ایک خاص قسم کا تخت پوش بنایا جاتا ہے گردوارے میں سکھوں کا بہت ہجوم ہوتا ہے۔ تارڑ صاحب گوددوارے جو سکھ کے مقدس مقامات ہیں اس کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں ۔

> "گوردوارے کے عالیشان ہال میں اکھنڈ پاٹھ جاری تھی۔' ہم نظریں نیچی کیے جوتے اتار کر اندرداخل ہوگئے۔ دائیں طرف سینکڑوں پگڑیاں جھکی ہوئی تھیں اور بائیں جانب عورتیں اور بچے بصد احترام آنکھیں نیچے کئے بیٹھے تھے۔ سامنے تخت پوش پر گرنتھ صاحب کے اوراق پر جھکا ایک نرم چہرے والا بوڑھا سکھ تھا۔ اس کی سفید ریشمی داڑھی پنکھے کی ہوا سے دھنی ہوئی روئی کی طرح مقدس کتاب پر پھیل رہی تھی۔ فانوس روشن تھے اور فرش پر قالینوں کی تہیں تھیں۔ سکھ دیپ کو دیکھ کر بیشتر چہروں پر حیرت کی مسکراہٹوں کا ردعمل ظاہر ہوا۔ ہمارے لیے جگہ بنائی گئی اور ہم دونوں بھی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ سکھ دیپ کی نظریں سیتل کو تلاش کرنے لگیں۔"(۷۷)

ہر مذہب میں مقامات مقدسہ کے تقدس کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ سکھوں نے بھی اپنے مقدس کتاب اور مقدس مقامات کے ادب و احترام میں اپنی نگاہیں کو نیچے کی ہوئی اور اپنے سر پر پگڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ مقدس کتاب یعنی گرنتھ صاحب کے اوپر سفید کپڑا، ڈالا ہوتا ہے اس کا تقدس برقرار رہے۔ عطاء الحق قاسمی دہلی کے سفر کے دوران سکھ مت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سکھوں میں دوستی اور دشمنی کے عناصر تو موجود ہیں لیکن ان میں دشمن کو درگزر کرنے کا عنصر موجود نہیں انہی وجوہات کی تردید کرتے ہوئے عطاء الحق قاسمی یوں لکھتے ہیں:

> "سکھ بے حد جفاکشی اور محنتی قوم اور بے غیور بھی ہے۔ دوستی کرنا بھی جانتی ہے اور دشمنی بھی۔ ان کے ہاں دشمنی کو معاف کرنے کا کوئی تصور نہیں۔ بعض مورخوں نے

> سکھوں اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے دور کرنے کے لئے کہانی گھڑی کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں گورنر سرہند نے گورو گوبند صاحب کے دونو عمر بیٹے دیوار میں زندہ چنوا دیئے تھے، سکھ اس جال میں آگئے اور اس کا ردعمل چار سو سال بعد ۱۹۴۷ء میں ظاہر ہوا۔ جنرل ڈائر نے ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں بے گناہوں پر گولی چلائی اس سانحہ کے کئی سال بعد ایک سکھ نے لندن جا کر جنرل ڈائر کو جہنم رسید کیا اندرا گاندھی نے سکھوں کے گولڈن ٹمپل کی توہین کی، اس کے محافظوں نے اسے گولی سے بھون دیا۔ اس پر سکھوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور ہزاروں بے گناہ سکھوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا، اس کے بعد راجیو گاندھی کی باری آئی، اگرچہ حتمی طور پر اس ضمن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر گولڈن ٹمپل کی بے حرمتی کے بعد سکھوں کی طرف سے راجیو گاندھی کو بھی ہٹ لسٹ میں شامل کرنے کا اعلان کیا گیا تھا!"(۷۸)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکھ مقامات مقدسہ کی بے حرمتی برداشت نہ کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور ہزاروں افراد کی جانیں چلی جاتی ہیں۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور بدامنی اور تباہ کاریاں جنم لیتی ہیں،

مذہبی تہوار و رسومات

اس کے علاوہ یہودی مذہب میں مختلف قسم کی رسومات تھی ان کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ دریائے نیل کی ایک حسین لڑکی سے شادی ہوگی یہ تہوار وہ ہر سال مناتے تھے اس عہد وفاء النیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی کی وضاحت میں شفیق الرحمن یوں رقمطراز ہیں۔

> "پھر یہ عید وفاء النیل کیا چیز ہے؟ فرعون کے زمانے میں ہر سال طغیانی آنے پر سب خوشی مناتے تھے اور نیل کی شادی کی جاتی تھی۔ ایک نوعمر حسینہ کو زبردستی دریا میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ عربوں نے یہ رسم بند کی لیکن تہوار اب تک منایا جاتا ہے۔" (۷۹)

قدیم مصر کے فرعون بہت ظالم اور سفاک تھے انھوں نے مصر میں بت پرستی اور تصور کشی کے بہت سے اہرام بنائے ہوئے تھے وہ زندگی سے زیادہ موت کو ترجیح دیتے تھے کیوں کہ موت کے بعد ان کی نعشوں کو

سونے کے تابوت میں بند کر دیا جاتا تھا ان کے قد اور جسم کی پیمائش کر کے تصویر بنائی جاتی تھی۔ ان کو میوزیم میں بہت سے ساز و سامان کے ساتھ رکھا جاتا اس کیفیت کا اظہار شفیق الرحمن کے الفاظ میں۔

> "قدیم مصری تصویر کشی اور بت تراشی زیادہ تر مقبروں کے توسط سے میوزم تک پہنچی ہے۔ تصویروں میں زندگی سے زیادہ موت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان کا مذہب انہیں موت کے لیے تیار کرتا تھا تاکہ اگلی زندگی نہایت شان دار ہو (خواہ پہلی زندگی کتنی بری گزرے) یہ فلسفہ کچھ زیادہ غیر مانوس نہیں معلوم ہوتا، دینا کے کئی حصوں (خصوصاً مشرق) میں اس پر اب بھی عمل کیا جاتا ہے۔ تصویروں میں ہر شخص کا سائز اُس کے مرتبے کے مطابق ہے۔ ایک ہی تصویر میں فرعون کئی ہاتھ لمبا ہے، وزیر ڈیڑھ فٹ کا، سفید پوش حضرات نصف فٹ کے اور عوام ڈیڑھ دو انچ کے ہیں۔ غالباً اس کا یہ فائدہ تھا کہ گروپ کے نیچے لوگوں کے عہدے لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہو گی۔ میوزم میں بے شمار پٹیوں میں لپٹی ہوئی ممیاں ہیں۔ سونے کے تابوت ہیں۔ بڑے بڑے بت، بیش قیمت زیورات اور پرانا لٹریچر بھی ہے جو پرندوں، جانوروں اور دیگر چیزوں کی چھوٹی چھوٹی تصویروں کے قدیم رسم الخط میں مرقوم ہے۔"(۸۰)

عیسائیوں کی عبادت کا مخصوص دن اتوار کا دن ہے اس روز تمام بچے، بوڑھے، مرد و زن عبادت کے لیے گرجا گھر کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ انھوں نے خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مردوں نے ٹوپیاں اور خواتین نے سکارف سروں پر پہنے ہوتے ہیں۔ اسی دن تمام کاروباری مراکز بند ہوتے ہیں۔ انہی الفاظ کی روشنی میں ذکیہ ارشد اسپین کے گرجا گھر کی مرقع نگاری کرتی ہیں۔

> "آج سب مرد عورتیں بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے سروں پر ٹوپیاں لئے یا سکارف باندھے لوگ ہاتھوں میں ہاتھ تھامے رقص کی صورت میں گرجا کی طرف جا رہے ہیں۔ آج اتوار ہے اور لوگ عبادت کے لئے وسطی گرجا گھر جا رہے ہیں۔ میلے کا سماں ہے۔ اور یہ رونق دس بجے ختم ہو گی۔ آج زیادہ تر کانیں بند ہیں لیکن فٹ پاتھوں پر تحفے بیچنے والے اپنی دکانوں کی رونقیں بڑھا رہے ہیں۔ اپنے اپنے مال کی نمائش ویدہ زیب طریقوں سے کر رہے ہیں۔"(۸۱)

عبادات کسی بھی مذہب کی ہوں جذبات کا عنصر رکھتی ہے۔ اس سفر نامے میں ذکیہ نے مغربی معاشرے کی نمود و نمائش کی عکاسی کی ہے۔ جس عکس سے معاشرے کی اُن خامیوں کو سامنے لایا گیا ہے جو اجتماعی شعور سے بالاتر انفرادی اور شخصی عناصر کے پر تو ہے۔ معاشرے کی گراوٹ اور بلندی اعلی اخلاقی اقدار کی مرہون منت ہوتی ہے

قمر علی عباسی بغداد کی سیر کے دوان عیسائیت کے بارے میں لکھتے ہیں عیسائیت میں شادی کی رسمات بھی عجیب ہیں۔ دلہن اور دولہا ہوٹل تک باراتی کے ساتھ جاتے ہیں۔ لیکن ہوٹل کے اندر صرف دولہا اور دلہن داخل ہوگئے۔ باراتی سارے ہوٹل کے باہر ناچتے گاتے ہیں۔ قمر علی عباسی اس کی منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "دولہا سوٹ پہنتا اور دلہن سفید سجا ہوا خوبصورت لباس جیسا عموماً عیسائی دلہنیں پہنتی ہے۔ شادی شدہ جوڑے کو دیکھ کر انگریز یاد آتے ہیں۔ شادی ہوٹل میں ہو تو دلہن کے پیچھے بھی لباس گھسٹتا رہتا ہے جسے نوجوان لڑکیاں اٹھا کر چلتی ہے۔ شہر میں ہونے والی شادی میں دلہن کا لباسپشت سے اتنا نہیں لٹکتا۔ یا ہوٹل آتے وقت گھسٹنے والا لبادہ اتار دیا جاتا ہو گا۔ دلہن کے ساتھ ایک سوٹ کیس اور دولہا کے ساتھ بوڑھی عورت ہوتی ہے۔ سوٹ کیس تو کمرے میں رہ جاتا ہے۔ ہاں بڑی بی ضرور واپس آجاتی ہوں گی۔"(۸۲)

عیسائیت میں شادی کی تقریبات خاص طمطراق سے انجام پذیر ہوتی ہے۔ خاص قسم کے عروسی جوڑے کے نشست و برخاست کے روایتی طریقے اپنی مثال آپ ہیں۔ عروسی آہنگ کی اپنی جاذبیت اور رعنائی ہے۔

طوس کی سیر کے دوران داؤد طاہر پردے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایران میں پردہ کی پابندی ہے کوئی عورت برقعہ کے بغیر گھر سے نکلتی۔ لیکن چہرے کے نقاب پر پابندی نہیں ہے لیکن برقعہ پہننے پر پابندی ہے۔ قرآن مجید میں بھی پردے کی باربار تاکید کی گئی ہے۔ ایران میں نو عمر بچیوں سے لیکر ہر عورت کو پردہ کرنے کے لیے برقعہ کو لازمی قرار دیا ہے عورتوں کو مستوارت کہتے ہیں جس کے معنی چھپنے کے ہیں برقعہ خواتین کے جسم کو چھپاتا ہے۔ اس لیے اس کو پہننا ضروری ہے۔ بقول داؤد طاہر:

> "اس ہجوم میں شامل ایرانی خواتین کو دیکھا تو پتا چلا کہ ہمارے برقعے اور ایرانی حجاب میں بڑا واضح فرق ہے۔ ہمارے ہاں پردہ کرنا یا نہ کرنا ہر عورت کا انفرادی فعل سمجھا جاتا ہے جبکہ ایران میں ایسا نہیں۔ وہاں یہ پابندی بہت چھوٹی عمر سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں اسے رواجاً ظلم میں شامل کیا جانے لگا ہے۔ ہمارا برقع بسا اوقات زینت کو چھپانے کی بجائے اس کی نمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے جبکہ ایرانی برقع ڈھیلا ڈھالا ہے۔ ہاں! چہرے کے پردے پر کوئی پابندی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ چند نو عمر بچیوں کو چھوڑتے ہوئے اس سارے ہجوم میں کوئی عورت برقع کے بغیر نہ تھی لیکن ان میں سے ایک بھی عورت ایسی نہ تھی جس کا ماہتابی چہرہ ہماری نظروں سے اوجھل رہا ہو۔ "(۸۳)

رہے مرد تو ان کی اکثریت مغربی لباس میں ملبوس تھی لیکن ٹائی کہیں نظر نہ آئی۔ بعد میں کسی نے ذکر کیا کہ ایران میں بادشاہت کی بیخ کنی کے بعد ٹائی کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اور یہ پابندی ابھی بھی نافذ العمل ہے۔

ثریا خورشید "سفر نامہ کشمیر" میں اسلام کے حوالے سے لکھتی ہیں عید الفطر مسلمان کا خوشی کے تہوار ہے لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عید کی نماز ادا کرتے ہیں ہر طرف چہل پہل ہوتی ہے لیکن کشمیر کے علاقے گلمرگ اسلام کی کرن نمودار ہوئی ہے وہاں پر کوئی رونق نہیں اور نہ ہی خوشی کے آثار نظر آتے ہیں۔ بقول ثریا خورشید:

> "آج عید الفطر تھی، مسلمانوں کی اکثریت کے اس ملک میں کوئی رونق یا گہما گہمی نظر نہ آئی، شاید اندرون شہر میں ہو، بازار اُسی طرح تھے اور کوئی چراغاں بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ہمارے میزبانوں کے گھر میں لوگ اُنہیں ملنے آتے رہے۔ "(۸۴)

عید الاضحی کے تہوار مسلمان کے لیے باعث مسرت ہے۔ اس لوگ روز لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد میں قربانی کرتے ہیں لیکن مقبوضہ کشمیر کی ہولناکیوں اور دکھ داستانوں نے جہاں کے منظر کچھ اور ہی پیش کرتی ہیں جہاں پر جانوروں کے بارے بجائے لخت جگروں کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں مسلمان عید کی نماز ادا کرنے کے لیے جاتے ہیں تو واپس ان کی لاشیں جاتی ہے اس درد انگیز واقعات کی روشنی میں سلیم گردیزی یوں لکھتے ہیں۔

> "آنسوؤں اور آہوں کی اس وادی کے رہنے والوں نے اس سال عید قربان کیسے منائی؟ یہ جاننے کی خواہش تو تھی لیکن پوچھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کشتگان ستم میری طرف سے عید کا ذکر چھیڑنے کو اپنے زخموں پر نمک پاشی نہ سمجھ لیں۔ ویسے بھی عید محکوماں جس طرح منائی جاتی ہو گی اس کا مکمل نہ سہی، دھندلا سا تصور تو کیا جا سکتا ہے تاہم میں نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ پھر کیا تھا؟ بھارتی فوجیوں کے مظالم کی المناک داستانیں سننے کو ملیں۔ عید قربان کے موقع پر مسلمانانِ ریاست پر ڈھائے جانے والے فوجی مظالم کی تفصیلات سن کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ اس روز نماز عید کی ادائیگی کے لیے عید گاہ کی طرف جانے والے نوجوانوں کو پکڑ کر انٹرو گیشن سنٹروں میں پہنچا دیا گیا۔ سینکڑوں مائیں اس انتظار میں رہیں کہ ان کے لخت جگر نماز عید ادا کر کے گھروں لوٹیں گے تو وہ ان کے بوسے لیں گی لیکن ان کے بیٹوں نے نہ آنا تھا، نہ آئے۔۔۔۔ کئی ایک آئے بھی تو اس حال میں کہ وہ خلعتِ شہادت پہن کر راہ شہادت پر گامزن ہو چکے تھے۔ کئی ماؤں کو اب تک اپنے بیٹوں کا انتظار ہے۔"(۸۵)

اس روز بانڈی پورہ کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس کا کوئی پیارا جام شہادت نوش نہ کر گیا ہو۔ شیپ ہسبنڈری کے سپروائزر غلام احمد بٹ کا تو پورا گھرانہ ہی آزادی وطن پر قربان ہو گیا۔ اس گھر کے چار افراد رتبہ شہادت پر سرفراز ہو گئے۔ پانچویں کو فوج گرفتار کر کے لے گئی اور وہ اپنے اہل خانہ کے جنازوں کو کندھا بھی نہ دے سکا۔ آخری دیدار بھی نہ کر سکا۔ سلیم گردیزی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> "عید قربان اس گاؤں کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام لائی۔ پورا گاؤں ماتم کدہ بن گیا۔۔۔۔۔ اثاثہ لٹ گیا۔۔۔۔۔ ہنستی بستی آبادی سنسان ہو گئی۔۔۔۔۔ گھر ویران ہو گئے۔۔۔۔۔ قبرستانوں کی آبادی بڑھ گئی۔۔۔۔۔ اب نہ گھروں کے آنگن میں بچوں کی کھیل کود ہے اور نہ باغات اور کھیتوں میں کسانوں کی چہل پہل۔ اب یہ لوگ "عید" کے دوبارہ آنے کی تمنا بھی نہیں کرتے۔۔۔ اب بچے بھی عید کا انتظار نہیں کرتے۔۔۔۔"(۸۶)

دلی کی سیر کے دوران قمر علی عباسی ہندو مت میں شادی کی رسومات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہندو دھرم میں شادی کی صرف ایک ہی مرتبہ اجازت ہوتی ہے شادی کے دن مرد و عورت سات پھیرے لیتے

ہیں۔ اس کے بعد مرد عورت کے گلے میں منگل سوتر پہناتا ہے اور عورت اس کی ارتھی اتارتی ہے۔ اس کے بعد وہ ازدواجی زندگی اختیار کرسکتے ہیں اس مذہب میں عورت کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا بلکہ عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

> "اس جگہ ہم نے ایک بات خصوصیت سے دیکھی کہ خواتین کسی لباس اور آرائش میں ہوں حضرات ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ دیکھنے آئے ہیں وہی دیکھتے ہیں۔ ان کی نظریں جھولوں پر، گاڑیوں پر اور دکانوں پر ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں ٹکٹ کا پورا مزا لینا۔ یا ممکن ہو اس کی وجہ شادی ہو ہندو دھرم میں صرف ایک شادی ہے جو سات پھیرے لے کر اور منگل سوتر پہن کر ہو جاتی ہے۔ منگل سوتر عورت کے گلے میں اور عورت مرد کے گلے میں ارتھی اٹھنے تک پڑی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ پردہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ اطمینان کہ جب چاہا دیکھ لیں گے۔ یا ایک عمر پڑی دیکھنے کے لئے۔ یہ بدذوقی۔ نظر کی کمزوری بھی ہو سکتی ہے۔ جہاں تک عورت کے احترام کا تعلق ہے وہ ذرا مشکوک شرط ہے۔"(۸۷)

بنکاک میں مہاتما بدھ اور بدھ مندروں کی منظر نگاری کرتے ہوئے شوکت علی شاہ لکھتے ہیں ماحول میں امن و سکون کا دور دورہ تھا شہر میں بے شمار مندروں اور جگہ جگہ مہاتما بدھ کی مورتیاں نظر آتی ہیں اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "شاہ راما اول نے بنکاک کے متعلق جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر الٹی نکلی ہے۔ مہاتما بدھ کے اس سچے پیروکار نے برمی حکمرانوں کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آکر ایودھیا کی جگہ ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام رتنا کوسین رکھا۔ اس کے لغوی معنی موتیوں والے بدھ کی سرزمین ہیں۔ چونکہ شہر کے ارد گرد نہروں کا ایک جال بچھا تھا اس لیے فوجی نقطہ نظر سے اسے زیادہ محفوظ دارالخلافہ سمجھا گیا۔"(۸۸)

اس باب میں اسلام کے حوالے سے اختر ممونکا سفر تین درویشوں کا میں تھائی لینڈ، جاپان اور آسٹریلیا کی سیر کے دوران مسلمانوں کے مذہبی مقامات کا بخوبی جائزہ لیا۔ امجد اسلام امجد اپنے سفر نامہ ریشم ریشم میں چین میں مساجد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ چین میں مساجد کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عطاء الحق قاسمی لندن کی سیر کے دوران اسلامک سنٹر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انتظار حسین اپنے سفر نامہ زمین اور فلک اور میں ہندوستان کی مساجد اور مسلمانوں کی مذہبی رسومات کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو پانچ وقت کی نماز

پابندی سے ادا نہیں کر سکتے کیونکہ دیگر مذاہب کی وجہ سے ان پر پابندی عائد ہے۔ اس کے علاوہ ہندو مت، سکھ مت اور جین مت کے مذہبی عقائد اور رسومات کو بخوبی جائزہ لیا گیا ہے۔

عیسائیت کے حوالے سے ذکیہ ارشد فرانس کی سیر کے دوران گرجاگھروں کی عمارات کے بارے میں تذکرہ کرتی ہیں۔ تارڑ روم کی سیر کے دوران حضرت مریمؑ کے مجسمے کا ذکر کرتے ہیں۔ قمر علی عباسی عیسائی مذہب میں شادیوں کی رسومات کے بارے میں ذکر کرتے ہیں

اس باب میں ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک کے سفر ناموں میں مختلف مذاہب کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ یہودیت کے بارے میں شفیق الرحمٰن نے اپنے سفر نامہ دجلہ میں مصر کے تاریخی مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۹۹

۲۔ قمر علی عباسی، بغداد زندہ آباد، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ۔ اردو بازار کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۴

۳۔ قمر علی عباسی، دلی دور ہے، عباسیز پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۰، ص ۶۷

۴۔ محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۳۰

۵۔ ایضاً، ص ۳۲۔۳۳

۶۔ ایضاً، ص ۴۴

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۸۔ مختار مسعود، سفر نصیب، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۸۵

۹۔ شوکت علی شاہ، سُلگتے ساحل، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۳۳۔۳۴

۱۰۔ ایضاً ص ۳۴

۱۱۔ محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء ص ۱۳۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۳۔ عطاء الحق قاسمی، دلّی دُور است، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۴ء، ص ۸۰۱۔۸۰۲

۱۴۔ ثریا حفیظ الرحمٰن، جس دیس میں گنگا بہتی ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۱۶۔ شفیق الرحمن، نیل، مشمولہ دجلہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۰

۱۷۔ داؤد طاہر، شوق ہمسفر میرا، فیروز سنز لمٹیڈ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۸۷

۱۸۔ ایضاً ص ۲۴۲

۱۹۔ ایضاً ص ۳۲۵

۲۰۔ عطاء الحق قاسمی، گوروں کے دیس میں، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۴۵۵۔۴۵۴

۲۱۔ ایضاً ص ۴۷۰

۲۲۔ ذکیہ ارشد حمید، سُورج کے ساتھ ساتھ،، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص۱۰۷۔۱۰۶

۲۳۔ ایضاً، ص۱۰۹۔۱۰۸

۲۴۔ قمر علی عباسی، بغداد زندہ آباد، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ۔ اردو بازار کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۵۵

۲۵۔ ایضاً، ص۷۵

۲۶- ایضاً، ص۷۵

۲۷- ایضاً، ص۱۰۶۔۱۰۵

۲۸- انتظار حسین، زمین اور فلک اور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۶۲

۲۹۔ عطاء الحق قاسمی، دلّی دُور است، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۴ء، ص۶۹۸

۳۰۔ ایضاً، ص۷۰۳

۳۱۔ عطاء الحق قاسمی، گوروں کے دیس میں، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۶۱۶

۳۲۔ ثریا حفیظ الرحمٰن، جس دیس میں گنگا بہتی ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص۲۷۲

۳۳۔ محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص۴۹

۳۴۔ شفیق الرحمن، نیل، مشمولہ دجلہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص۱۱

۳۵۔ ایضاً، ص۱۴

۳۶۔ حسین احمد پراچہ، ڈاکٹر، کنارِ نیل، مشمولہ اسفارِ مصر، مرتبہ عالیہ مجید، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص۲۱۷

۳۷۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، سفینتہ النیل فرعون، مشمولہ اسفارِ مصر، مرتبہ عالیہ مجید، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص۱۶۳

۳۸۔ ماہر القادری، قاہرہ۔ مشمولہ اسفارِ مصر، مرتبہ عالیہ مجید، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ص۱۲۶۔۱۲۷

۳۹۔ ایضاً، ص۱۲۷

۴۰۔ ذکیہ ارشد حمید، قاہرہ، مشمولہ سورج کے ساتھ تھ، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص۲۷-۲

۴۱۔ ایضاً ص۴۵

۴۲۔ مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۵۹۔۳۵۸

۴۳- ایضاً ص۳۶۱

۴۴- محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۷۷

۴۵۔ امجد اسلام امجد، ریشم ریشم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۰

۴۶۔ عطاء الحق قاسمی، گوروں کے دیس میں، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۵۰۵

۴۷۔ ذکیہ ارشد حمید، سُورج کے ساتھ ساتھ،، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۵

۴۸- ایضاً، ص ۱۱۳۔۱۱۲

۴۹- انتظار حسین، زمین اور فلک اور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۵

۵۰۔ ایضاً، ص ۶۰

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۵۲ ایضاً، ص ۱۴۳

۵۳- قمر علی عباسی، بغداد زندہ آباد، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ۔ اردو بازار کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۴

۵۴۔ داؤد طاہر، سفر زندگی ہے، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۶۶

۵۵۔ ایضاً، ص ۶۷

۵۶۔ ماہر القادری، قاہرہ میں، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ص ۱۳۳

۵۷- ایضاً ص ۱۳۳

۵۸۔ ایضاً ص ۱۳۴

۵۹۔ ایضاً ص ۱۳۴

۶۰۔ ثریا خورشید، بانہال کے اُس پار، ویری ناگ پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۸۸ء، ص ۵۷

۶۱۔ محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۲۰

۶۲۔ انتظار حسین، زمین اور فلک اور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۶۱

۶۳۔ قمر علی عباسی، دلی دور ہے، عباسیز پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۰، ص ۲۰

۶۴۔ امجد اسلام امجد، ریشم ریشم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۸۵-۸۶

۶۵۔ ایضاً ص ۸۶

۶۶۔ ثریا خورشید، بانہال کے اُس پار، ویری ناگ پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۸۸ء، ص ۸

۶۷۔ شوکت علی شاہ، سُلگتے ساحل، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۳۴

۶۸- سلیم گردیزی، سید، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷-۱۸

۶۹۔ ثریا حفیظ الرحمٰن، جس دیس میں گنگا بہتی ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۲

۷۰۔ اشفاق ا حمد، سفر در سفر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۹۵

۷۱- ایضاً ص ۹۵

۷۲۔ رفیق ڈوگر، جاپان نورد، دید شنید پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۹۵

۷۳۔ ذکیہ ارشد حمید، سُورج کے ساتھ ساتھ،، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹۲

۷۴- ایضاً، ص ۱۹۸

۷۵۔ داؤد طاہر، شوق ہمسفر میرا، فیروز سنز لمٹیڈ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸۳

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۸۴۔۱۸۳

۷۷۔ مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۵

۷۸۔ عطاء الحق قاسمی، دلّی دُور است، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۴ء، ص ۸۰۱

۷۹۔ شفیق الرحمن، نیل، مشمولہ دجلہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۔۲۸

۸۰۔ ایضاً، ص ۲۸

۸۱۔ ذکیہ ارشد حمید، قاہرہ، مشمولہ سورج کے ساتھ تھ، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۷۲-۷۳

۸۲۔ قمر علی عباسی، بغداد زندہ آباد، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ۔ اردو بازار کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۸

۸۳۔ داؤد طاہر، سفر زندگی ہے، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۶۷

۸۴۔ ثریا خورشید، بانہال کے اُس پار، ویری ناگ پبلشرز، میرپور آزاد کشمیر، ۱۹۸۸ء، ص ۷۲

۸۵۔ سلیم گردیزی، سید، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۵۳

۸۶۔ ایضاً ص ۵۴-۵۵

۸۷۔ قمر علی عباسی، دلی دور ہے، عباسیز پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۰، ص ۵۸

۸۸۔ شوکت علی شاہ، سُلگتے ساحل، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۳۳

باب پنجم:

ماحصل

سفر نامہ نثری ادب کی ایک مقبول صنف ہے جس میں سفر نامہ نگار اپنے سفر کی داستان رقم کرتا ہے۔ بنیادی طور پر سفر نامہ سفر نامہ نگار کے مشاہدات اور تجربات کا اظہار ہے۔ سفر نامہ نگار جب کسی خطے یا علاقے کا سفر کرتا ہے تو اس طرح وہ نئی دُنیاوں سے نہ صرف خود متعارف ہوتا ہے بلکہ اپنے قاری کو بھی کسی خاص خطے کی تہذیبی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی صورت حال سے بھی متعارف کرواتا ہے۔ سفر نامہ کسی علاقے کی تاریخ رقم کرنے کے لیے ابتدائی مواد بھی فراہم کرتا ہے۔

سفر نامہ نگار جب کسی علاقے میں اس غرض سے جاتا ہے کہ وہاں کی طرز زندگی، بود و باش، رہن سہن سے بھی متعارف ہو سکے تو ان سب سے متعارف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مخصوص علاقے کے افراد، ان کے مذہب اور اقدار کا بھی تعارف حاصل کرتا ہے۔ مذہب کسی بھی قوم و فرد کی زندگی میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ افراد اپنے مذہبی عقائد اور اقدار و روایات پر کس طرح عمل پیرا ہوتے ہیں جو سفر نامہ نگار کے مشاہدے میں آتا ہے اور اسے اپنے سفر نامے میں کس طرح پیش کرتا ہے۔ سفر نامہ نگار ان مذہبی عناصر کو کس طرح دیکھتا ہے یہ سفر نامہ کا اہم پہلو ہے۔ اُردو سفر ناموں کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار اکثر مقامات پر مذہبی عناصر کے بیان میں جانب دارانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور وہیں ہمیں غیر جانب داری سے بھی ان مذہبی عناصر کا بیان نظر آتا ہے۔

مذہبی عناصر کی تفہیم کے لیے مختلف نظریات سے مدد لی گئی ہے۔ مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے افراد کیا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اور وہ کن عوامل کو زیادہ مقدم ٹھہراتے ہیں اور کن کو نہیں یہ انہی نظریات کی بدولت ممکن ہے یعنی مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے عبادت گاہوں کا قیام اور اس کے پس منظر میں فن تعمیرات کے خصائص۔ ٹوٹم ازم سے لے کر سکھ ازم تک سبھی غیر الہامی مذاہب کی عبادت گاہیں تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کے باعث قابل توجہ ہیں۔ دُنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں فن تعمیر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عیسائیت اور یہودیت میں خاص عمارتیں عبادت کے لیے مخصوص ہوتی تھیں۔ اسلام نے مسجد کا تصور دیا اور ساتھ ہی کرہ ارض کو عبادت کے لیے مخصوص کر دیا۔

انسانی جبلت میں اللہ تعالیٰ نے تجسس اور کھوج کا عنصر شامل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نت نئی منزلوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ یہی تلاش انسان سے بڑی بڑی نا قابل یقین تخلیقات اور دریافت کرواتی ہے۔ انسان جب ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتا ہے تو اسے بہت کچھ نیا دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ اس نئی جگہ کی معاشرت دیکھتا ہے۔ رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کا جائزہ لیتا ہے اور اس نئی ثقافت کے مذہبی عقائد سے روشناس ہوتا ہے۔ جب کوئی سفر کرنے والا اپنے سفر کی تفصیلات لکھتا ہے تو اسے سفر نامہ نگار کہتے ہیں۔ سفر نامے تاریخ میں بہت بڑی تعداد میں لکھے گئے۔ جن کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ سفر ناموں کو اگرچہ تاریخی حقائق کے متبادل شمار نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود سفر ناموں کی پذیرائی کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔

زیر نظر مقالے میں اُردو سفر نامے میں پیش کیے گئے مذہبی عناصر کو تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

"عہد بہ عہد اردو سفر نامے میں یہ عناصر کس طرح جگہ پاتے گئے" ان کو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالے کا پہلا باب دنیا کے بڑے مذاہب مختصر تعارف، اقدار اور مذہبی ثقافت پر مشتمل ہے۔

باب کا پہلا حصہ مذاہب کے تعارف پر جبکہ دوسرا حصہ سفر نامے کی مختصر تاریخ وارتقا پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ دُنیا کے اہم اور بڑے مذاہب کے تعارف پر مشتمل ہے۔ مذہبی تعارف میں تین الہامی اور چار غیر الہامی مذاہب کو موضوع بنایا گیا ہے۔ الہامی مذاہب میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت کو شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ غیر الہامی مذاہب میں ہندوستان کے چار بڑے مذاہب یعنی ہندو مت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ الہامی مذاہب کی مختصر تاریخ، انبیاء کا مختصر تعارف، عقائد اور شریعت کے جزوی مباحث اور رسومات عبادات کے مختلف پہلوؤں کو تاریخی شواہد سے ثابت کیا گیا ہے۔ ان میں مختلف رسومات کی ادائیگی اور اُن کے طریقہ کار کی منظر کشی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی عبادت گاہوں کی بنیادی تصور اور فن تعمیر کی فنکاریوں کو بھی مقالے کا حصہ بنایا گیا ہے۔

مذہب انسانی زندگی کا ایک لازمی جز ہے۔ انسانی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام معاشروں میں لاتعداد اختلافات موجود ہیں۔ ان کے اختلافات کی وجوہات بھی مختلف ہیں۔ کئی رسم و رواج، کئی طرز بود و باش، کئی عادات و خصائل اور کئی شادی بیاہ کی رسومات وغیرہ۔ ان سب میں ایک چیز جو کہ مشترک ہے وہ مذہب ہے۔ انسان کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں۔ مثلاً لمبی عمر کی خواہش کرنا، طاقت ور قوتوں سے جبر اور سختی سے حفاظت اختیار کرنا۔ انسان اپنی تمام تر خواہشات کی تکمیل کے لیے

مذہب کا سہارا لیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب انسانی زندگی کے لیے ڈھال ہے جو اس کو تمام تر تکالیف اور پریشانیوں سے نجات دلانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مذہب دنیا کے ہر معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ ساری عالم انسانیت میں مذہب کو بنیادی جزو قرار دیا گیا ہے۔ مذہب سے ہی معاشرہ پروان چڑھتا ہے۔ کسی بھی مذہب کی جھلک اس کے اتباع کرنے والوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ مثال کے طور پر ہندومت کو ہی لے لیجیے۔ ہندو معاشرے میں ہر جگہ ہندومت کے عناصر ہی دکھائی دیں گے۔ ان کی خوراک، لباس، عبادات، رسومات اور عقائد الغرض ہر عمل مختلف ہے اور یہی صورت حال دوسرے مذاہب کی بھی ہے۔

اردو سفر نامے میں مختلف مذاہب کے مذہبی عناصر میں عقائد، مذہبی اقدار، مقدس کتب، مقدس مقامات اور مذہبی تہوار ورسومات قابل ذکر ہیں۔

اس باب کے دوسرے حصے میں اُردو سفر نامہ کی روایت میں یوسف خان کمبل پوش سے لے کر صغریٰ بیگم کا سفر نامہ یورپ تک کے سفر ناموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جن کی اشاعت قیام پاکستان سے پہلے ہوئی۔ ان سفر ناموں میں سفر نامہ نگاروں نے اپنے اسفار میں جہاں جغرافیائی خوبصورتیوں کا ذکر کیا وہیں ان علاقوں کی تہذیب و ثقافت، رسوم ورواج، معاشرت اور مذہبی عناصر کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ہر سفر نامہ نگار نے ظاہری خدوخال کے بیان کے ساتھ ساتھ داخلی کیفیات کو بھی اپنے سفر نامے میں جگہ دی ہے۔

جن کا مختصر جائزہ پس منظری مطالعہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے اور ان سفر ناموں میں مذہبی عناصر کی کھوج کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ۱۸۴۸ء میں یوسف خان کمبل پوش نے جس نثری اسلوب کی بنیاد رکھی ۱۹۴۷ء تک یہ اسلوب اپنی الگ شناخت کے ساتھ ساتھ دیگر مختلف النوع اظہار کے ساتھ ترقی پذیر نظر آتا ہے۔ سفر نامہ نگاروں نے جن ممالک کا سفر کیا تو انہوں نے وہاں پر ان ممالک کے مذہب کی عکاسی کی ہے لیکن زیادہ تر جس مذہب سے ان کا تعلق تھا اس کا گہرا مشاہدہ کیا اور باقی مذاہب پر سرسری نظر ڈالی۔ اردو ادب میں سفر نامہ نگاروں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اس لیے انہوں نے جو سفر نامے تحریر کیے اس میں مسلمانوں کی تعلیمات کی چھاپ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

اُردو کا پہلا سفر نامہ یوسف خان کمبل پوش کا ہے۔ یہ انہوں نے انگلستان کی سیر کے دوران تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے ”سلیمانی مسلک“ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سفر نامے میں ہندوستانی اقدار کا پرچار کیا چونکہ وہ ہندوستان سے زیادہ انگلستان کو اہمیت دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی سفر نامہ نگار ہیں جنہوں

مذہبی عناصر کو ترجیح دی ہے۔ مسیح الدین علوی نے تاریخ انگلستان میں حج کے بارے میں لکھا۔ وہ حج کرنے کے لیے لندن سے حرمین شریفین چلے گئے جہاں پر انہوں نے حج ادا کیا جو کہ اسلام کا اہم رکن ہے۔ اس سفر نامہ میں انہوں نے اسلام کے مذہبی عناصر کا تذکرہ کیا ہے۔

مسافران لندن میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی ترقی و کامرانی کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیمات کی بھی تعلیم دی ہے۔

''کالا پانی'' جعفر تھانیسری کا سفر نامہ ہے۔ اس میں انہوں نے وہاں کے لوگوں کے عقائد سے بھی متعارف کروایا ہے۔ وہاں ایک جو ور ہے جس کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اسی نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ شیطان کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تمام برے کام شیطان ہی کرواتا ہے۔ فرشتوں کے بھی قائل ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں قیام پذیر ہیں۔ ان لوگوں کو دو سے زیادہ گنتی بھی نہیں آتی ہے۔ اگر کوئی چیز دو سے زیادہ ہے تو انگلیوں کے اشارے سے بتاتے ہیں۔ یہ لوگ لباس نہیں پہنتے۔ وراثت کے حق دار صرف میاں اور بیوی ہیں اور ان کی اصل جائیداد تیر و کمان ہے۔

''سیر برہما'' مولوی عبد الخالق کا سفر نامہ ہے۔ اس میں انہوں نے برہما کی مذہبی رسومات، دینی و دنیوی اعتقادات کا بخوبی مطالعہ کیا ہے وہاں اگر کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی تدفین پر بہت سی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ باقاعدگی سے ناچ گانا کا اہتمام کیا جاتا ہے اور لاش کے ساتھ بہت سا سامان رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ان رسومات کی ادائیگی کے لیے رقم نہیں ہے تو اس کا بھائی اگر امیر ہے تو وہ اس کی تدفین کا انتظام بڑے دھوم دھام سے کرے گا ورنہ چندہ جمع کر کے ان رسومات کو ادا کیا جاتا ہے۔ لاش کے لیے تابوت لایا جاتا ہے اور اس میں لاش ڈال کر سات جنبش دیئے جاتے ہیں۔ یہ عمل دفن یا جلانے سے پہلے کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جلانے کے لیے آگ لگاتے ہیں تو اس وقت ایک ماتمی باجا بجاتے ہیں اور ساتھ ہی دردناک آواز میں اشعار پڑھتے ہیں۔

دوسرا باب براہ راست موضوع کا باقاعدہ پہلا حصہ ہے جسے تیرہ سال کے زمانی وقفے میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ دورانیہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک ہے۔ اس باب میں اُردو ادب کی نامور شخصیات کے سفر ناموں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اگرچہ تعداد کم ہے لیکن اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ادب کی یہ سربر آوردہ شخصیات اپنے

علمی اور ادبی مرتبے میں اہم ہیں۔ ان شخصیات میں خواجہ حسن نظامی، نسیم حجازی، محمود نظامی، جگن ناتھ آزاد اور ابوالحسن علی ندوی شامل ہیں۔

خواجہ حسن نظامی نے اپنے سفرنامے "سفرنامہ پاکستان" میدان عرفات کی فضیلت بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ حسن نظامی نے ہندوؤں کے مقدس مقامات کا بھی ذکر کیا ہے ۔ سومنات کے مندر کی منظرنگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مندر میں ہیرے اور جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ مندر کی تیرہ منزلیں ہیں جن میں ہندووں کے مہاراجوں کے محلات بھی ہیں۔ سومنات کے مندر کو تمام مندروں پر برتری حاصل ہے۔ اس میں برہمن عبادت کے لیے آتے ہیں۔ مندر کی سجاوٹ مختلف علاقوں سے پھول منگوا کر کی جاتی ہے۔

یہ وہ مذہبی عناصر ہیں جن کا خواجہ حسن نظامی نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے۔

محمود نظامی اپنے سفرنامہ ‘‘نظرنامہ’’ میں عیسائیت میں پادری کے مقام کے بارے میں بیان کیا ہے کہ پادری کا عیسائی مذہب میں بہت اہم کردار ہے۔ اگر کسی شخص کے چار بیٹے ہوں تو ایک فوج میں بھرتی ہو گا، دوسرا سیاست دان بنے گا ، تیسرا تجارت کرے گا اور چوتھا پادری ہو گا۔ عیسائیوں کی خوشی، غمی اور عبادات میں پادری کا اہم کردار ہے ۔ یہ انسانی حقوق کی پاسداری کرتے ہیں ، اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں۔ پادری لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔ پادری کو فادر کے رشتے سے منسلک کیا گیا ہے۔ ان کو گھروں میں جانے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ گھر کے ہر فرد کی طرح گھر میں داخل ہوتے ہیں۔

محمود نظامی نے عیسائیوں کے مقدس مقامات سینٹ پیٹرز کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ دُنیا کا سب سے بڑا گرجاگھر ہے جو روم میں واقع ہے۔ اس میں تاریخی مجسمے رکھے ہوئے ہیں اور دیواروں پر عمدہ تصاویر سے نقاشی کی گئی ہے۔ اس عمارت کی خوب صورتی دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

روم کے شہر میں عیسائیوں کے مجسمے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر جگہ جگہ آویزاں ہیں۔ رُوح کی تسکین کے لیے مذہبی عبادت گاہوں میں گھنٹوں گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں، نغمہ خوانی کی جاتی ہے اور رقص کیا جاتا ہے۔

محمود نظامی نے قاہرہ کی سیر کے دوران چند معروف مساجد کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ ان میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی تاریخی مسجد، حضرت زینب بنت فاطمہ الزہراؓ کی مسجد اور حضرت امام شافعیؒ کی مساجد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مصر کی دانیال مسجد کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ مقیاس النیل کے قریب ایک مسجد جو خلافت راشدہ کے دور میں بنائی گئی تھی ، اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ المختصر یہ کہ محمود نظامی نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی عکاسی کی ہے۔

”جنوبی ہند میں دو ہفتے“ جگن ناتھ آزاد کا سفر نامہ ہے۔ اس میں انہوں نے مذہبی اقدار کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں تعصب، کم ظرفی اور تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ مساوات اور رواداری کا درس دیتا ہے۔ اس سفر نامہ میں انھوں نے ہندوستان کے عثمانیہ کالج کا دورہ کیا اور یہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہاں پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی مذہبی عناد نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی مذہبی تعصب ہے اور نہ ہی مذہبی حوالے سے کوئی بات چیت ہوتی ہے۔ ہاسٹل میں دو کچن ہیں۔ ایک ویجی ٹرین اور دوسرا نان ویجی ٹرین کے نام سے مشہور ہے۔ ویجی ٹرین میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور نان ویجی ٹرین میں ہندو اکثریت میں ہیں۔

اسی طرح جگن ناتھ آزاد نے ایک اور جگہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید کی عظمت و تقدس کے بارے میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کے اس قلمی نسخے کو مسلمان بڑے پیار سے ہاتھ لگاتے ہیں کیونکہ ان کو خدشہ ہوتا ہے کہ یہ میلا نہ ہو جائے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے اس قلمی نسخے میں ساری عبارت لکھی ہوئی ہے اور اس کلام پاک کے اکثر نسخوں پر سونے کا کام ہوا ہے۔

جگن ناتھ آزاد نے اپنے سفرنامے ”جنوبی ہند دو ہفتے“ میں مسلمانوں کی مذہبی اقدار ، مقدس کتاب اور ہندوؤں کی رسومات کے حوالے سے لکھا ہے۔

نسیم حجازی اپنے سفرنامہ ”پاکستان سے دیار حرم تک“ میں عیسائیوں کے مقدس مقامات سینٹ صوفیا کا تذکرہ کرتے ہیں کہ سینٹ صوفیا عیسائیوں کا ایک عظیم گرجا گھر ہے جس کی عمارت بہت بڑی ہے۔ اس کو اب صوفیا کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

نسیم حجازی نے مسلمانوں کے مقدس مقامات میں سے مسجد شاہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مسجد دنیا کی سب سے خوب صورت اور حسین مسجد ہے۔ اس میں سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور اس کی

دیواروں اور چھتوں پر ایرانی آرٹ سے مصوری کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مسجد لطف اللہ جو کہ اصفہان میں واقع ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد بالخصوص خواتین کے لیے مختص ہے۔ یہ مسجد “مسجد شاہ” سے چھوٹی ہے اور اس کے گنبد بھی نہیں ہیں۔ البتہ اس کے اندرونی حصہ کی عمدہ نقاشی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ نسیم حجازی نے مسجد ایران جو کہ ایک قدیم ترین مسجد ہے اور مسجد سلطان احمد جو نیلی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ نسیم حجازی نے اپنے سفرنامے میں اسلام اور عیسائیت کے مقدس مقامات کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

انعام اللہ خان اپنے سفرنامہ “ایران جاگ اُٹھا” میں اسلام کے مذہبی اقدار کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے کہ ایران ایک اسلامی ملک ہے ۔ مسلمان چاہے کسی بھی ملک میں رہتے ہوں وہ اخوت کے رشتے سے منسلک ہیں۔ ایران کی سیر کے دوران انعام اللہ خان کو ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی بلکہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنے ملک میں ہیں۔ یہ صرف اخوت کے رشتے سے ہی ممکن ہے۔

ابوالحسن علی ندوی نے اپنے سفرنامہ “شرق اوسط میں کیا دیکھا” میں حج کی ادائیگی کے دوران مسجد نبویؐ میں زیارت کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ مسجد نبویؐ میں گئے اور دو رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی ۔ پھر حضورؐ پر درود و سلام پیش کیا اور یہ سعادت نصیب ہونے پر اللہ تعالیٰ کے احسانات و عنایات کا شکریہ ادا کیا۔

ابوالحسن علی ندوی نے مصر کی سیر کے دوران اہرام مصر کا تذکرہ بھی کیا ۔ اس کے علاوہ انہوں نے دمشق کی سیر کے دوران مسجد شاہ جہان کا ذکر بھی کیا کہ اس مسجد کے در و دیوار پر تاریخ اسلام کے واقعات درج ہیں۔ مسجد کے در و دیوار پر نظر پڑتی ہے دماغ میں اس شہر کی تاریخ اور زمانے کے انقلابات گھومتے ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی نے مدینہ منورہ، مصر اور دمشق کی سیر کے دوران اسلام اور یہودیت کے مقدس مقامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

امیر خانم نے یورپ کی سیر کے دوران اپنے سفرنامہ “میرا سفر” میں لکھا ہے کہ مسلمان دنیا کے کسی کونے میں ہوں وہ اپنی مذہبی اقدار اور روایات پر کاربند رہتے ہیں اور حلال و حرام کا خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ مسلمانوں کے تہوار کے بارے میں بتاتی ہیں کہ مسلمان سال میں دو عیدیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ مناتے ہیں ۔ عیدالفطر کے دن مٹھائیاں اور پکوان تقسیم کیے جاتے ہیں جبکہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر سنت ابراہیم کی یاد میں جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔

مزید برآں امیر خانم لکھتی ہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ یہ کلام پاک حضرت محمدؐ پر نازل ہوا اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ مسلمان اس کتاب سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ امیر خانم اپنے سفرنامے ”میرا سفر“میں عیسائی مذہب کے مقدس مقامات کتھرویڈ گلوسٹ بارے بتاتی ہیں کہ یہ ایک بہت بڑا گرجاگھر ہے جس کے اندر بہت سے درخت اور پھول ہیں۔ گرجاگھر کی عمارت دلکش اور شاندار ہے۔ اس میں حجرے کے حوالے سے تصاویر لگی ہوئی ہیں اور اس میں بائبل کے نسخے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اس میں مختلف قسم کے آرگن ہیں۔ جب وہ بجائے جاتے ہیں تو پورا گرجا گھر گونج اٹھتا ہے اور اس کی آواز بہت دُور تک جاتی ہے۔ امیر خانم نے عیسائیوں کی شادیوں کے حوالے سے رسومات کے بارے میں بتایا ہے۔

امیر خانم نے اپنے سفرنامے ”میرا سفر“ میں اسلام کے مذہبی اقدار ، مقدس کتاب اور عیسائی مذہب کے حوالے سے مقدس مقامات اور رسومات کا ذکر بھی کیا ہے۔

”نئ دیوار چین“ ابراہیم جلیس کا سفرنامہ ہے۔ اس میں انہوں نے چین کی سب سے بڑی اور خوب صورت مسجد کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اس کے علاوہ ابراہیم جلیس نے ایک اور جگہ بدھ مت کے مقدس بت ”دان شو شو“کا بھی ذکر کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس دور کے سفرناموں میں عیسائیت اور اسلام کے حوالے سے زیادہ لکھا گیا ہے اور اس میں مذہبی عناصر میں مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کو زیادہ موضوع بنایا گیا ہے۔

تیسرا باب ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۰ء تک کے سفرناموں کے مذہبی عناصر کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔۔ اس باب میں بطور خاص جن شخصیات کے سفرنامے زیر بحث لائے گئے ہیں اُن میں بیگم اختر ریاض الدین، ابن انشا، جمیل الدین عالی، کوثر نیازی، عطاالحق قاسمی، ابراہیم جلیس، مختار مسعود اور مستنصر حسین تارڑ کے نام شامل ہیں۔ یہ شخصیات بلاشبہ سفرنامے کے علاوہ ادب کی دیگر اصناف میں اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ جمیل الدین عالی، ابن انشا اور ابراہیم جلیس بطور شاعر جب کہ عطاء الحق قاسمی بطور کالم نگار بھی شہرت رکھتے ہیں

لیکن سفر نامے کے باب میں ان کی اہمیت دو چند ہے۔ ابن انشا کے چار سفر نامے، عطاالحق قاسمی کے پانچ سفر نامے، بیگم اختر ریاض الدین کے دو جب کہ ابراہیم جلیس، کوثر نیازی اور مختار مسعود کا ایک ایک سفر نامہ اس باب میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ شخصیات سفر نامے کی روایت میں جدت کی امین ہیں

بیگم اختر ریاض الدین نے اپنے سفر نامہ "سات سمندر پار" میں یہودیت اور ہندومت کے مذہبی عقائد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہودی اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرعون نے خدائی دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نشان عبرت بنا دیا۔ اسی طرح ہندومت کے مذہبی عقیدہ کے بارے میں بھی بیان کیا ہے کہ وہ سلام کرنے کے لیے ہاتھ جوڑتے ہیں اور اپنی کمر کو بھی جھکاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیگم اختر ریاض الدین ٹوکیو کی سیر کے دوران ہندوئوں کی رسومات کے حوالے سے بھی تذکرہ کرتی ہیں کہ ہندو چائے کے اصولوں کو رگ وید کے منتر کی طرح یاد کرتے ہیں، وہ چائے کو یوگا سے تشبیہ دیتے ہیں اور چائے کی پیالی کو دیوی کی طرح سجاتے ہیں۔

اس سفر نامے میں بیگم اختر ریاض الدین نے یہودیت کے عقائد اور ہندووں کے عقائد و رسومات کا تذکرہ کیا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین نے دھنک پر قدم میں عیسائیت کے مذہبی اقدار کے بارے میں بیان کیا ہے کہ عیسائیت ایک الہامی مذہب ہے، اس میں رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اس مذہب میں اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بیگم اختر ریاض الدین نے سکھوں کے مذہبی اقدار کے حوالے سے بھی لکھا ہے۔ فرانسسکو میں سکھ پگڑیاں نہیں باندھتے لیکن ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ مزید بر آں بیگم اختر ریاض الدین نے عیسائیوں کی مقدس کتاب بائبل کا تذکرہ کیا ہے۔ بائبل کی تعلیمات کے مطابق دشمنوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا رویہ اپنانا چاہیے۔

بیگم اختر ریاض الدین نے اس سفر نامے میں عیسائیوں کی مذہبی کتب اور مقدس مقامات کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بدھ مت کے مذہبی مقامات کی نشاندہی کی ہے۔

جمیل الدین عالی نے اپنے سفر نامہ مصر میں یہودیت کے عقائد کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہودیت کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

کوثر نیازی نے اپنے سفر نامہ ''ایک ہفتہ چین میں'' اسلام کے مذہبی عقائد کے بارے میں بیان کیا ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کے مطابق اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ لا الہ الا اللہ۔۔۔ لا اور الہ کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اس کے علاوہ کوثر نیازی نے مسلمانوں کے مقدس مقامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

عطاء اللہ قاسمی نے اپنے سفر نامہ ''شوق آوارگی'' میں عیسائیت کے مذہبی اقدار کے بارے میں بیان کیا ہے کہ عیسائی مردوں اور عورتوں میں سگریٹ نوشی کی ممانعت ہے۔ اسی طرح فلم دیکھنا حرام ہے۔ عورت کا کسی دوسرے فرقے سے شادی کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام میں پردے کی فضیلت کے بارے میں عطاء الحق قاسمی نے ذکر کیا ہے۔ فیشن سازوں نے کچھ ایسے ملبوسات تیار کیے ہیں جو بے پردگی کی علامت ہیں۔

روم کی سیر کے دوران عطاء الحق قاسمی نے نماز کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ترکی کے سفر کے دوران عطاء الحق قاسمی نے مقدس مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی اور پاکستان کی مساجد ایک جیسی ہیں۔ ترکی میں مسجد کے اندرونی حصوں کی سجاوٹ ایسے کی گئی ہے جیسا کہ پاکستان میں ہے۔ قرآن پاک کے نسخے الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ترکی اور پاکستان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے سے مشترک ہیں۔

عطاء الحق قاسمی نے عیسائیت کے مذہبی اقدار اور اسلام کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن انشا نے قاہرہ کی سیر کے دوران یہودیت کے مقدس مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن انشا نے ایک سفر نامہ ''چلتے ہو تو چین کو چلیے'' میں اسلام کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کے بارے میں بیان کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامہ '' نکلے تیری تلاش میں'' میں ہندوئوں کے مذہبی اقدار، مذہبی تہوار اور رسومات کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ابراہیم جلیس نے اپنے سفر نامہ ''بنگال میں اجنبی'' میں اسلام کے مذہبی اقدار کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے جہالت تھی، بت پرستی کا دورہ تھا۔ لوگ بجلی گرتے وقت سجدہ کرتے، سانپ کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے۔ جب اسلام کی کرن نمودار ہوئی تو اس علاقے کے باشندوں میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔

لوگوں نے مساجد تعمیر کیں، ڈھاکہ کو مساجد کا شہر کہا جاتا ہے۔ ان میں چند معروف مساجد کا ذکر ابراہیم جلیس نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے جس میں لال قلعہ کی تاریخی مسجد، خان مسجد اور ست گنبد کی مسجد شامل ہیں۔

ابراہیم جلیس نے بدھ مت کے مذہبی مقامات کی بھی منظر نگاری کی ہے۔ چندوا مند اور شمبر مندر ایسے مندر ہیں جن میں گوتم بدھ کے پاوں کے نشانات بھی ملتے ہیں۔

ابراہیم جلیس نے اسلام کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات اور بدھ مت کے مقدس مقامات کا ذکر بھی کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس دور کے سفر ناموں میں یہودیت اور اسلام کے حوالے سے زیادہ لکھا گیا ہے اور اس میں مذہبی عناصر میں مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کے حوالے سے زیادہ لکھا گیا ہے۔

اس مقالے کا چوتھا اور آخری باب ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء تک مشتمل ہے۔ اس بیس سالہ دورانیے میں پچھلے ابواب کی طرح کئی مشہور شخصیات شامل ہیں جن میں مستنصر حسین تارڑ بطور خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ دیگر مصنفین میں میں نے کشمیر جلتے دیکھا از سلیم گردیزی، بغداد زندہ باد از قمر علی عباسی،، جس دیس میں گنگا بہتی ہے از ثریا حفیظ الرحمن، گنگا جمنا کے دیس میں از ڈاکٹر ظہور اعوان، جاپان نورد از رفیق ڈوگر، بانہال کے اس پار از ثریا خورشید۔ شہر در شہر از امجد اسلام امجد، سفر تین درویشوں کا از محمد اختر ممونکا،، گوروں کے دیس میں از عطاالحق قاسمی شامل ہیں

محمد اختر ممونکا نے اپنے سفر نامہ ''سفر تین درویشوں کا'' میں ہندومت اور جین مت کے مذہبی عقائد کے بارے میں لکھا ہے کہ پہاڑوں اور میدانوں پر بھگوان اور سمندروں میں بدروحوں کا بسیرا ہے۔ اس کے علاوہ محمد اختر ممونکا نے بدھ مت کے بارے میں بیان کیا کہ وہ گوتم بدھ کے مجسمے بنا کر پروہت کے ساز بجاتے ہیں، منتیں مانتے ہیں اور نذرانے ان کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ گوتم بدھ کے اس مجسمے کے قدموں میں موم بتیاں جلتی ہیں۔ اس کے علاوہ محمد اختر ممونکا نے تھائی لینڈ کی سیر کے دوران ہندومت کی مقدس کتاب رامائن کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے۔ مزید برآں محمد اختر ممونکا نے ہندومت کے مذہبی رسومات کے بارے میں تذکرہ کیا ہے کہ ہندوئوں میں کوئی نہ کوئی تہوار منایا جاتا ہے۔

انڈونیشیا کی سیر کے دوران اختر ممونکا نے بوہان کے تہوار کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان دنوں پیر بوہان کا تہوار منایا جارہا تھا۔ اس تہوار میں آتش فشاں پہاڑوں کو نذرانے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ آتش فشاں کا مادہ

اپنے اندر سمولیں۔ مزید بر آں اسلام کے مقدس مقامات کا تذکرہ محمد اختر ممونکا نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ سنگار پور میں ایک بڑی مسجد ہے جس میں چار لاکھ مسلمان نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ پیاز نما گیندوں والی مسجد ہے۔

محمد اختر ممونکا نے ہندو مت اور جین مت کے مذہبی عقائد اور بدھ مت کے مذہبی اقدار اور اسلام کے مقدس مقامات کا ذکر کیا ہے۔

تارڑ نے اپنے سفر نامہ ''خانہ بدوش'' میں عیسائیوں کے مذہبی عقائد اور مقدس مقامات کا ذکر بھی کیا ہے۔

قمر علی عباسی نے اپنے سفر نامہ ''بغداد زندہ باد'' میں اسلام کے مذہبی عقائد، مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ قمر علی عباسی نے مسلمانوں کی مذہبی رسومات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

قمر علی عباسی نے اپنے ایک اور سفر نامہ ''دلی دور ہے'' میں ہندو مت کی مذہبی رسومات کا ذکر بھی کیا ہے کہ ہندوؤں میں شادی کی رسومات کچھ ایسی ہیں کہ دولہا اور دلہن سات پھیرے لگاتے ہیں پھر دولہا کو منگل سوتر پہننا ہے۔ دلہن اس کی آرتھی اتراتی ہے۔ مزید بر آں قمر علی عباسی نے ہندو مت کے مذہبی عقائد اور مقدس مقامات کا بھی ذکر کیا ہے۔

عطاء الحق قاسمی نے اپنے سفر نامہ ''دلی دور است'' میں سکھ مت کے مذہبی عقائد کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کے مذہبی اقدار کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ہندو مذہب میں گائے کو ماتا کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہندو گائے کے گوبر اور پیشاب کو تبرک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ جس جگہ عبادت کرتے ہیں وہاں پر گائے کا گوبر استعمال کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ گائے کا گوشت کھانے سے گائے کی شان میں گستاخی ہوتی ہے۔ بھارت میں مسلمانوں پر بھی یہ پابندی عائد ہے کہ وہ گائے کو ذبح نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کا گوشت کھا سکتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک گائے دکان پر آکر بنولوں کی بوری میں منہ مار رہی تھی۔ ہندو دکاندار کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ لیکن وہ گاؤ ماتا کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دھرم کے علاوہ اس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ انسان بھی کیا عجیب شے ہے۔ توہین کرنے پر آتا ہے تو اشرف المخلوقات کی توہین کر دیتا ہے اور عزت کرنے پر آتا ہے تو گائے، بھینسوں اور بندروں کی عزت کرنے لگتا ہے۔ بھارت میں سال میں کئی بار اس وجہ سے مسلمانوں کو ذبح کیا جاتا ہے کہ انہوں نے گائے کو کیوں ذبح کیا۔ ہندو دھرم میں گاؤ ماتا کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے، یہ ان کے مذہب کا حصہ ہے۔ اس کی شان میں گستاخی قابل قبول نہیں ہے۔

ثریا حفیظ الرحمٰن نے اپنے سفر نامہ میں سکھوں کے مذہبی عقائد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ امر تسر میں ایک تالاب ہے جس میں گورونانک نے غسل کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ جو کوئی اس تالاب میں غسل کرے گا اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ سکھوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ بیری کے پتے، کھال اور چھال کھانے سے ہر مرض ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ عقیدت کے طور پر اس کو چومتے ہیں۔ اس کے علاوہ ثریا حفیظ الرحمٰن نے بدھ مت کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کے بارے میں بھی لکھا ہے۔

شفیق الرحمٰن نے اپنے سفر نامہ "دجلہ" میں عیسائیت کے مذہبی اقدار کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے مقدس مقامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مزید بر آں یہودیوں کے مذہبی تہوار و رسومات کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہودی ہر سال ایک تہوار مناتے ہیں جس کو عہد وفاء النیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ رسم زمانے سے چلی آ رہی تھی کہ ایک نو عمر حسینہ کو زبردستی و دریا میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ عربوں میں اب یہ رسم ختم ہو گئی لیکن تہوار اب بھی مناتے ہیں۔

شفیق الرحمٰن نے اپنے سفر نامہ دجلہ میں یہودیت کے مقدس مقامات اور رسومات کے علاوہ عیسائیت کے مذہبی اقدار کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر حسین پراچہ، ڈاکٹر اے بی اشرف اور ماہر القادری نے بھی یہودیت کے مقدس مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ امجد اسلام امجد، رفیق ڈوگر اور اشفاق احمد نے بھی اپنے اپنے سفر ناموں میں بدھ مت کے مقدس مقامات کا ذکر کیا ہے۔

سلیم گردیزی نے بدھ مت کے مقدس مقامات اور اسلام کی مذہبی رسومات کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ثریا خورشید نے ہندومت اور بدھ مت کے مقدس مقامات اور اسلام کی مذہبی رسومات کا تذکرہ کیا ہے۔ انتظار حسین نے ہندوؤں کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ذکیہ ارشد نے اپنے سفر نامہ "سورج کے ساتھ ساتھ" میں اسلام کے مذہبی اقدار اور مقدس مقامات کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیت کے مقدس مقامات اور مذہبی رسومات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ داود طاہر نے اپنے سفر نامہ "سفر زندگی ہے" میں اسلام کے مقدس مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک اور سفر نامہ "شوق ہم سفر میرا" میں اسلام کے مذہبی اقدار اور مذہبی رسومات کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بدھ مت کے مقدس مقامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس دور کے سفر ناموں میں یہودیت، اسلام،

ہندو مت اور بدھ مت کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں اور عناصر میں سے مذہبی عقائد، مذہبی اقدار اور مقدس مقامات پر زیادہ منظر عام پر لایا گیا ہے۔

نتائج:

زیر نظر تحقیق کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

مذہبی عناصر سے مراد ایسے عناصر ہیں جو کسی مذہب کی پہچان ہوتے ہیں۔ ان عناصر کو بعض اوقات مظاہر کی صورت میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ گویا عناصر کی مجسم صورت کو ہم مظاہر سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ مذہبی عناصر میں عقائد، مذہبی اقدار، مقدس کتب، مقدس مقامات اور مذہبی تہوار و رسومات شامل ہیں۔ اردو سفر ناموں کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان عناصر کا بیان زیادہ ملتا ہے جو مجسم صورت میں موجود ہیں۔

اُردو سفر نامہ کی روایت میں یوسف خان کمبل پوش سے لے کر صغریٰ بیگم کا سفر نامہ یورپ تک کے سفر ناموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جن کی اشاعت قیام پاکستان سے پہلے ہوئی۔ ان سفر ناموں میں سفر نامہ نگاروں نے اپنے اسفار میں جہاں جغرافیائی خوب صورتیوں کا ذکر کیا ہے وہیں ان علاقوں کی تہذیب و ثقافت، رسوم و رواج، معاشرت اور مذہبی عناصر کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ہر سفر نامہ نگار نے ظاہری خدوخال کے بیان کے ساتھ ساتھ داخلی کیفیات کو بھی اپنے سفر نامہ میں جگہ دی ہے۔

قیام پاکستان سے ساٹھ کی دہائی تک کے اردو سفر ناموں میں مذہب کے حوالے سے اسلام کو زیادہ موضوع بنایا گیا اور اسی حوالے سے مقدس مقامات کا بیان زیادہ ملتا ہے۔ اس دور کے اہم سفر نامہ نگاروں میں محمود نظامی، نسیم حجازی، انعام اللہ خان، ابراہیم جلیس، جگن ناتھ آزاد، ابوالحسن ندوی، حسن نظامی، اور امیر خانم وغیرہ شامل ہیں۔

ساٹھ سے اسی کی دہائی تک کے اردو سفر نامے کے مطالعے سے بھی کچھ ایسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔ اس عرصے میں لکھے گئے سفر ناموں میں بھی اسلام کو ہی زیادہ نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے جبکہ دیگر مذاہب کا بیان کم ملتا ہے۔ اس زمانے کے سفر ناموں میں مقدس مقامات کے ساتھ ساتھ ہمیں مذہبی اقدار کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس عہد کے اہم لکھنے والوں میں بیگم اختر ریاض الدین، ابن انشاء، کوثر نیازی، جمیل الدین عالی، ابراہیم جلیس، عطاالحق قاسمی وغیرہ۔

اسی کی دہائی کے بعد اردو سفر نامے میں ایک اہم موڑ آتا ہے۔ اس سے پہلے سفر نامہ لکھنے والوں کی تعداد کم نظر آتی ہے لیکن اسی کے دہائی کے بعد سفر نامہ نگاروں کی تعداد میں ایک بڑا اضافہ نظر آتا ہے اور اس عہد میں سفر نامے کے حوالے سے بڑے بڑے نام بھی سامنے آتے ہیں۔ اس عہد میں لکھنے والوں میں مستنصر حسین تارڑ، محمد اختر ممونکا، قمر علی عباسی، عطالحق قاسمی، ذکیہ ارشد، انتظار حسین، ثریا خورشید، سلیم گردیزی، ثریا حفیظ الرحمن، ماہر القادری، ڈاکٹر اے بی اشرف، داود طاہر اور شفیق الرحمن شامل ہیں۔ اس دور کے سفر ناموں میں اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے عناصر بھی اردو سفر ناموں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سفر نامہ نگار مذہب کی تفریق کے بغیر مقدس مقامات، مذہبی اقدار و روایات اور مذہبی عقائد کا بیان ملتا ہے کہیں کہیں مذہبی کتب پر بھی بات ملتی ہے۔

مجموعی طور پر اردو سفر ناموں کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار سب سے پہلے جس چیز سے متاثر ہوتا ہے وہ مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیر ہے۔ یہ مذہبی عمارتیں فن تعمیر کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کی بھی حامل ہیں اور ان کے بیان میں سفر نامہ نگار کی بھرپور دلچسپی نظر آتی ہے۔

بنیادی طور پر ان سفر ناموں کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سفر نامہ نگار جب دوسرے مذاہب کے عناصر پر غور کرتا ہے تو غیر شعوری طور پر اپنے مذہب سے ان کا تقابل بھی کرتا ہے اور ان مذہبی عناصر یا عقائد کے بیان میں وہ جانبدار بھی نظر آتا ہے۔

مذہبی عناصر کے بیان میں جو نکتہ توجہ طلب ہے کہ ہمارے سفر نامہ نگار مذہبی یگانگت کا پرچار کرتے بھی نظر آتے ہیں اس ضمن میں جگن ناتھ آزاد ہندو مسلم یگانگت کا بیان بھی کرتے نظر آتے ہیں۔

سفر ناموں کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار جس کسی دوسرے ملک میں اپنے مذہب کے ماننے والوں سے ملتا ہے تو ان سے اپنی وابستگی کا والہانہ اظہار کرتا ہے اور جب وہ سفر نامے میں ان کا ذکر کرتا ہے تو اس میں اس کی گہری وابستگی اور جذباتی لگاؤ واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر مقامات پر وہ دیگر مذاہب کے بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے سفر کے دیگر متعلقات کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

سفارشات:

۱۔ اس مقالے میں سات مذاہب زیر تحقیق لائے گئے ہیں جبکہ دنیا میں بہت سارے مذاہب ہیں چنانچہ ہر مذہب کے مطابق سفر ناموں کا تحقیقی منصوبہ بنایا جاسکتا ہے۔

۲۔ سفر ناموں کو اگر ملکوں کی تقسیم کے مطابق زیر تحقیق لایا جائے تو تحقیقی حوالے سے نئے زاویے سامنے آسکتے ہیں۔

۳۔ یوسف خان کمبل پوش کے بعد سے بہت سے سفر نامہ نگار پردہ اخفا میں رہے اور ان کی تخلیقات کا بڑا حصہ وقت کی ستم ظریفی کا شکار ہو گیا۔ ان کی دریافت کے لیے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذات:

ابراہیم جلیس، نئی دیوار چین، اردو منزل، کراچی، ۱۹۵۸ء

ابراہیم جلیس، بنگال میں اجنبی، لارک پبلیشرز کراچی، ۱۹۶۱ء

ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیئے، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء

ابن انشاء، قاہرہ، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء

ابوالحسن علی ندوی، شرق اوسط میں کیا دیکھا، مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنو، ۱۹۵۳ء

اختر ریاض الدین احمد، سات سمندر پار، پاکستان رائٹر کواپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء

اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم، نسیم بکڈپو کچہری روڑ، لاہور ۲۰۰۲ء

اشفاق احمد، سفر در سفر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵

امجد اسلام امجد، ریشم ریشم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء

امیر خانم، میرا سفر، اشرف پریس، لاہور۔ س۔ن

انتظار حسین، زمین اور فلک اور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء

انعام اللہ خان، ''ایران جاگ اُٹھا''، اردو مرکز، لاہور۔ ۱۹۵۲

اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، سفینتہ النیل فرعون، مشمولہ اسفارِ مصر، مرتبہ عالیہ مجید، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء

ثریا خورشید، بانہال کے اُس پار، ویری ناگ پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۸۸ء

ثریا حفیظ الرحمٰن، جس دیس میں گنگا بہتی ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

جگن ناتھ آزاد، جنوبی ہند میں دو ہفتے، دہلی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۰ء

جمیل الدین عالی، مصر، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۵ء

حسین احمد پراچہ، ڈاکٹر، کنارِ نیل، مشمولہ اسفارِ مصر، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء

خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ پاکستان، دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی، ۱۹۵۲ء

داؤد طاہر، سفر زندگی ہے، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۹۸ء

داؤد طاہر، شوق ہمسفر میرا، فیروز سنز لمٹیڈ لاہور، ۱۹۹۸ء
ذکیہ ارشد حمید، سُورج کے ساتھ ساتھ،، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء
رفیق ڈوگر، جاپان نورد، دید شنید پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء
سلیم گردیزی، سید، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۲ء
شفیق الرحمن، نیل، مشمولہ دجلہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء
شوکت علی شاہ، سُلگتے ساحل، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۳ء
عطاء الحق قاسمی، دلی دوراست، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۴ء
عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، مشمولہ سفر نامے، نیشنل فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۴ء
عطاء الحق قاسمی، گوروں کے دیس میں، مشمولہ سفر نامے، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء
قمر علی عباسی، دلی دور ہے، عباسیز پبلی کیشن، کراچی، ۱۹۹۰ء
کوثر نیازی، ایک ہفتہ چین میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۵ء
ماہر القادری، قاہرہ میں، مشمولہ اسفار مصر، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء
محمد اختر ممونکا، سفر تین درویشوں کا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۳ء
محمود نظامی، نظر نامہ، العمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۱۰۲ء
مختار مسعود، سفر نصیب، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۸۱ء
مستنصر حسین تارڑ، خانہ بدوش، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء
مستنصر حسین تارڑ، نکلے تیری تلاش میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء
نسیم حجازی، پاکستان سے دیار حرم تک، جہانگیر بکس، لاہور ۱۹۶۰ء

ثانوی ماخذات:

آسیہ رشید، ڈاکٹر، / حافظ محمد شارق، مطالعہ مذاہب عالم، ادارہ تحقیقات مذاہب، ۲۰۱۶ء
انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان، اُردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۲ء
احمد دیدات، شیخ، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء
الیگزینڈر بربزن، مترجم، امجد علی بھٹی، ڈاکٹر، بدھ مت اور اسلام، فکشن ہاؤس، لاہور ۲۰۱۶ء

ایم اسماعیل، مذاہب عالم، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء

جعفر تھانیسری، مولوی، کالا پانی، صوفی پبلیکشنگ کمپنی، لاہور، ۱۹۶۳ء

جلال افسر سنبھلی، مہابھارت، آرٹ پریس دہلی، دہلی، ۱۹۸۹ء

خالد محمود، اُردو سفروں کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ جامعہ دہلی لمٹیڈ، دہلی، ۲۰۱۹

ذاکر نائیک، ڈاکٹر، دنیا کے بڑے مذاہب، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو کا پہلا سفر نامہ، عجائبات فرنگ، مشمولہ الزبیر سفر نامے اُردو اکادمی، بہاول پور ۱۹۹۸ء

شاہد مختار، ڈاکٹر، مسیحیت، شاہد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

شبلی نعمانی، سفر نامہ روم، مصر و شام، آگرہ، ۱۸۹۴ء،

عمادالدین، حافظ، تفسیر ابن کثیر، (جلد اول) اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء

عمادالدین، حافظ، تفسیر ابن کثیر، (جلد چہارم) اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۱ء

عبدالخالق، مولوی، موحد، سیر برہما، مطبع نامی، لکھنؤ، ۱۸۹۳ء

عطیہ فیضی رحمن، زمانہ تحصیل مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۹۲۲ء

لیبان، ڈاکٹر۔ مترجم سید علی بلگرامی، تمدن ہند، الفیصل، لاہور ۲۰۱۵ء

لیوس مور / مترجم یاسر جواد سعدیہ جواد، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، نگارشات، لاہور ۲۰۱۸ء

محمد شفیع، مولانا، مفتی، معارف القرآن (جلد ہشتم)،، ادارہ المعارف کراچی، ۲۰۱۳ء

محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

محمد جوناگڑھی، مولانا، احسن البیان، دار لسلام الریاض، لاہور، س۔ن

محمد یوسف خان، پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العُلوم، لاہور، ۲۰۱۵ء

محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم،، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۴ء

محمد اکرم رانا، پروفیسر، ڈاکٹر، بین الاقوامی مذاہب، یورپ اکاومی، ۲۰۱۱ء

مظفر حسین ملک، ڈاکٹر، بشریات مذہب، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

محمد احمد نعیمی، ڈاکٹر، اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ، ادارہ تحقیقات، کراچی، ۲۰۲۱ء

محمد جوناگڑھی، مولانا، احسن البیان (تفسیر) دارالسلام، لاہور

محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

نیاز فتح پوری، علامہ، خدا اور تصور خدا، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲ء

وحید الرحمن خان، نقد سفر، بک ہوم لاہور، ۲۰۱۴ء

رسائل و جرائد:

انور مسعود، ڈاکٹر، اوراق، جنوری ۱۹۷۸ء

فرزانہ سعید، نقوش ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء

الزبیر، سفر نامے، اُردو اکادمی، بہاول پور ۱۹۹۸ء

دریافت، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

لغات:

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۸ء

حسن عمید، فرہنگ عمید، (فارسی و لغات عربی) فرہنگ مفصل و مصور

Oxford Advanced learner's Dictionary

وحید الزمان، قاسمی کیرانوی، مولانا، القاموس الوحید، (عربی اُردو لغت) ادارہ اسلامیہ، لاہور